کتابِ دانش

اوشو

نام کتاب: کتابِ دانش

مصنف: گرو رجنیش اوشو

ترجمہ: احسن بٹ

ناشر: آصف جاوید

برائے: نگارشات پبلشرز، 24۔مزنگ روڈ، لاہور

PH:0092-42-37322892 FAX:37354205

Facebook:nigarshatpublishers-Email:nigarshat@yahoo.com

مطبع: نوید حفیظ پرنٹر، لاہور

سال اشاعت: 2016ء

قیمت: -/650 روپے

فہرست



زندگی

محبوب اوشو! زندگی کیا ہے؟

دیوآنند! زندگی کوئی ایسی شے نہیں ہے جس کی تعریف متعین کی جا سکے۔ اور زندگی کوئی ایک شے نہیں ہے، یہاں جتنے لوگ ہیں اتنی ہی زندگیاں ہیں۔ زندگی واحد مظہر نہیں ہے، میری زندگی اِک اپنے ہی سواد کی حامل ہے، تمہاری زندگی اِک اپنی ہی انفرادیت رکھتی ہے۔ بلاشبہ ایک درخت کی زندگی تمہاری زندگی نہیں ہے، اور ایک دریا کی زندگی درخت کی زندگی نہیں ہے۔

زندگی جمع ہے، زندگی لاکھوں کروڑوں شکلوں کی حامل ہے۔ پس اِس کی تعریف کیسے متعین کی جا سکتی ہے؟ کوئی تعریف اس سے انصاف نہیں کر پائے گی۔ ہاں، اِس کو جیا جا سکتا ہے، اس کا سواد چکھا جا سکتا ہے، لیکن اس کی تعریف متعین نہیں کی جا سکتی۔ اگر ایسا ہو بھی تو تمہاری متعین کی ہوئی تعریف بس تمہارے تجربے کی عکاس ہوگی۔ یہ زندگی کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گی، یہ صرف اتنا بتائے گی کہ تم نے اپنی زندگی کو ایسے جانا سمجھا ہے۔ یہ کسی اور شخص کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رکھتی ہوگی۔ اس بات کو یاد رکھو گے تو زندگی ایک نہایت حیران کن اسرار محسوس ہوگی۔

سول گرین برگ ٹیکساس کے ایک چھوٹے سے قصبے میں رہنے والا واحد یہودی تھا۔ وہ بڑا فیاض انسان تھا۔ وہ سیاہ فام لوگوں کو خصوصاً زیادہ پیسے دیا کرتا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ گرین برگ فوت ہو گیا۔

چونکہ اس کی کوئی آل اولاد نہیں تھی، اس لیے اس نے اپنی ساری دولت، سب مال و متاع قصبے والوں کے نام کر دیا تھا۔ قصبے والوں نے گرین برگ سے اپنی عقیدت کے اظہار کی خاطر فیصلہ کیا کہ اُسے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ دفنایا جائے۔

انہوں نے اسے کاؤ بوائے والا پورا لباس پہنایا۔۔۔ بڑا سا بھاری بھرکم ہیٹ اور سونے کی مہمیز۔ انہوں نے سونے کی کیڈیلاک کار بنوائی اور گرین برگ کی لاش کو اس میں رکھا۔ پھر انہوں نے اتنی بڑی قبر کھودی کہ جس میں وہ کار سما جائے۔

جب وہ کار کو مردے سمیت قبر میں اتار رہے تھے تو وہاں موجود دو سیاہ فاموں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ''دیکھو یار! جینا تو اِن یہودیوں کو آتا ہے!''

تعریف کا انحصار تم پر ہے۔ تعریف ہمیشہ تمہاری ہی تعریف رہے گی، کہ تم زندگی کو کیسا تصور کرتے ہو۔ یہ زندگی کی تعریف نہیں ہوگی۔ روپے پیسے کے دیوانے شخص کے واسطے زندگی سِکوں کی جھنکار ہوگی، خالص سونے کے سِکوں کی جھنکار۔ اقتدار کے دیوانے شخص کے لیے، اختیار کے لیے پاگل ہو جانے والے شخص کے واسطے زندگی ایک مختلف سواد کی حامل ہو گی۔ شاعر کے لیے زندگی بلاشبہ ایسی کوئی شے ہوگی، جو کہ شعریت کی حامل ہو۔

یہ فرد فرد کے لیے جدا جدا ہوتی ہے، یہ تو نسبتی ہوتی ہے۔ البتہ ایک شے مرکزی ہے، اور وہ میں تمہیں بتانا پسند کروں گا۔ ایک بات بہت اہم ہے، بہت زیادہ اہم۔۔۔ اور وہ یہ کہ جو شخص بھی حقیقتاً زندہ ہے، وہ ''یہاں'' اور ''اب'' میں زندہ ہے۔ اس کی انفرادی زندگی کی جو بھی شکل ہو، اور جو بھی اس کی انفرادی زندگی کا اظہار ہو، ایک بات جوہری اہمیت کی حامل ہو گی۔۔۔ اور وہ یہ کہ اس میں ''یہاں'' اور ''اب'' والی صفت ضرور ہوگی۔

ماضی ہے ہی نہیں اور مستقبل ابھی آیا نہیں ہے، پس جو ماضی میں زندہ ہوتے ہیں وہ زندہ نہیں ہوتے، وہ صرف سوچتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں۔ جو لوگ مستقبل میں جیتے ہیں، وہ زندہ ہو ہی نہیں سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم مستقبل میں کیسے جی سکتے ہو جبکہ وہ ابھی آیا ہی

نہیں ہے؟

تاہم لوگ اس طرح ہی جی رہے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں لوگ ماضی میں جی رہے ہیں جبکہ باقی کے لاکھوں کروڑوں لوگ مستقبل میں جی رہے ہیں۔ ایسا کوئی شخص شاذ ہی ملتا ہے جو ''یہاں'' اور ''اب'' میں جی رہا ہوتا ہے۔ وہی شخص حقیقی ہوتا ہے، وہی شخص حقیقت میں زندہ ہوتا ہے۔ زندگی کو فقط ایک شے ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ اور وہ یہ کہ اس کی جڑیں حال میں ہوں۔ اس کی جڑیں اور کہیں ہوتی ہی نہیں ہیں۔ ماضی تو ایک یاد ہے جبکہ مستقبل ایک خیال۔۔۔ دونوں ہی غیر حقیقی ہیں۔

حقیقی تو لمحۂ موجود ہے۔۔۔ صرف لمحۂ موجود۔

تم نے پوچھا ہے: ''زندگی کیا ہے؟''

زندگی یہ ہے!

تمہیں سیکھنا ہوگا کہ تم ماضی اور مستقبل کے بوجھ سے چھٹکارا کیسے پا سکتے ہو، تب تم گلاب کے پھول کی طرح جینے کے اہل ہو گے، یا کسی پرندے کی طرح، کسی جانور کی طرح، کسی درخت کی طرح۔ تب تم ویسی ہی شادابی کے حامل ہو گے، ویسے ہی سرسبز ہو گے۔۔۔ تب تم میں سے ویسا ہی جیون رس چھلک رہا ہوگا۔

مجھے تو سڑکوں پر چلتے ہوئے لاکھوں کروڑوں لوگ ایسے لگتے ہیں کہ جیسے وہ زندہ نہیں ہیں بلکہ چلتے پھرتے زومبی ہیں۔ وہ مرے ہوئے لوگ ہیں۔ تم ان کی آنکھوں سے زندگی چھلکتی نہیں پاؤ گے، زندگی کا رس چھلکتا ہوا انہیں پاؤ گے۔ ان کی زندگی سراسر لایعنی ہے، معنی سے خالی ہے۔ یہ اس لیے لایعنی، بے معنی ہے کہ یہ زندگی ہی نہیں ہے۔

پرانے وقتوں کی بات ہے ایک پادری کے ہاں ایک سیاہ فام غلام تھا، جس کا نام ایذرا تھا۔ ایذرا کافی ذہین اور آگے بڑھنے کا خواہاں تھا لیکن بے چارا لکھنے پڑھنے سے قاصر تھا۔

ایک اتوار کا ذکر ہے کہ پادری نے اسے چرچ میں دیکھا اور وہ بھی اس حال میں کہ اس کے واعظ کے دوران ایذرا ایک کاغذ پر تیزی سے کچھ لکھتا جا رہا تھا۔ پادری بہت حیران تھا۔ بعد میں اس نے ایذرا سے

پوچھا: ''ایذرا! یہ تم چرچ میں کیا کر رہے تھے؟''

''میں نوٹس لے رہا تھا۔''

پادری نے کہا: ''ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ تم نے کیا نوٹ کیا ہے۔''

نوٹس کیا تھے، یوں لگتا تھا کیڑے مکوڑے بنائے گئے ہوں۔ پادری نے بے ساختہ کہا: ''ایذرا! یہ کیا بکواس ہے؟''

غلام نے اسی بے ساختگی سے کہا: ''آپ یہی کچھ تو وعظ فرما رہے تھے۔''

زندگی کوئی بنی بنائی شے نہیں ہے، دستیاب و مہیا۔ تم وہی زندگی پاتے ہو جو تخلیق کرتے ہو، تم زندگی سے وہی کچھ پاتے ہو جو تم نے اس کو دیا ہوتا ہے۔ پہلے تو تمہیں اس میں معنی سمونا ہوتے ہیں۔ تمہیں اس کو رنگ اور موسیقی اور شاعری دینا ہوتی ہے، تمہیں تخلیقی ہونا ہوتا ہے۔ صرف تب تم زندگی ہو پاتے ہو۔

دوسری جوہری اہمیت کی حامل بات یہ ہے کہ صرف وہی چند لوگ ہی جو تخلیقی ہوتے ہیں، یہ جانتے ہیں کہ زندگی کیا ہے۔ غیر تخلیقی بالکل شخص نہیں جانتا کہ زندگی کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی تخلیقیت ہے، تخلیقیت ہے زندگی! کیا تم نہیں دیکھ سکتے کہ زندگی کیسے تخلیق کیے جا رہی ہے؟ یہ تخلیقیت کا تسلسل ہے، مسلسل تخلیقیت، لحہ لحہ تخلیقیت۔

حقیقت میں بھگوان خالق نہیں ہے، اسے ''تخلیقیت'' کہنا زیادہ بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ افعال (Verbs) اسما (Nouns) سے زیادہ سچے ہوتے ہیں۔ اسم (Nouns) اشیا جیسے لگتے ہیں جبکہ فعل (Verbs) جاری عمل (Process) ہوتے ہیں — زندہ بہتے ہوئے، جاندار۔ بھگوان خالق سے زیادہ تخلیقیت ہے۔

جب بھی تم تخلیق کر رہے ہوتے ہو، تم زندگی کا سواد پاتے ہو — اور اس کا انحصار تمہاری شدت پر، تمہاری کاملیت پر ہے۔

زندگی کوئی فلسفیانہ مسئلہ نہیں ہے، یہ تو ایک مذہبی رمز ہے۔ یوں ہر شے ایک دروازہ بن جاتی ہے — حد تو یہ ہے کہ فرش کو صاف کرنا بھی۔ اگر تم یہ کام تخلیقیت کے ساتھ، محبت کے ساتھ، کاملیت کے ساتھ کرو گے تو تم زندگی کا سواد چکھو گے۔

یہاں تم آشرم میں دیکھو گے کہ لوگ فرش صاف کر رہے ہیں، غسل خانوں کو صاف کر رہے ہیں، کمرے بنا رہے ہیں، فرنیچر بنا رہے ہیں۔ تاہم تم ایک یکسر مختلف صفت بھی دیکھو گے — اور وہ یہ کہ وہ کچھ بھی کر رہے ہوں، انتہائی محبت سے کر رہے ہوتے ہیں۔

اور تم مسرت دیکھو گے۔ یہ مسرت کام سے پیدا نہیں ہوتی ہے، یہ مسرت تو کاملیت سے کام کرنے سے پیدا ہوتی ہے، یہ مسرت تو کام کے لیے ان کی مکمل سپردگی سے پیدا ہوتی ہے۔ کوئی کام اس وقت تک مسرت نہیں دے سکتا ہے جب تک کہ تم اس میں مسرت نہیں سموتے ہو۔

پس مت پوچھو کہ زندگی کیا ہے؟ یہ پوچھو کہ زندگی میں کیسے داخل ہوا جائے؟ دروازہ ہے ''یہاں'' ''اب'' — اور تمہیں تخلیقی ہونا پڑے گا، صرف تب تم دروازے میں داخل ہو پاؤ گے۔ ایسا نہیں تو تم محل کی دہلیز پر، دروازے کے باہر ہی کھڑے رہو گے۔

پس دوسری جوہری اہمیت کی حامل بات ہے: تخلیقی ہو جاؤ۔

اگر یہ دو باتیں پوری ہو جائیں تو تم جان لو گے کہ زندگی کیا ہے۔



خیر اور شر

محبوب اوشو! کیا خیر اور شر جیسی بھی کوئی چیزیں ہیں؟

اکم! خیر اور شر جیسی کوئی شے نہیں ہے یہاں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کوئی شے اس لمحے خیر ہو اور اگلے لمحے شر۔ ہوسکتا ہے کوئی شے آج شر ہو، اور آنے والے کل وہ شر نہ رہے۔

خیر اور شر متعین نہیں ہیں۔ یہ کوئی لیبل نہیں ہیں کہ جنہیں تم مختلف اشیا پر چسپاں کر دو ــــ ''یہ خیر ہے، یہ شر ہے۔'' تاہم آج تک ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ خیر اور شر کا فیصلہ لوگ کرتے آئے ہیں، اور چونکہ لوگ خیر اور شر کا فیصلہ کرتے آئے ہیں اس لیے انہوں نے پوری نوعِ انسان کو بھٹکا دیا ہے، گمراہ کر دیا ہے۔

منو ایک طرح سے فیصلہ کرتا ہے یعنی اس نے جسے خیر تصور کیا ہے، وہ لاکھوں کروڑوں ہندوؤں کے لیے ہزاروں برسوں سے خیر بنا ہوا ہے۔ یہ کیسی احمقانہ، کیسی ناقابلِ یقین بات ہے! لوگ پانچ ہزار سال سے کیسے منو کی پیروی کیے چلے جا رہے ہیں؟

ہر شے بدل گئی ہے۔ اگر منو دوبارہ دنیا میں آ جائے تو وہ دنیا کو پہچان ہی نہیں پائے گا ــــ ہر شے جو تبدیل ہو گئی ہے۔ تاہم ہندو ذہن منو کی متعین درجہ کردہ بندیوں ہی کی پیروی کیے چلا جا رہا ہے۔

آج بھی ــــ پانچ ہزار سال بعد بھی ــــ ہندوستان میں ایسے لاکھوں لوگ ہیں جن سے انسانوں جیسا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ انسانوں جیسا سلوک تو رہا ایک طرف، ان کے ساتھ

جانوروں جیسا سلوک بھی روا نہیں رکھا جاتا۔ ہندوؤں کے نزدیک گائے زندہ انسانوں سے زیادہ اہم ہے۔ گائے کی پوجا کی جاتی ہے، گائے مقدس ہے، جبکہ شودر ــــ جنہیں پانچ ہزار سال پہلے منو نے دھتکار دیا تھا ــــ زندہ جلا دیئے جاتے ہیں۔

وِنوبا بھاوے جیسے لوگ ہندوستان میں گائے کے ذبیحے پر مکمل پابندی تک تو بھوک ہڑتال کرنے کو تیار ہیں لیکن وہ اس حوالے سے بالکل خاموش ہیں، لب بستہ ہیں، کہ شودروں کو قتل کیا جا رہا ہے، زندہ جلایا جا رہا ہے، ان کی عورتوں کی عصمت دری کی جا رہی ہے، ان کے بچوں کے گلے کاٹے جا رہے ہیں۔ شودروں کی بستیاں ــــ پوری پوری بستیاں ــــ منہدم کی جا رہی ہیں ــــ اور ونوبا بھاوے ایک دن بھی بھوک ہڑتال کرنے کا نہیں سوچتا۔

شودروں کی کیسے پروا؟ وہ تو نوعِ انسان کا حصہ ہی نہیں ہیں، وہ انسان ہی نہیں ہیں۔ گائے کو بچانا ہوگا، کیونکہ منو گائے کی پوجا کرتا ہے۔

ہوسکتا ہے یہ اُس زمانے میں خیر ہو۔ میں منو کے خلاف نہیں ہوں۔ میں تو منو کے احمق پیروکاروں کے خلاف ہوں۔ ہوسکتا ہے یہ اُس زمانے میں خیر ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں گائے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی تھی۔ وہ پوری معیشت کا محور و مرکز تھی۔ ہندوستانی معیشت کا انحصار تو بالخصوص گائے پر تھا۔ وہ ایک زرعی معاشرہ تھا اور گائے بہت سی اشیا کا سرچشمہ تھی مثلاً بیلوں کا، قدرتی کھاد کا، دودھ کا ــــ سو وہ نہایت اہم تھی۔ اسے محفوظ رکھنا بالکل درست تھا۔ تاہم اب دُنیا ایک بالکل مختلف طریقے سے جی رہی ہے۔ منو کی دنیا بہت چھوٹی تھی۔ اب سوچنے کو ہمارے پاس پورا کرۂ ارض، ساری دھرتی ہے۔ اب یہ محض ایک چھوٹے سے مذہبی گروہ کا مسئلہ نہیں ہے۔

لیکن جب ایک بار خیر کا تعین کر دیا گیا ہے تو لوگ اندھے بن کر اس کا اتباع کیے چلے جا رہے ہیں۔ اب تک تو یہی کچھ ہوتا آیا ہے۔

جب زمانہ بدلتا ہے تو خیر بھی بدل جاتا ہے اور شر بھی۔ تم خود اپنی زندگی میں اس کا مشاہدہ کر سکتے ہو ــــ چیزیں ہر روز مختلف ہوتی ہیں جبکہ تم اپنے متعین تصورات سے چمٹے رہتے ہو۔

جو شخص متعین تصورات کے ساتھ جیتا ہے، وہ ایک مُردہ زندگی جیتا ہے۔ وہ ذرا بھی

بے ساختہ نہیں ہوتا۔ وہ اس صورتحال سے، جو کہ موجودہ ہوتی ہے، کبھی درست رشتہ استوار نہیں کیے ہوتا۔ وہ جواب نہیں دے سکتا، وہ جوابی عمل (Response) کا اہل نہیں ہوتا۔ وہ اپنے پرانے نتائج کی بنیاد پر عمل کرتا ہے، جو کہ مزید برمحل (Relevant) نہیں رہے ہوتے۔ وہ صورتحال پر نظر نہیں ڈالتا ہے۔

پس اکم! میرے نزدیک تو نہ کوئی خیر جیسی کوئی شے ہے اور نہ ہی شر جیسی کوئی شے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر میں کس بات کا درس دے رہا ہوں؟

میں آگہی کا درس دیتا ہوں ــــ لیبل چسپاں کرنے کا، درجہ بندی کرنے کا نہیں۔ میں تو آگہی کا درس دیتا ہوں۔ میں تمہیں درس دیتا ہوں کہ ہر صورتحال میں مکمل طور پر آگاہ رہو، اور اپنی آگہی کے تحت عمل کرو۔

دوسرے الفاظ میں مَیں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر وہ عمل جو آگہی کے تحت کیا جاتا ہے، خیر ہے جبکہ ہر وہ عمل جو ناآگہی کے تحت کیا جاتا ہے، شر ہے۔

تاہم دیکھو کہ تاکید کس بات کی ہے۔ زور عمل پر نہیں ہے، زور ہے سرچشمے پر ــــ آگہی یا ناآگہی۔

اگر تم مکمل آگہی کے ساتھ عمل کرتے ہو تو جو کچھ بھی تم کرتے ہو وہ خیر ہوتا ہے۔ اگر تم میکانکی انداز میں عمل کرتے ہو، اگر تم لاشعوری طور پر عمل کرتے ہو ــــ گویا تم نیند میں چلنے والے ہو ــــ تو پھر تم جو کچھ بھی کرتے ہو، وہ شر ہوتا ہے۔

آگہی خیر ہے، ناآگہی شر ہے۔

تاہم اگر تم پنڈتوں کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہیں درس دیں گے کہ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے۔ وہ تمہیں بصیرت نہیں دیں گے، وہ تمہیں مردہ درجہ بندیاں دیں گے۔ وہ تمہیں روشنی نہیں دیں گے تاکہ تم ہر صورتحال میں دیکھ سکو کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ وہ چاہتے یہ ہیں کہ تم ان کے مجبور ومحتاج رہو۔ وہ تمہیں اشیا کی بصیرت نہیں دیتے۔ پس تمہیں ان کا مجبور رہنا پڑتا ہے۔ وہ تمہیں بیساکھیاں تو دیتے ہیں لیکن وہ تمہیں اپنے پیروں پر کھڑا ہونا نہیں سکھاتے۔

پنڈتوں سے گریز کرو۔ تم جب بھی کسی قسم کے ماہرین کے پاس جاؤ گے ان کی پوری کوشش ہوگی کہ وہ تمہیں کسی نہ کسی طرح اپنا محتاج بنالیں۔

ہالی وڈ کا ایک سپرسٹار کسی دوست کے گھر ڈنر پر مدعو تھا۔ معمول کے مطابق گفتگو کا رخ ماہرینِ نفسیات کی طرف مڑ گیا۔ میزبان خاتون نے کہا: ''میرا ماہرِ نفسیات دنیا کا سب سے اچھا ماہرِ نفسیات ہے! تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ اس نے میرے لیے کیا کیا ہے۔ تمہیں ضرور اس سے ملنا چاہیے۔''

سپرسٹار نے کہا: ''مجھے کسی نفسیاتی تجزیے کی ضرورت نہیں۔ مجھ میں کوئی خامی نہیں ہے۔''

میزبان خاتون نے زور دے کر کہا: ''نہیں، نہیں وہ بہت عظیم ماہرِ نفسیات ہے۔ وہ ضرور تم میں کوئی خامی ڈھونڈ لے گا۔''

ایسے لوگ ہیں جو تم میں کوئی نہ کوئی خامی نکالنے کے لیے ہی جی رہے ہیں۔ ان کا ٹریڈ سیکرٹ (Trade Secret) ہی تم میں کوئی نہ کوئی خامی نکالنا ہے۔ وہ تمہیں جیسے تم ہو ویسے قبول نہیں کر سکتے۔ وہ تمہیں آدرش دیں گے، تصورات دیں گے، نظریات دیں گے۔ وہ تمہیں احساس دلائیں گے کہ تم غلطی پر ہو، وہ تمہیں احساس دلائیں گے کہ تم بے قیمت ہو، بے قدر ہو۔ وہ تمہیں تمہاری ہی نظروں میں اتنا گرا دیں گے کہ تم آزادی کے متعلق سب کچھ فراموش کر دو گے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ تم آزادی سے خوفزدہ ہو جاؤ گے، کیونکہ تم دیکھو گے کہ تم تو بہت برے ہو، تم تو بہت غلط ہو ــــ اور اگر تم آزاد ہو گئے تو تم غلطی کرو گے، پس کسی شخص کی پیروی کرتے رہو۔

پنڈت کا دارومدار اِسی پر ہے، سیاست دان کا دارومدار اِسی پر ہے۔ وہ تمہیں خیر اور شر دیتے ہیں، متعین تصورات دیتے ہیں، اور تب تم ساری عمر خطا کے احساس کا شکار رہتے ہو۔

میرا تم سے کہنا یہ ہے کہ کہیں کوئی خیر نہیں ہے، کوئی شر نہیں ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم میرے مجبور ومحتاج بنو۔ میں تمہیں کوئی متعین تصورات نہیں دے رہا ہوں۔ میں تو بس تمہیں اشارے دے رہا ہوں، جن کے تحت تم نے خود کام کرنا ہے اور میں تمہیں جو اشارہ دیتا

ہوں، وہ ہے آ گہی۔ زیادہ آ گاہ ہو جاؤ، دیکھو کیسا معجزہ رونما ہوتا ہے۔

اگر تم غصے میں ہو تو پنڈت کہے گا کہ غصہ غلط ہے، غصے مت ہوؤ۔ اس کی ہدایت سن کر تم کیا کرو گے؟ تم غصے کو دبا سکتے ہو، تم اس پر دھرنا دے سکتے ہو، تم اسے نگل سکتے ہو — مجازی معنوں میں — تاہم وہ تم میں چلا جائے گا، تمہارے نظام میں چلا جائے گا۔ غصے کو نگلو گے تو تمہیں السر ہو جائے گا، غصے کو نگلو گے تو جلد یا بدیر تمہیں کینسر ہو جائے گا۔ غصے کو نگلو گے تو اس سے ایک ہزار ایک مسئلے جنم لے لیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غصہ زہر ہے۔ لیکن تم کیا کرو گے؟ چونکہ غصہ غلط ہے لہٰذا تمہیں اس کو نگلنا ہو گا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ غصہ غلط ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ غصہ توانائی ہے — خالص توانائی، خوبصورت توانائی۔ جب غصہ ابھرے تو اس سے آ گاہ ہوؤ، اور معجزہ رونما ہوتا دیکھو۔ جب غصہ ابھرے تو اس سے آ گاہ ہوؤ، اور اگر تم آ گاہ ہو تو تم حیران رہ جاؤ گے۔ ہو سکتا ہے وہ تمہاری زندگی کی سب سے بڑی حیرانی ہو۔ وہ حیرانی یہ ہو گی کہ جونہی تم آ گاہ ہو گے، غصہ غائب ہو جائے گا۔

غصے کی کایا کلپ ہو جاتی ہے۔ غصہ خالص توانائی میں ڈھل جاتا ہے۔ غصہ ہمدردی میں ڈھل جاتا ہے، غصہ عفو و درگزر میں ڈھل جاتا ہے، غصہ محبت میں ڈھل جاتا ہے۔

چونکہ تمہیں غصے کو دبانے کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا تم زہر سے بچے رہتے ہو۔ چونکہ تمہیں غصہ نہیں آتا لہٰذا تم کسی کا دل نہیں دکھاتے۔ یوں دونوں محفوظ ہوتے ہیں یعنی دوسرا، تمہارے غصے کا ہدف محفوظ ہے اور تم بھی محفوظ ہو۔ ماضی میں یا تو ہدف کو تکلیف اٹھانی پڑتی تھی یا تمہیں۔

میں کہہ یہ رہا ہوں کہ کسی کو تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس آ گاہ رہو۔ آ گہی کو آنے دو۔ غصہ ابھرے گا اور آ گہی اسے صَرف کر دے گی۔ آ گہی والا انسان غصے میں نہیں آ سکتا۔ آ گہی والا انسان لالچی نہیں ہو سکتا۔ آ گہی والا انسان حاسد نہیں ہو سکتا۔ آ گہی سنہری کلید ہے۔



آزادی اور محبت

محبوب اوشو! آزادی اپنی مرضی سے حاصل کی جا سکتی ہے، لیکن محبت نہیں۔ پلیز اس پر آپ کا تبصرہ؟

آنند! آزادی مرضی سے حاصل کی جا سکتی ہے کیونکہ زنداں میں رہنا تمہارا اپنا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس کی ذمہ داری تمہی پر ہوتی ہے۔ اپنی غلامی تم نے خود اپنی مرضی سے اختیار کی ہے، تم نے خود فیصلہ کیا ہے غلام رہنے کا، پس تم غلام ہو۔

فیصلے کو بدل دو، غلامی غائب ہو جائے گی۔

تم نے اپنا آزادی (Unfreedom) میں سرمایہ کاری کی ہے۔ نا آزادی تم پر کسی نے مسلط نہیں کی، یہ تو تمہارا اپنا انتخاب ہے۔ تم آزاد رہنے کا انتخاب کر سکتے ہو۔ تم نا آزاد رہنے کا بھی انتخاب کر سکتے ہو۔ تم اتنے آزاد ہو کہ کسی کا بھی انتخاب کر سکتے ہو۔ یہ تمہاری داخلی آزادی کا جزو ہے — یعنی آزادی کا انتخاب نہ کرنا تمہاری آزادی کا جزو ہے — پس اس کو مرضی سے اپنایا جا سکتا ہے۔

تاہم محبت مرضی سے نہیں کی جا سکتی۔ محبت آزادی کی ضمنی پیداوار ہے۔ یہ آزادی کی مسرت کا چھلکاؤ ہے۔ یہ آزادی کی خوشبو ہے۔

پہلے آزادی ہوتی ہے، پھر اس کے بعد محبت آتی ہے۔ اگر تم مرضی سے محبت کرنے کی کوشش کرو گے تو تم محض ایک مصنوعی، سطحی شے کو جنم دو گے۔ مرضی سے کی جانے والی محبت

سچی محبت نہیں ہوگی، یہ مصنوعی، جھوٹی محبت ہوگی۔ اور لوگ یہ کچھ تو کر رہے ہیں۔ محبت مرضی سے نہیں کی جاسکتی جبکہ وہ ایسا کیے جا رہے ہیں۔ آزادی مرضی سے اپنائی جاسکتی ہے، لیکن وہ اسے نظرانداز کر رہے ہیں۔ وہ یہ سوچتے ہیں کہ کوئی اور شخص ان کی غلامی کا، اور غلامی والی زندگی کا ذمہ دار ہے۔ یہ تمہارا زندگی کا نہایت واہیات تصور ہے۔ تم الٹے ہو، اوندھے ہو۔

اس تصور کو تبدیل کرو۔ آزادی کا انتخاب کرو، یوں محبت خود بخود رونما ہوگی۔ جب محبت خود بخود رونما ہوتی ہے، صرف تب ہی یہ خوبصورت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف تب ہی یہ فطری ہوتی ہے، بے ساختہ ہوتی ہے۔

مرضی سے کی جانے والی محبت ایک قسم کی محبت کی اداکاری ہوگی۔ تم بناوٹ کر رہے ہوگے___ اور تم کیا کر سکتے ہو؟ تم خالی خولی اشارے کر رہے ہوگے___ اس سے کیا ممکن ہے؟ تمہیں کسی سے محبت کرنے کا حکم نہیں دیا جاسکتا ہے۔ تم خود کو کسی سے محبت کرنے کا حکم نہیں دے سکتے ہو۔ اگر یہ نہیں ہے، تو نہیں ہے۔ اگر یہ ہے، تو پھر ہے۔ یہ تمہاری مرضی سے ماورا اِک شے ہے۔ درحقیقت یہ مرضی سے بالکل الٹ ہے: یہ تو سپردگی ہے۔

جب انسان آزادی میں مکمل طور پر تحلیل ہو جاتا ہے، جب انسان حقیقتاً آزاد ہو جاتا ہے، تو انا غائب ہو جاتی ہے۔

انا تمہاری زنجیر ہے۔ انا تمہارا زنداں ہے۔

کامل آزادی میں کوئی انا نہیں ہوتی۔ سپردگی رونما ہوتی ہے۔ تم خود کو ہستی کے ساتھ ایک محسوس کرنے لگتے ہو___ تم محسوس کرنے لگتے ہو کہ تم اور ہستی ایک ہی ہیں۔ یہ ایک ہونا ہی محبت کو جنم دیتا ہے۔



''پوراپن'' اور کاملیت

پُرانا انسان مر رہا ہے

اور یہ ایک خوشخبری ہے کہ پرانا انسان بسترِ مرگ پر ہے۔ نیا انسان صرف تبھی جنم لے سکتا ہے کہ جب پرانا انسان مر گیا ہو، فنا ہو گیا ہو۔ پرانے انسان کو مرنا ہی ہوگا۔ پرانا انسان بہت جی چکا ہے۔ پرانا انسان ایک لعنت تھا کیونکہ اس کی جڑیں زندگی کے انتہائی احمقانہ تصورات میں تھیں۔

پرانے انسان کی اساس اوہام تھے۔ پرانے انسان کے تصور میں سب سے بڑی خامی تھی کاملیت پسندی۔ یعنی وہ کامل ہونا چاہتا تھا اور کاملیت کے تصور نے لوگوں کو دیوانہ کر دیا تھا۔ کاملیت پسند کو پاگل ہونا ہی ہوتا ہے کیونکہ جب تک وہ کامل نہ ہو، وہ زندگی سے لطف اندوز ہی نہیں ہو سکتا۔ جبکہ کاملیت کبھی رونما نہیں ہوتی۔ یہ اشیا کی فطرت ہی میں نہیں۔ پوراپن (Totality) ممکن ہے، کاملیت (Perfection) ممکن نہیں ہے۔

پورے پن اور کاملیت میں بہت فرق ہے۔ کاملیت ایسی منزل ہے جو کہیں مستقبل میں ہے، پوراپن ایک ایسا تجربہ ہے، جو ''اب'' میں ''یہاں'' میں ہوتا ہے۔ پوراپن کوئی مقصد، منزل نہیں ہے، یہ تو ایک طرزِ زندگی ہے۔ اگر تم کوئی کام اپنے پورے جی کے ساتھ کر سکتے ہو تو تم پورے ہو۔ پوراپن صحت کا باعث ہوتا ہے، پوراپن ہوشمندی اور سمجھداری کا باعث ہوتا ہے، پوراپن کُلیت (Wholeness) کا باعث ہوتا ہے۔

کاملیت پسند پورے پن کو یکسر نظرانداز کر دیتا ہے۔ وہ ایک تصور کا حامل ہوتا ہے

کہ اسے ایسا ہونا چاہیے۔ ظاہری بات ہے اس تصور کو پانے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ ایسا "اب" میں نہیں ہو سکتا ہے ___ آنے والے کل، اس سے اگلے دن، اس جنم میں یا شاید اگلے جنم میں...... پس زندگی کو ملتوی کرنا پڑ جاتا ہے۔

پرانا آدمی یہی کچھ کرتا رہا ہے ___ وہ ملتوی ہی کرتا رہا ہے۔ ماضی میں انسان حقیقتاً زندہ نہیں رہا، اس کی زندگی سوائے التوا کے تسلسل کے، اور کچھ بھی نہیں تھی۔

میں تمہیں "یہاں" اور "اب" میں جینے کا درس دیتا ہوں، مستقبل کے کسی تصور کے بغیر جینے کا۔ مستقبل تمہارے جیئے گئے حال سے جنم لے گا۔ اگر حال کو پورے پن کے ساتھ جیا جائے تو مستقبل میں کہیں زیادہ پورا پن ہوگا۔ پورے پن سے مزید پورا پن جنم لیتا ہے۔

لیکن اگر تم ایسا کوئی تصور رکھتے ہو کہ تمہیں مستقبل میں یوں ہونا ہے تو تم آج میں ادھورا جیو گے کیونکہ تمہیں اصل فکر تو مستقبل کی ہوگی تمہاری آنکھیں مستقبل پر جمی ہوں گی، تم حقیقی اور موجود سے ربط کھو بیٹھو گے۔ جبکہ آنے والے کل نے اس "حقیقی" سے جنم لینا ہے، جس سے تم ناطہ توڑ چکے ہو۔ آنے والا کل آج سے جنم لیتا ہے جبکہ آج کو تو جیا ہی نہیں گیا۔

انگریزی لفظ Devil بہت خوبصورت ہے۔ اگر تم اسے الٹا پڑھو تو یہ Lived بن جاتا ہے۔ جس کو جی لیا گیا ہو، وہ الوہی (Divine) بن جاتا ہے۔ اور جسے نہ جیا گیا ہو وہ شیطان (Devil) بن جاتا ہے۔ صرف وہی جسے جیا گیا ہو الوہیت میں ڈھلتا ہے، جسے نہ جیا گیا ہو، وہ زہر سے بھر جاتا ہے۔

آج تم ملتوی کر دیتے ہو، اور تم میں جو کچھ "اَن جیا" بچ رہتا ہے، وہ تم پر بوجھ بن جاتا ہے۔ اگر تم نے اسے جی لیا ہوتا تو تم اس سے آزاد ہو چکے ہوتے۔ وہ آسیب بن کر تمہیں جکڑے نہ رکھتا، وہ تمہیں اذیت نہ دیتا۔

لیکن انسان کو آج تک درس دیا گیا ہے نہ جینے اور امید کرنے کا ___ یہ امید کہ آنے والے کل صورتحال ایسی ہوگی کہ تم جینے کے قابل ہو جاؤ گے، یہ امید کہ آنے والے کل تم جینے کے اہل ہو گے، یہ امید کہ تم آنے والے کل گوتم بدھ بن جاؤ گے۔

تم نے گوتم بدھ بالکل نہیں بننا ہے، تم نے تو بس تم بننا ہے۔ تم کسی دوسرے کی

کاربن کاپی نہیں ہو۔ ایک اور گوتم بدھ کا ہونا کراہت انگیز امر ہے، یہ تمہارے انسان ہونے کی توہین ہے۔ انسان اس لیے وقار کا حامل ہے کہ وہ اوریجنیلیٹی کا حامل ہے۔

جینے کا پرانا تصور یہ تھا کہ ایک خاص ڈھنگ (Pattern) سے جیا جائے ___ بدھ مت کے ڈھنگ سے، ہندومت کے ڈھنگ سے۔ پرانا تصور فرد کے حق میں نہیں تھا، وہ ایک خاص ڈھنگ کے حق میں تھا۔ یہی ڈھنگ غلامی کو جنم دیتا ہے۔

میں فرد کی تعلیم دیتا ہوں، میں یکتا (Unique) فرد کی تعلیم دیتا ہوں۔

اپنی تعظیم کرو۔

اپنے آپ سے محبت کرو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ تو تم جیسا کوئی شخص پہلے رہا ہے اور نہ ہی دوبارہ ہوگا۔ بھگوان کبھی دہراتا نہیں ہے۔ تم کاملاً یکتا ہو ___ ایسے کہ جس کا کوئی مثل نہیں، کوئی ثانی نہیں۔ تمہیں کوئی اور شخص ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں نقال بننے کی ضرورت نہیں ہے، تمہیں تو بس مصدقہ طور پر تم ہونا ہے، صرف تم۔

جس لمحے تم اپنے آپ کو قبول کرنا اور اپنی تعظیم کرنا شروع کرتے ہو، تم "کل" بننے لگتے ہو۔ تب کوئی شے تمہیں تقسیم نہیں کر سکتی، تب کوئی شے ایسی نہیں ہوتی جو دراڑ ڈال سکے۔

آج تک تو انسان منقسم ہی رہا ہے۔

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ چند لوگ منقسم رہے ہیں۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ پوری نوع انسان منقسم رہی ہے، چند مستثنیات کو چھوڑ کر ___ تمہیں انہیں انگلیوں پر گن سکتے ہو۔ تاہم وہ پوری نوع انسان نہیں ہیں، وہ تو مستثنیات ہیں، اور مستثنیات قانون کو ثابت کرتی ہیں۔

نوع انسان کا بہت بڑا حصہ منقسم زندگی جیتا رہا ہے، بٹی ہوئی زندگی، کٹی ہوئی زندگی۔

سوال یہ ہے کہ انسان اتنا منقسم کیسے ہوا؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ تم جیسے ہو، ویسے قابلِ قبول نہیں ہو پس خود کو رد کر دو۔ اپنی تعظیم کرنے کی بجائے اپنے آپ کو رد کر دو۔ اپنی تعظیم کرنے کی بجائے کسی تصور کی تعظیم کرو،

اس تصور کی کہ تمہیں کیسا ہونا چاہیے۔ ''حقیقی'' کو مت جیو، ''چاہیے'' کو جینے کی کوشش کرو۔

اور یوں تم تقسیم ہو جاتے ہو۔ تم دو ہو جاتے ہو۔ تم وہ ہو، جو تم ہو، لیکن اسے تو تم رد کر دیتے ہو، دبا دیتے ہو۔ تم وہ ہونا چاہتے ہو جو تم نہیں ہو، جس سے تم محبت نہیں کرتے، جس کی تم تعظیم نہیں کرتے، جس کی تم پرستش نہیں کرتے۔

تم دو ہو گئے ہو۔

نہ صرف یہ کہ تم دو میں تقسیم ہو گئے ہو، بلکہ تمہیں کئی بنایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تمہیں درس دیا گیا تھا کہ جسم تمہارا دشمن ہے، تمہیں اس سے پیچھا چھوڑنا ہے۔ تمہیں درس دیا گیا تھا کہ تم میں کئی چیزیں ہیں جن کو تمہیں نکال دینا ہے، تم وہ نہیں ہو جو کہ تمہیں ہونا چاہیے، تمہیں بڑی تبدیلیاں لانا ہوں گی۔

فطری بات ہے کہ تم نے اپنی جنس کو دبانا شروع کر دیا، تم نے اپنے غصے کو رد کرنا شروع کر دیا۔

جبکہ وہ سب جنہیں رد کیا گیا تھا، تمہاری توانائیوں کا جزو تھیں، کہ جن کی کایا کلپ کی جانی چاہیے تھی۔

وہ تمہاری دشمن نہیں تھیں، وہ تو بہروپ بدلے ہوئے تمہارے دوست تھے۔

غصے کی کایا کلپ ہو تو وہ ہمدردی میں ڈھل جاتا ہے۔

جنس کی کایا کلپ ہو تو وہ پوجا میں ڈھل جاتا ہے۔

لالچ کی کایا کلپ ہو تو وہ شراکت میں ڈھل جاتا ہے۔

لیکن ماضی میں بار بار کہا گیا، زمانوں دہرایا گیا، کہ تمہیں اس کو رد کرنا ہے، اُس کو رد کرنا ہے۔ اگر تم پرانی تعلیمات کو سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے کہ تم تقریباً ننانوے فیصد رد کر دیئے گئے ہو۔ صرف ایک فیصد، کہ جس سے تم آگاہ نہیں ہو، تم میں قبول کیا گیا ہے جبکہ وہ سب کہ جس سے تم آگاہ ہو، رد کر دیا گیا ہے۔ یہ ٹکڑے تمہیں ایک نہیں ہونے دیتے، اور جب تک کہ تم ایک نہیں ہوتے سکون ممکن نہیں ہے۔

جب تک تم یکجا نہیں ہو گے، متحد نہیں ہو گے، تم یہ بھی نہیں جان پاؤ گے کہ بھگوان کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھگوان صرف انہی سے مخاطب ہوتا ہے جو حقیقی ہوتے ہیں۔

بھگوان صرف انہی سے مخاطب ہوتا ہے جو ہجوم نہیں ہوتے، ہنگامہ پرور نہیں ہوتے۔

جب تم میں کئی ہوتے ہیں، تو ہجوم اور ہنگامہ ہوتا ہے۔

جب تم ایک ہوتے ہو، تب خاموشی ہوتی ہے، شانتی ہوتی ہے۔ تم صرف ایک ہو کر ہی خاموش ہو سکتے ہو، شانت ہو سکتے ہو۔

اس خاموشی میں تم بھگوان کی صدا سن سکتے ہو، اس خاموشی میں تم الوہی ہستی کی موجودگی محسوس کرنے لگتے ہو۔

اور جب تم ایک ہوتے ہو تو تم کُل کے ساتھ وصال کے اہل ہوتے ہو۔ تم خود کُل بن کر، کُل کے ساتھ وصال کے اہل ہو جاتے ہو۔

انسان بہت ادھورا جیا ہے ___ ٹکڑوں میں، خطا کے احساس میں، خوف میں۔

ضرورت ہے ایک نئے انسان کی ___ فوری ضرورت ہے۔

بہت ہو چکی۔ پرانے انسان کو الوداع کہہ دو۔ پرانے انسان نے صرف جنگوں کو، تشدد کو جنم دیا ہے۔ انسان کے پرانے تصور نے سادیت پسندوں کو جنم دیا ہے، مساکیت پسندوں کو جنم دیا ہے، اس نے ایک نہایت مکروہ انسان کو جنم دیا ہے۔ اس نے انسان کو فطری نہیں رہنے دیا۔

ہوش مند انسان نے ابھی جنم لینا ہے۔

ابھی کل ہی کسی نے پوچھا تھا: ''سادیت پسند کون ہوتا ہے اور مساکیت پسند کون؟''

مساکیت پسند وہ ہوتا ہے جو سردیوں میں ہر صبح ٹھنڈے پانی سے نہانے کو بے حد پسند کرتا ہے لیکن نہاتا گرم پانی سے ہے۔ جبکہ سادیت پسند ایسا شخص ہے جسے کوئی مساکیت پسند کہے کہ ''پلیز میرے سر پر زور سے ضرب لگاؤ تو وہ کہے میں تو نہیں مارتا!''



دھرم سائنس نہیں ہے

دھرم سائنس نہیں ہے۔ دھرم طبیعیات، ریاضی اور کیمیا جیسی سائنس نہیں ہے۔ تاہم یہ سائنس ہے کیونکہ یہ حتمی جانکاری ہے۔ لفظ سائنس کا مطلب جاننا ہی ہے نا! اور اگر دھرم ہی سائنس نہیں تو پھر اور سائنس کیا ہو سکتی ہے؟ یہ تو اعلیٰ ترین جانکاری ہے، یہ تو خالص ترین جانکاری ہے۔

عمومی سائنس علم ہوتی ہے، جانکاری نہیں۔ دھرم جانکاری ہے۔ عمومی سائنس کا انحصار شے پر ہے — یہ کسی شے کا علم ہوتی ہے۔ دھرم کا انحصار کسی شے پر نہیں ہوتا ہے۔ یہ کوئی علم نہیں رکھتا، جانکاری ہی خود کو جانتی ہے۔ گویا آئینہ اپنے آپ کو منعکس کر رہا ہوتا ہے۔ یہ ہر مواد سے مکمل طور پر پاک ہوتا ہے۔ چنانچہ دھرم علم نہیں جانکاری ہے۔

سائنس جانکاری کی ایک کمتر قسم ہے جبکہ دھرم اعلیٰ قسم ہے۔ دھرم فِلوسوفیا الٹیما (Philosophia Ultima) — حتمی جانکاری — ہے۔ دونوں میں فرق معنوں کا نہیں ہے، فرق بلاشبہ خالص پن کا ہے۔

سائنس میں بہت کچھ گند ملا دیا گیا ہے۔ دھرم خالص جوہر ہے، خالص خوشبو ہے۔ گند غائب ہو چکا ہے۔ کنول کا پھول کھل چکا ہے۔

اور حتمی مرحلے میں تو کنول بھی غائب ہو جاتا ہے، صرف خوشبو رہ جاتی ہے۔

دھرم کو سمجھا نہیں جا سکتا کیونکہ اس میں سمجھنے کی کوئی شے ہی نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود اسے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کی وضاحت نہیں کی جا سکتی البتہ اس کا تجربہ کیا جا سکتا ہے۔

تمہیں دھرم کے بارے میں بتانے کا کوئی طریقہ نہیں ہے کیونکہ اسے اطلاع تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں تمہیں راستہ دکھایا جا سکتا ہے، اس تک جانے والا راستہ — چاند کی طرف اشارہ کرتی انگلیاں۔ انگلیاں چاند نہیں ہیں، تاہم وہ چاند کی نشان دہی کر سکتی ہیں۔

انگلیوں میں مت پھنسو، انگلیوں کے خبط میں مبتلا نہیں ہوؤ۔ یہ کارِلاحاصل ہو گا۔ انگلیاں استعمال کرو اور پھر انہیں بھلا دو، اور ادھر دیکھو جدھر انگلیاں اشارہ کر رہی ہیں۔ جب تم چاند کو دیکھ لو گے تو انگلیوں کی پروا کسے؟ وہ خود بخود غیر اہم ہو جائیں گی، غائب ہو جائیں گی۔

جب منزل حاصل ہو جاتی ہے تو راستے کو بھلا دیا جاتا ہے۔

اتیشا ایک بے مثل گرو تھا۔ وہ بے مثل اس لیے تھا کہ اسے تین گیانی گروؤں نے درس دیئے تھے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اور تب سے اب تک کبھی نہیں ہوا۔ تین گیانی گروؤں کا شاگرد ہونا ایک ناقابلِ یقین بات ہے — اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک گیانی گرو ہی کافی ہوتا ہے۔ یہ قصہ کہ اسے تین گیانی گروؤں نے پڑھایا تھا، ایک علامتی اہمیت بھی رکھتا ہے۔ یہ سچ بھی ہے، تاریخی بھی ہے۔

اتیشا جن تین گیانی گروؤں کے ساتھ کئی برس رہا، ان کے نام یہ ہیں: پہلا گرو تھا ایک عظیم بدھ بھکشو دھرم کیرتی۔ اس نے اُسے لاذہن کی تعلیم دی، اس نے اسے خالی پن کی تعلیم دی۔ اس نے اسے تعلیم دی کہ ذہن سے تمام مواد کیسے نکالا جاتا ہے اور کیسے بے مواد ہوا جاتا ہے۔ دوسرا گرو تھا دھرم رکشتا۔ وہ بھی ایک بدھ بھکشو تھا۔ اس نے اسے محبت کی، ہمدردی کی تعلیم دی۔ تیسرا گرو تھا یوگن میتر یہ۔ وہ بھی بدھ بھکشو تھا۔ اس نے اسے دوسروں کے دکھ لینا اور انہیں اپنے دل میں سمونا سکھایا یعنی محبت کا عملی روپ۔

ایسا یوں ممکن ہوا کہ وہ تینوں گرو آپس میں گہرے دوست تھے۔ انہوں نے تلاش کا آغاز اکٹھے کیا تھا، راستے میں وہ تینوں اکٹھے رہے تھے، اور جب گیان پایا تو تینوں اکٹھے ہی تھے۔

اتیشا دھرم کیرتی کا چیلا بنا تھا۔ دھرم کیرتی نے اسے کہا: "میں تمہیں پہلا اصول سکھاؤں گا جبکہ دوسرے کے لیے تمہیں دھرم رکشتا کے پاس جانا ہو گا اور تیسرے کے لیے یوگن میتر یہ کے پاس۔ اس طرح تم حتمی حقیقت کے تینوں رخوں کو جان لو گے۔ یوں تم ہر رخ

کا درس ایسے شخص سے لو گے جو اس رُخ میں سب سے زیادہ کامل ہے۔"

یہ ہیں وہ تین راستے کہ جن سے لوگ حتمی حقیقت تک پہنچتے ہیں۔ اگر تم خالی پن کے وسیلے پہنچو گے تو تم باقی دو کو بھی پا لو گے۔ تاہم تمہارا طریق بنیادی طور پر خالی پن ہی رہے گا۔ تم خالی پن کے متعلق زیادہ جانتے ہو گے لہٰذا درس دیتے ہوئے تمہارا زیادہ زور خالی پن پر رہے گا۔

گوتم بدھ کے معاملے میں ایسا ہی ہوا تھا۔ انہوں نے خالی پن کے وسیلے گیان پایا تھا۔ لہٰذا ان کی ساری تعلیم کی اساس خالی پن ہے۔ گوتم بدھ کی تعلیمات میں بھگوان کہیں نہیں ہے کیونکہ گوتم بدھ نے "دوسرے" کو ترک کر کے گیان پایا تھا۔ گوتم بدھ نے اپنے ذہن کو بالکل خالی کر کے گیان پایا تھا لہٰذا ان کی تعلیمات میں بھگوان کی جگہ نہیں ہے۔ کسی بھی شے کی جگہ نہیں ہے۔ ان کا راستہ سب سے خالص نفی کا راستہ ہے۔

یہی معاملہ دھرم کیرتی کا تھا۔ وہ خالی پن کا کامل گرو تھا، خالی پن کا اعلیٰ ترین استاد۔ جب اتیشا نے سیکھ لیا کہ خالی کیسے ہوا جاتا ہے تو گرو نے کہا: "تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم اگلے قدم کے لیے دھرم رکشتا کے پاس جاؤ کیونکہ اس نے ایک بالکل مختلف طریقے سے گیان پایا تھا۔ جس طرح تم ایورسٹ پر مختلف سمتوں سے چڑھ سکتے ہو اسی طرح وہ ایک بالکل مختلف راستے سے پہنچا تھا ___ ہمدردی کے راستے سے۔ میں بھی تمہیں ہمدردی کا طریق سکھا سکتا ہوں لیکن میں نے صرف چوٹی سے جانکاری حاصل کی ہے۔ میں نے خالی پن کے وسیلے سے گیان پایا تھا۔ جب تم چوٹی پر پہنچ جاتے ہو تو تم نیچے تمام راستوں کو دیکھ سکتے ہو، وہ سب تمہاری نگاہ کو مہیا ہوتے ہیں۔ تاہم کسی طریق کو اس کی مختلف سمتوں سے جاننا، اس کی تمام تفصیلات سمیت جاننا ایک بالکل مختلف معاملہ ہے۔"

دھرم کیرتی نے مزید کہا: "اگر کوئی اور یہاں نہ ہوتا تو میں ہی تمہیں باقی دو اصولوں کی تعلیم بھی دیتا لیکن جب دھرم رکشتا جیسا انسان موجود ہے، میرے ساتھ والی غار میں مقیم ہے، تو بہتر یہی ہے کہ تم اس کے پاس جاؤ۔"

پہلے انسان کو خالی ہونا پڑتا ہے، بالکل خالی۔ تاہم تمہیں خالی پن سے ہی چمٹے نہیں رہنا ہے، وگرنہ تمہاری زندگی دھرم کے مثبت اظہار سے کبھی واقف نہیں ہو گی۔ تمہاری زندگی

میں شاعری نہیں ہو گی، بانٹنے کی، شراکت کی مسرت نہیں ہو گی، تم خالی ہی رہو گے۔ تمہیں ایک قسم کی آزادی تو میسر ہو گی لیکن تمہاری آزادی "سے آزادی" ہو گی، یہ "کے لیے آزادی" نہیں ہو گی۔

اور جب تک آزادی میں یہ دونوں شرائط پوری نہ ہوں ___ "سے آزادی" اور "کے لیے آزادی" ___ تو جانو کچھ کمی ہے۔ یوں تمہاری آزادی مفلس ہو گی۔ "سے آزادی" تو آزادی کی ایک "مفلس" قسم ہے۔

حقیقی آزادی تبھی شروع ہوتی ہے کہ جب تم "کے لیے آزاد" ہوتے ہو۔ تم گیت گا سکتے ہو، تم رقص کر سکتے ہو، تم جشن منا سکتے ہو، تم چھلک سکتے ہو، یہی ہمدردی ہے۔

انسان جنون میں جیتا ہے۔ جب ذہن غائب ہو جاتا ہے تو جنون ہمدردی میں ڈھل جاتا ہے۔ جنون کا مطلب ہے کہ تم ایک کاسہ بدست فقیر ہو، تم ہر کسی سے زیادہ سے زیادہ کے لیے مانگے جا رہے ہو، تم دوسروں کا استحصال کیے جا رہے ہو۔ تمہارے تعلقات استحصال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں ___ دوسروں پر ملکیت جمانے کے عیارانہ حربے، غلبہ پانے کی نہایت مکارانہ چالیں۔

جب تم ذہن میں، جنون میں جی رہے ہوتے ہو تو تمہاری ساری زندگی پاور پالیٹکس ہوتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ تمہاری محبت، حد تو یہ ہے کہ تمہاری سماجی خدمات، حد تو یہ ہے کہ تمہارا انسان دوستانہ کام، سب کے سب کچھ نہیں سوائے پاور پالیٹکس کے۔ گہرائی میں خواہش ہے دوسروں پر اختیار پانے کی۔

جب ذہن کو ترک کر دیا جاتا ہے تو یہی توانائی ہمدردی میں ڈھل جاتی ہے۔ وہ ایک بالکل نیا موڑ مڑ جاتی ہے۔ اب یہ فقیری نہیں رہتی۔ تم تو بادشاہ بن جاتے ہو۔ تم دینا شروع کر دیتے ہو۔ اب تمہارے پاس کچھ ہے ___ وہ تو ہمیشہ سے تمہارے پاس تھا، لیکن تم اپنے ذہن کی وجہ سے اس سے آگاہ نہیں تھے۔ ذہن یوں عمل کر رہا تھا جیسے تمہارے اردگرد تاریکی چھائی ہو، اور تم اندر کی روشنی سے بے خبر تھے۔ ذہن فقیر ہونے کا ایک جھوٹ گھڑ رہا تھا، حالانکہ تم تو ہمیشہ سے بادشاہ تھے۔ ذہن ایک خواب گھڑ رہا تھا، حقیقت میں تو تمہیں کسی شے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ سب کچھ پہلے ہی دیا جا چکا تھا۔ جس شے کی بھی تمہیں ضرورت

تھی، جس شے کی بھی تمہیں ضرورت ہو سکتی تھی، پہلے ہی سے دی جا چکی تھی۔

بھگوان تمہارے اندر ہے لیکن ذہن کی وجہ سے ــــ ذہن کا مطلب ہے خواب دیکھنا، خواہشیں کرنا ــــ تم کبھی اندر نہیں دیکھتے، تم تو باہر کو ہی دوڑے جاتے ہو۔ تم اپنے آپ کو پس منظر میں رکھتے ہو، تمہاری آنکھیں باہر کی جانب دیکھتی ہیں۔ ذہن یہی کرتا ہے: آنکھوں کو باہر دیکھنے پر لگا دیتا ہے۔ نگاہیں "وہاں" ٹھہر جاتی ہیں، ٹِک جاتی ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ انسان اپنی آنکھوں کو "وہاں" سے ہٹا لے، "وہاں" سے پھیر لے۔ انہیں اندر کی طرف مرکوز کرے۔ جب ایک بار تم دیکھ لیتے ہو کہ تم کون ہو تو فقیر غائب ہو جاتا ہے۔ درحقیقت وہ کبھی موجود ہی نہیں تھا۔ وہ تو محض ایک خواب تھا، ایک واہمہ تھا۔

ذہن تمہاری ہر مصیبت و اذیت کا خالق ہے۔ ذہن چلا جائے تو مصیبت و ابتلا چلی جاتی ہے اور دفعتاً تم توانائی سے لبریز ہو جاتے ہو ــــ اور توانائی اظہار کی حاجت مند ہوتی ہے، شراکت کی حاجت مند ہوتی ہے۔ وہ ایک گیت بن جانا چاہتی ہے، ایک رقص بن جانا چاہتی ہے، ایک میلہ بن جانا چاہتی ہے۔ ہمدردی یہی ہے کہ تم شراکت شروع کر دیتے ہو، بانٹنا شروع کر دیتے ہو۔

اتیشا نے دھرم رکشتا سے ہمدردی سیکھی۔ ہمدردی دو رخوں کی حامل ہوتی ہے۔ ایک ہے غیر فعال ہمدردی یعنی مراقبہ کرنے والا اپنی غار میں چپ چاپ بیٹھا ساری ہستی پر ہمدردی کی بارش برساتا رہتا ہے۔ تاہم یہ ہمدردی کا نہایت غیر فعال رخ ہے۔ تمہیں اس کی ہمدردی پانے کے لیے اس تک جانا پڑتا ہے، وہ تم تک نہیں آتا۔ تمہیں اس کی مسرت میں شمولیت کے لیے پہاڑوں میں اس کی غار میں جانا ہوگا، وہ تم تک نہیں آئے گا۔ وہ کسی طور حرکت نہیں کرے گا، وہ فعال نہیں ہوگا۔ وہ دوسروں کی طرف نہیں بہے گا، وہ لوگوں کو نہیں ڈھونڈے گا کہ جن کو وہ اپنے رقص میں شامل کر لے۔ وہ انتظار کرے گا۔

یہ ہمدردی کی مونث قسم ہے۔ بالکل جیسے کوئی عورت انتظار کرتی ہے۔ وہ پہل کبھی نہیں کرتی، وہ کبھی مرد کی طرف نہیں جاتی۔ ممکن ہے اسے مرد سے محبت ہو، تاہم وہ کبھی پہلے نہیں کہے گی، "میں تم سے محبت کرتی ہوں۔" وہ انتظار کرے گی، وہ امید کرے گی کہ کسی نہ کسی دن، جلد یا بدیر مرد شادی کا کہے گا۔ عورت غیر فعال محبت ہے، مفعول محبت ہے۔ مرد فعال

محبت ہے، مرد پہل کرتا ہے۔

اور ٹھیک اسی طرح ہمدردی کے بھی دو امکانات ہوتے ہیں۔ ایک مونث اور دوسرا مذکر۔ اتیشا نے دھرم رکشتا سے ہستی کے ساتھ محبت کا مونث فن سیکھا تھا۔ ایک اور قدم کی ضرورت تھی۔ دھرم رکشتا نے اس سے کہا: "یوگن میتریہ کے پاس جاؤ" ــــ وہ تینوں گرو ایک ہی علاقے میں رہتے تھے ــــ "یوگن میتریہ کے پاس جاؤ اور اس سے سیکھو کہ غیر فعال توانائی کو کیسے فعال توانائی میں ڈھالا جا سکتا ہے، تاکہ محبت فعال ہو جائے۔"

اور جب ایک بار محبت فعال ہو جائے، ہمدردی فعال ہو جائے تو تم سچ کی تینوں جہتوں سے گزر چکے ہوتے ہو۔ تم سب کچھ جان چکے ہوتے ہو۔ تم مطلق خالی پن کو جان چکے ہوتے ہو، تم ہمدردی کے ابھرنے کو جان چکے ہوتے ہو، تم ہمدردی کی بارش برسنے کو جان چکے ہوتے ہو۔ زندگی صرف تبھی آسودہ ہوتی ہے جب یہ تینوں مراحل طے ہو چکے ہوں۔

تین گیانی گروؤں سے درس پانے والا اتیشا بہت بہت بہت عظیم کہلاتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی عام زندگی کیسی تھی، وہ کب اور کہاں پیدا ہوا تھا۔ اندازہ ہے کہ وہ گیارہویں صدی میں زندہ تھا۔ وہ ہندوستان میں پیدا ہوا تھا لیکن جس لمحے اس کی محبت فعال ہوئی، وہ تبت کی طرف چل پڑا، یوں جیسے کوئی طاقتور مقناطیس اسے ادھر کھینچ رہا ہو۔ ہمالیہ پر پہنچ کر وہ وہی مقیم ہو گیا۔ وہ کبھی ہندوستان واپس نہیں آیا۔

"ذہنی تربیت کے لیے سات نکات" اس کی بنیادی تعلیمات ہیں۔ یہ سات مختصر سے نکات بے پناہ اہمیت کے حامل ہیں۔ تمہیں ہر جملے پر مراقبہ کرنا ہوگا۔ ان میں پورا دھرم سمویا ہوا ہے۔ تمہیں ہر جملے کی پرتیں کھولنی ہیں۔ یہ بیجوں کی طرح ہیں۔ ان کے اندر بہت کچھ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بظاہر یہ ایسے نہ دِکھیں۔ تاہم جس لمحے تم ان جملوں میں گہرا اترو گے، جب تم ان پر غور کرو گے، ان پر مراقبہ کرو گے، ان کا تجربہ شروع کرو گے تو تم حیران رہ جاؤ گے ــــ تم اپنی زندگی کی عظیم ترین مہم سے گزرو گے۔



سچ سمندر

سچ کوئی ایسی شے نہیں ہے جو کہیں دور ہو۔ سچ تو یہیں ہوتا ہے۔ سچ تمہیں ہر طرف سے یوں گھیرے ہوتا ہے جیسے سمندر مچھلی کو۔ ممکن ہے مچھلی کو پتا نہ ہو ___ اگر مچھلی سمندر سے آگاہ ہو جائے تو مچھلی گیان پا جائے!

مچھلی آگاہ نہیں ہے، آگاہ ہو بھی نہیں سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مچھلی سمندر میں پیدا ہوتی ہے، ہمیشہ سمندر میں رہتی ہے، اسی طرح سمندر کا ایک حصہ ہوتی ہے جس طرح کوئی لہر سمندر کا حصہ ہوتی ہے۔ مچھلی بھی ایک لہر ہے ___

اک ذرا ٹھوس، لیکن سمندر سے جنمی ہوئی۔ وہ سمندر میں جیتی ہے اور ایک دن سمندر ہی میں گم ہو جائے گی۔ ممکن ہے مچھلی کو کبھی سمندر کے بارے میں پتہ نہ چلے۔ کچھ جاننے کے لیے تھوڑا سا فاصلہ ضروری ہوتا ہے۔ کچھ جاننے کے لیے تناظر ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ سمندر ایسا بند ہوتا ہے کہ مچھلی اسے کبھی نہیں جان پاتی۔

اور سچ کا بھی معاملہ یہی ہے۔ بھگوان کا معاملہ بھی یہی ہے۔ وہ دور نہیں ہے، اسی لیے ہم اس کے بارے میں نہیں جانتے۔ ایسا اس لیے ہے کہ وہ دور نہیں بے حد قریب ہے۔ بے حد قریب کہنا بھی درست نہیں ہے، وہ تو تم میں ہے۔

یہ ہے وہ پہلی بات جو تمہارے دل میں گہری اتر جانی چاہیے۔ سچ پہلے سے ہے، ہم اس میں ہیں۔

آغاز کے لیے یہ انتہائی بنیادی بات ہے۔ تمہیں سچ کو دریافت نہیں کرنا ہے۔ یہ

ڈھکا ہوا تھوڑا ہی ہے۔

ضرورت جس شے کی ہے وہ ہے ایک نئی قسم کی آگہی، جس کی کہ تم میں کمی ہے۔ سچ ہے لیکن تم اس سے آگاہ نہیں ہو، تم چوکس نہیں ہو۔ تم نہیں جانتے کہ دیکھنا کیسے ہے۔ تم نہیں جانتے کہ مشاہدہ کیسے کرنا ہے۔ تم آنکھیں رکھتے ہو لیکن پھر بھی اندھے ہو، تم کان رکھتے ہو لیکن پھر بھی بہرے ہو۔

پہلی بنیادی بات ہے: سچ ہے۔

دوسری بنیادی بات ہے: ذہن رکاوٹ ہے۔ تمہیں سچ سے کسی شے نے نہیں روکا ہوا، سوائے تمہارے اپنے ذہن کے۔ ذہن نے تمہیں کسی فلم کی طرح، کسی مووی کی طرح محیط کیا ہوا ہے، کہ جو مسلسل چلتی رہتی ہے اور تم اس میں کھوئے رہتے ہو۔ یہ ایک فنتاسی ہے جو تمہیں گھیرے ہوئے ہے۔ ایک مسلسل کہانی، جو چلتی جا رہی ہے۔ چونکہ تم اس سے مسحور ہو، اس لیے جو ہے، اس کو کھوئے ہوئے ہو۔ ذہن نہیں ہے، یہ تو صرف ایک فنتاسی ہے۔ یہ تو سراب دکھاتا ہے۔

ذہن خوابوں سرابوں کے سوا کچھ نہیں ہے ___ ماضی کے خواب، مستقبل کے سراب، یہ خواب کہ چیزوں کو کیسا ہونا چاہیے، بڑے مقاصد کے خواب، کارناموں کے خواب۔

خواب اور خواہشات ___ اِن سے بنا ہے ذہن۔ اس نے تمہیں دیوارِ چین کی طرح محصور کیا ہوا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ مچھلی سمندر سے آگاہ نہیں ہے۔

پس دوسری بنیادی بات یہ ہے کہ ذہن واحد رکاوٹ ہے۔

اور تیسری بنیادی بات: لاذہن دروازہ ہے۔

اتیشا لاذہن کو "بودھی چت" کہتا ہے۔ اس کا ترجمہ "بدھ کا ذہن" "بدھ کا شعور" کے لفظوں میں کیا جا سکتا ہے۔ تم پسند کرو تو اسے "یسوع شعور" یا "کرشن شعور" بھی کہہ سکتے ہو۔ تم کوئی نام استعمال کرو، اس سے فرق نہیں پڑتا۔

تاہم "بودھی چت" کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ یہ لاذہن ہوتا ہے۔ یہ پیراڈاکس دِکھتا ہے: ذہن لاذہن کی حالت میں۔ تاہم معانی واضح ہیں یعنی ذہن بغیر کسی مواد کے، ذہن بغیر سوچوں کے۔

لفظ بودھی چت کو یاد رکھو کیونکہ اتیشا کہتا ہے کہ دھرم کی ساری کوشش، دھرم کی ساری سائنس کچھ نہیں سوائے بودھی چت تخلیق کرنے کی کاوش کے۔ یعنی ایسا ذہن تخلیق کیا جائے کہ جو لاذہن کے طور پر کام کرے، ایسا ذہن جو مزید خواب نہ دیکھے، مزید نہ سوچے۔

ایسا ذہن جو آگاہ ہو، خالص آگہی۔

یہ ہیں بنیادی باتیں۔



ہر شے خواب جیسی ہے

اب کام شروع ہوتا ہے۔ اتیشا بہت مرتکز ہے، بیج کی طرح۔ یہ ہے اس نکتے کا مطلب: یہ محض ایک دھاگا ہے، ایک اشارہ ہے اور پھر تمہیں اس کو بوجھنا ہے۔

یہ سوچو کہ ہر شے خواب جیسی ہے۔

ہر وہ شے جو تم دیکھتے ہو، جس کا تم تجربہ کرتے ہو، مادی ہوتی ہے۔ اس میں دنیا کی ہر شے شامل ہے، اس میں تمہارے شعور میں موجود اشیا بھی شامل ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ دنیا کی اشیا ہوں، ہوسکتا ہے وہ ذہن کی اشیا ہوں۔ وہ عظیم روحانی تجربے بھی ہو سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے تم اپنے اندر کنڈالنی ابھرتے دیکھو ___ لیکن یہ بھی ایک خوبصورت خواب ہوگی، ہوسکتا ہے تم اپنی ہستی سے روشنی امنڈتی دیکھو، یہ روشنی بھی مادی ہے۔ ہوسکتا ہے تم اپنے اندر کنول کے پھول کھلتے دیکھو اور اپنی ہستی سے ایک عظیم خوشبو ابھرتی دیکھو۔ یہ بھی مادی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم ہمیشہ دیکھنے والے ہوتے ہو، وہ نہیں ہوتے کہ جس کو دیکھا گیا ہو، تم ہمیشہ تجربہ کرنے والے ہوتے، وہ نہیں ہوتے کہ جس کا تجربہ کیا گیا ہو، تم ہمیشہ شاہد ہوتے ہو، مشہود نہیں ہوتے۔

جس جس کا بھی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے وہ مادی ہے۔ خواہ وہ نفسیاتی اور روحانی ہی کیوں نہ ہو، کوئی فرق نہیں ہے۔ یادرکھنے کی بنیادی بات یہ ہے کہ جس کو بھی دیکھا جا سکتا ہے، وہ خواب ہے۔

یہ سوچو کہ ہر شے خواب جیسی ہے۔

یہ ایک نہایت حیرت ناک تیکنیک ہے۔اس انداز سے غور کرو۔اگر تم گلی میں سے گزر رہے ہوتو اپنے پاس سے گزرنے والے لوگوں کے حوالے سے سوچو کہ وہ سب خواب ہیں۔دکانیں اور دکاندار، گاہک اور آتے جاتے لوگ، سب خواب ہیں۔مکان، بسیں، ٹرین، ہوائی جہاز، سب خواب ہیں۔

تم حیران ہو گے کہ تم میں فوراً کوئی نہایت اہم بات رونما ہو گی۔جس لمحے تم سوچتے ہو"سب خواب ہیں" تو دفعتاً ایک جھماکے کی طرح، تمہارے تصور میں ایک بات آئے گی"میں بھی خواب ہوں۔"

کیونکہ اگر جو کچھ دیکھا گیا ہے، وہ خواب ہے تو پھر یہ"میں" کیا ہے؟ اگر معروض خواب ہے تو موضوع بھی خواب ہے۔اگر معروض جھوٹ ہے تو موضوع کیسے سچ ہوسکتا ہے؟ ناممکن۔

اگر تم ہر شے کو خواب کے طور پر دیکھو گے تو دفعتاً تم اپنی ہستی میں سے کسی شے کو نکلتے پاؤ گے، اور وہ ہوگا انا کا تصور۔انا کو ترک کرنے کا یہ واحد طریقہ ہے، اور سب سے سادہ بھی۔

ذرا آزماؤ تو سہی ــــ اس انداز سے مراقبہ تو کر کے دیکھو۔بار بار اس انداز سے مراقبہ کرو۔ایک دن معجزہ ہوگا۔تم اندر دیکھو گے اور وہاں انا کو نہیں پاؤ گے۔

انا ایک ضمنی پیداوار ہے ــــ اس واہمے کی ضمنی پیداوار کہ تم جو کچھ دیکھ رہے ہو سچ ہے۔اگر تم سوچو کہ اشیا سچ ہیں تو پھر انا کا وجود ممکن ہے۔یہ ایک ضمنی پیداوار جو ہے۔اگر تم سوچو کہ سب اشیا خواب ہیں تو انا غائب ہو جائے گی۔اگر تم مسلسل یہی سوچتے رہو کہ ہر شے خواب ہے تو ایک روز، رات کو خواب میں، تم حیران رہ جاؤ گے: اچانک خواب میں تمہیں یاد آئے گا کہ یہ بھی خواب ہے! اور پھر فوراً اس یاد کے رونما ہوتے ہی خواب غائب ہو جائے گا۔یوں تم پہلی بار گہری نیند کا تجربہ کرو گے، ہنوز بیدار ہوتے ہوئے ــــ ایک انتہائی تضاد بھرا تجربہ ہے، لیکن انتہائی فائدہ بخش۔

جب ایک بار تم خواب سے آگاہ ہونے کی وجہ سے خواب کو غائب ہوتا دیکھ لیتے ہو تو تمہارا شعور ایک نئی صفت کا، ایک نئی خوشبو کا مالک بن جاتا ہے۔اگلی صبح تم ایک بالکل نئی

کیفیت کے ساتھ اٹھو گے، ایسی کہ جیسی تم میں پہلے کبھی نہیں تھی۔تم پہلی بار بیدار ہو گے۔اب تم جانتے ہو گے کہ باقی ساری صبحیں جھوٹی تھیں، تم حقیقتاً بیدار نہیں ہوتے تھے۔خواب مسلسل جاری رہتے تھے ــــ فرق صرف یہ تھا کہ رات کو تم بند آنکھوں سے خواب دیکھ رہے ہوتے تھے جبکہ دن میں تم کھلی آنکھوں سے خواب دیکھ رہے ہوتے تھے۔

لیکن اگر آگہی کے رونما ہونے سے خواب غائب ہو جائے تو تم اچانک خواب میں بھی بیدار ہو جاتے ہو ــــ اور یاد رکھنا آگہی اور خواب دیکھنا ساتھ ساتھ نہیں ہوسکتا۔اِدھر آگہی اُبھری اُدھر خواب گیا۔جب تم نیند میں بیدار ہوتے ہوتو اگلی صبح ایک ایسی اہم شے ضرور رونما ہونا ہوتی ہے، کہ جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا ہوتا۔تمہاری آنکھیں نہایت صاف ہوں گی، نہایت شفاف ہوں گی اور ہر شے تمہیں نہایت رنگین، نہایت زندہ دکھائی دے گی۔یہاں تک کہ پتھر بھی سانس لیتے محسوس ہوں گے، پتھروں میں بھی دل دھڑکتا محسوس ہوگا، نبض چلتی محسوس ہوگی۔

جب تم بیدار ہوتے ہوتو ساری ہستی اپنی کیفیت بدل لیتی ہے۔

ہم ایک خواب میں جی رہے ہیں۔ہم سوئے ہوتے ہیں، اس وقت بھی کہ جب ہم سوچتے ہیں کہ ہم جاگے ہوئے ہیں۔

یہ سوچو کہ ہر شے خواب جیسی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ معروضی اشیا اپنی معروضیت کھودیں گی، موضوع اپنی موضوعیت کھودے گا۔یوں تم میں اِک ماورائیت رونما ہوگی۔معروض اہم نہیں رہا، موضوع بھی اہم نہیں رہا ــــ تب پھر کیا رہ جاتا ہے؟ ایک ماورائی شعور، بودھی چت ــــ محض مشاہدہ ــــ "میں" اور "تو" کے تصور کے بغیر، محض ایک شفاف آئینہ جو وہی دکھاتا ہے کہ جو ہے۔

اور بھگوان کچھ نہیں سوائے اس کے کہ جو ہے۔



آ گہی کا تجزیہ

اب تم جانتے ہو کہ آ گہی کیا ہے۔ اب تم اُس ماورائی آ گہی کو جان چکے ہو کہ جس میں معروض اور موضوع موجود نہیں رہتے۔ تم پہلی بار اس خالص پن سے واقف ہو چکے ہو، اس شفاف آئینے سے واقف ہو چکے ہو۔ اب اس آ گہی کی نوعیت کا تجزیہ کرو۔

اس کو دیکھو، اس پر غور کرو۔ خود کو جتنا ممکن ہو اس میں جذب کر دو۔ جاگو اور دیکھو! اور تم ہنسنے لگو گے ___ کیونکہ اب تم دیکھو گے کہ نہ تو کوئی جنم ہے اور نہ ہی کبھی موت آنی ہے۔

یہ ہے نہ پیدا ہونے والا اور نہ مرنے والا شعور۔ یہ ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ یہ ابدی ہے، یہ وقت سے بے نیاز ہے۔ کتنے خوفزدہ تھے تم موت سے؟ تم بڑھاپے سے کتنے خوفزدہ تھے؟ تم ایک ہزار ایک چیزوں سے خوفزدہ تھے! اور کبھی کچھ نہیں ہوا تھا! سب خواب تھا۔

انسان یہ دیکھ کر مسکراتا ہے، ہنستا ہے۔ تمہاری اب تک کی ساری زندگی مضحکہ خیز تھی، بے معنی تھی۔ تم غیر ضروری طور پر خوفزدہ تھے، غیر ضروری طور پر لالچی تھے، غیر ضروری طور پر ابتلا کا شکار تھے۔ تم ایک ڈراؤنے خواب میں جی رہے تھے ___ اور وہ تمہاری اپنی ہی تخلیق تھا۔

نازائیدہ آ گہی کی نوعیت کا تجزیہ کرو
اور تم تمام مصیبتوں سے، ہر ابتلا سے، ہر جہنم سے آزاد ہو جاؤ گے۔



علاج سے چمٹو مت

اور ہاں علاج سے، طریقے سے چمٹنا مت۔ بلاشبہ ترغیب ابھرتی ہے۔ یہ آخری ترغیب ہوتی ہے، ذہن کی باقی رہنے کی بالکل آخری کوشش۔ ذہن ایک عقبی دروازے سے آتا ہے، اور ایک بار مزید کوشش کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے غائب ہونے سے پہلے ایک کوشش مزید کرتا ہے ___ اور وہ کوشش ہوتی ہے طریقے سے چمٹے رہنے کی۔ ہر شے کو خواب سمجھنے کے طریقے سے۔

اس نے تمہیں ایسی مسرت دی ہے، حقیقت کا ایسا گہرا تجربہ کرایا ہے کہ تم فطری طور پر اس سے چمٹنا چاہو گے اور اگر ایک بار تم چمٹ گئے تو پھر دوبارہ اسی پرانے ڈھرے پر ہو گے۔ ذہن روپ بدل کر واپس آ جائے گا۔ کسی چیز سے بھی چمٹو، ذہن واپس آ جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چمٹنا ذہن ہے۔ کسی بھی شے کو تھام لو، کسی بھی شے پر انحصار کر لو، ذہن واپس آ جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذہن انحصار ہے، غلامی ہے، محتاجی ہے۔ کسی بھی شے کو ملکیت میں لو ___ خواہ کوئی روحانی طریقہ ہی کیوں نہ ہو ___ مراقبے کا طریقہ ہی کیوں نہ ہو ___ مالک بن جاؤ ___ اور وہ شے تمہاری مالک بن جائے گی۔ خواہ تم دولت کے مالک ہو یا مراقبے کے کسی نہایت اہم طریقہ کے، اس سے فرق نہیں پڑتا۔ تم کسی بھی شے کے مالک بنو، وہ تمہاری مالک بن جائے گی، اور تم اسے کھونے سے ڈرنے لگو گے۔

ایک بار ایک شخص کو میرے پاس لایا گیا۔ وہ گزشتہ تیس برس سے ایک خاص منتر جاپ رہا تھا اور بڑے عظیم تجربات سے گزر چکا تھا۔ ایک

عام آدمی بھی دیکھ سکتا تھا کہ وہ ایک بالکل مختلف دنیا میں جی رہا ہے۔
تم اس کی آنکھوں میں دیکھ سکتے تھے، وہ مسرت سے چمک رہی ہوتی تھیں۔اس کی ہستی ماورا کے ارتعاش کی حامل تھی۔

اس کے چیلے اسے میرے پاس لائے تھے۔انہوں نے مجھ سے کہا: ”ہمارا گرو حقیقت کو پا چکا ہے۔آپ اس کے بارے میں کیا فرمائیں گے؟“

میں نے کہا: ”اپنے گرو کو تین دن کے لیے میرے پاس چھوڑ جاؤ۔تم تین دن بعد آنا۔“

گرو میرے ساتھ تین دن رہا۔تیسرے دن وہ بہت غصے میں تھا۔اس نے کہا: ”تم نے میری تیس سالہ محنت برباد کر دی ہے!“

میں نے تو اسے صرف ایک سادہ سی بات کہی تھی __ یعنی اتیشا کی یہی بات کہ ہر علاج کو خود بخود ختم ہونے دو۔

میں نے اسے کہا تھا: ”تم تیس سال ایک ہی بات یاد کرتے رہے کہ سبھی کچھ الوہی ہے۔درخت بھگوان ہے، پتھر بھگوان ہے، لوگ بھگوان ہیں، کتا بھگوان ہے، ہر شے بھگوان ہے __ تیس سال تم یہی بات مسلسل دہراتے رہے ہو، رٹتے رہے ہو۔“

اس نے کہا: ”ہاں۔“

میں نے کہا: ”اب رٹنا چھوڑ دو۔تم کتنا عرصہ رٹ کر سکتے ہو؟ اگر ایسا ہو چکا ہے تو رٹنا چھوڑ دو اور دیکھ کہ کیا ہوتا ہے۔اگر ایسا حقیقت میں ہو چکا ہے تو پھر رٹنا ترک کرنے کے بعد بھی یہ رہے گا۔“

بات اتنی منطقی تھی کہ وہ تیار ہو گیا۔اس نے کہا: ”ہاں، یہ ہو چکا ہے۔“

میں نے کہا: ”تب پھر کوشش کرو۔تین دن کے لیے رٹنا چھوڑ دو، رٹنا بھلا دو۔“

اس نے کہا: ”میں چھوڑ نہیں سکتا، یہ تو خود بخود جاری رہتا ہے۔“

میں نے کہا: ”تم ذرا کوشش تو کرو۔“

رٹنا ترک کرنے میں دو دن لگے، اڑتالیس گھنٹے۔ترک کرنا مشکل تھا۔یہ عمل خود بخود جو ہونے لگا تھا۔تیس سال کے عرصے میں رٹنے کا عمل بہت پختہ اور خودکار ہو چکا تھا۔تاہم اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اندر یہ عمل ترک ہو گیا۔

اور تیسرے دن کی صبح وہ بہت غصے میں تھا۔اس نے کہا: ”یہ تم نے کیا کر دیا ہے؟ ساری مسرت غائب ہو گئی ہے۔میں تو بہت عام سا محسوس کر رہا ہوں۔مجھے ویسا ہی محسوس ہو رہا ہے جیسا تیس سال پہلے سفر شروع کرنے سے پہلے محسوس ہوتا تھا۔“ وہ غصے اور غم میں چلانے لگا۔اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔اس نے کہا: ”مجھے میرا طریقہ واپس دے دو __ پلیز اسے مت لو!“

میں نے کہا: ”دیکھو! اگر اس کا انحصار طریقے پر اس قدر ہے تو پھر کچھ وقوع پذیر نہیں ہوا ہے۔یہ محض ایک سراب ہے کہ جسے تم نے مسلسل رٹ رٹ کر تخلیق کیا ہوا ہے۔یہ کچھ نہیں محض اپنے آپ ہپناٹائز کرنا ہے۔“

تمام عظیم گرو کہتے ہیں کہ ایک دن تمہیں طریقے کو ترک کرنا ہو گا۔جتنا جلد تم اسے ترک کرو گے اتنا بہتر ہے۔جس لمحے تم گیان پا جاؤ، جس لمحے تمہیں آگہی عطا ہو، فی الفور طریقے کو ترک کر دو۔تیسرے نکتے میں اتیشا نے کہا تھا: ”نا زائیدہ آگہی کی نوعیت کا تجزیہ کرو۔“ اور فوراً چوتھے نکتے میں اس نے کہا: ”ہر علاج کو خود بخود ختم ہو جانے دو۔“

اب تجزیہ مزید نہیں کرنا ہے، ذہن سے مزید کام نہیں لینا ہے، مزید یہ یاد نہیں کرنا ہے کہ سب خواب ہے۔جونہی آگہی کا پہلا ذائقہ تمہاری زبان محسوس کرے، تیزی کرو! کیونکہ ذہن بہت چالاک ہے۔ذہن تمہیں کہنے لگے گا: ”دیکھو! تم عام آدمی نہیں رہے ہو، تم تو غیر معمولی ہو۔دیکھو! تم گیان پا چکے ہو۔دیکھو! تم بدھ بن گئے ہو، تم نوریاب ہو گئے ہو۔دیکھو! یہ پوری نوعِ انسان کی منزل ہے لیکن بہت ہی کم لوگ، لاکھوں میں کوئی ایک اسے پاتا ہے۔تم

وہی لاکھوں میں ایک ہو۔"

ذہن یہ ساری پیاری پیاری باتیں، میٹھی میٹھی باتیں کرے گا۔ بلاشبہ انا لوٹ سکتی ہے۔ تمہیں بہت اچھا لگنے لگے گا۔ تم خود کو مقدس سمجھنے لگو گے۔ تم اپنے آپ کو خاص سمجھنے لگو گے، روحانی، صوفی۔

اور سب کچھ کھو جائے گا۔ علاج کے ذریعے بیماری عود کر آئے گی۔ علاج سے چمٹو گے تو بیماری واپس آ جائے گی۔

انسان کو طریقے کو ترک کرنے کے حوالے سے بہت چوکس رہنا ہوتا ہے۔ جب تم کچھ پا لو تو فوراً طریقے کو ترک کر دو۔ وگرنہ تمہارا ذہن طریقے سے چمٹنا شروع کر دے گا۔ وہ تم سے بہت منطقی انداز میں کہے گا: "طریقہ ہی اہم ہے۔"

گوتم بدھ ایک حکایت بار بار سنایا کرتے تھے۔

پانچ احمق ایک بستی سے گزر رہے تھے۔ لوگ انہیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ایک کشتی کو سروں پر اٹھایا ہوا تھا۔ کشتی بہت بڑی تھی اور اتنی بھاری کہ اس کے بوجھ تلے وہ پانچوں احمق دبے جا رہے تھے۔ اس کا بوجھ انہیں مارے ڈال رہا تھا۔

لوگوں نے کہا: "یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ؟"

انہوں نے کہا: "ہم اس کشتی کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اس کشتی کے ذریعے ہی تو ہم پرلے کنارے سے ادھر والے کنارے تک آئے ہیں۔ ہم کیسے اسے چھوڑ سکتے ہیں؟ اسی نے تو ہمیں یہاں پہنچایا ہے۔ یہ نہ ہوتی تو ہم پرلے کنارے ہی پر مر گئے ہوتے۔ وہاں رات ہونے والی تھی جبکہ وہاں درندے موجود تھے۔ یقینی بات تھی کہ صبح ہوتے ہوتے ہم موت کے گھاٹ اتر چکے ہوتے۔ ہم تو اس کشتی کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ ہم اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں گے۔ ہم اس کے احسان مند ہیں اور اسی احسان مندی میں اسے اپنے سروں پر اٹھائے رکھیں گے۔"

ایسا ممکن ہے، کیونکہ تمام ذہن احمق ہوتے ہیں۔ ذہن ہے ہی احمق۔ ذہن ہمیشہ احمق ہوتا ہے۔ حقیقتاً انا کا حامل انسان ذہن کا حامل نہیں ہوتا۔ دانائی لاذہن سے ابھرتی ہے، حماقت ذہن سے۔ لاذہن دانائی ہے۔

ذہن علم پر، طریقوں پر، دولت پر، تجربے پر انحصار کرتا ہے۔ ذہن کو ہمیشہ سہاروں کی ضرورت ہوتی ہے، یہ خود سے برقرار نہیں رہ سکتا ہے۔ اپنے سہارے تو یہ ڈھے جاتا ہے۔

پس ذہن کی واپس آنے کی آخری کوشش تب ہوگی، جب تم گیان پا چکے ہو گے۔ وہ کہے گا: "دیکھو ہم پہنچ چکے ہیں۔" جس لمحے کوئی تم میں کہے "ہم پہنچ چکے ہیں۔" محتاط ہو جاؤ۔ اب تمہیں ہر قدم پر بے حد محتاط رہنا ہے، ہر قدم نہایت احتیاط سے اٹھانا ہے۔

ہر علاج کو خود بخود ختم ہونے دو

پلیز علاج سے، طریقے سے مت چمٹو۔ جے کرشنا مورتی اسی بات پر زور دیتا ہے۔ تاہم یہ اس کا پہلا سوتر ہے، اسے چوتھا ہونا چاہیے۔ یہیں وہ غلطی پر ہے۔ یہ پہلا سوتر نہیں ہو سکتا۔ تم اس طریقے کو کیسے ترک کر سکتے ہو جسے تم نے اپنایا ہی نہ ہو؟ تم اسی طریقے کو ترک کر سکتے ہو جسے تم استعمال کر چکے ہو۔

اتیشا جے کرشنا مورتی سے زیادہ منطقی، زیادہ سائنٹفک ہے۔ تاہم میں سمجھ سکتا ہوں کہ وہ اس پر زور کیوں دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ڈرتا ہے اگر تم پہلے تین سوتروں میں کھو گئے تو چوتھے تک کبھی نہیں پہنچو گے۔ بہت سے لوگ بنیادی باتوں ہی میں کھو جاتے ہیں، بہت سے لوگ طریقوں ہی میں کھو جاتے ہیں۔ پس وہ بہت محتاط ہو گیا ہے۔

وہ پانچ احمق کشتی سر پر اٹھائے ہوئے تھے اور جے کرشنا مورتی دوسرے کنارے پر لوگوں کو تعلیم دے رہا ہے: "کشتی میں مت بیٹھو۔"۔۔۔ اس قدر احتیاط!

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم کشتی میں بیٹھ گئے تو کون جانے تم کشتی سر پر اٹھانے لگو۔ چنانچہ کشتی میں مت بیٹھو۔

اور بہت سے لوگ ہیں جو کشتی میں بیٹھنے سے ڈرنے لگے ہیں۔ تاہم کشتی میں بیٹھنے سے ڈرنا بھی ویسی ہی حماقت ہے۔ فرق کوئی نہیں ہے۔ جو انسان کشتی میں بیٹھنے سے ڈرتا ہے، وہ اس شخص جیسا ہی ہے جو کشتی کو سر پر اٹھائے ہوئے ہے۔ وگرنہ ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟

میرے چند پرانے دوست جے کرشنا مورتی کے پیروکار ہیں۔ ایک روز انہوں نے مجھ سے کہا: ''ہم یہاں آنا چاہتے ہیں لیکن ہم ان طریقوں سے ڈرتے ہیں جن کی تم تعلیم دیتے ہو۔ طریقے تو خطرناک ہوتے ہیں۔''

طریقے صرف تبھی خطرناک ہوتے ہیں جب تم آگاہ نہیں ہوتے۔ بصورتِ دیگر انہیں خوبصورت انداز سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کیا تم کشتی کو خطرناک سمجھتے ہو؟ اگر تم بے حد احسان مندی میں اسے ساری عمر سر پر اٹھائے رکھنے کا سوچ رہے ہو تو وہ خطرناک ہے۔ بصورتِ دیگر وہ محض ایک وسیلۂ سفر ہے، جسے استعمال کے بعد ترک کر دیا جانا چاہیے۔ سارے طریقے کشتیاں ہوتے ہیں، کہ جنہیں چھوڑ دینا ہوتا ہے ___ استعمال کرو، اور چھوڑ دو، استعمال کرو اور کبھی مڑ کر پیچھے نہ دیکھو، ضرورت ہی نہیں ہے۔

یہ ہیں انتہائیں۔ ایک انتہا پر وہ پانچ احمق ہیں اور دوسری انتہا پر جے کرشنا مورتی کے پیروکار ہیں۔ میرا فلسفہ ہے کہ کشتی کو استعمال کرو، خوبصورت کشتیوں کو استعمال کرو، جتنی کشتیوں کو استعمال کرنا ممکن ہو استعمال کرو لیکن اس آگہی کے ساتھ کہ جب کنارے پر پہنچ جاؤ تو کشتی کو چھوڑ دو، اس سے چمٹو مت۔ جب تم کشتی میں ہو تو اس سے لطف اندوز ہوؤ، اس کے ممنون رہو۔ جب تم کشتی سے باہر آؤ تو اس کا شکریہ ادا کرو اور آگے بڑھ جاؤ۔



جوہری حقیقت کو پہچانو

جب تم علاج کو ترک کر دیتے ہو تو خود بخود اپنی ہستی میں جینے لگتے ہو۔ ذہن چمٹا رہتا ہے۔ وہ تمہیں اپنی ہستی میں جینے نہیں دیتا۔ وہ تمہیں کسی ایسی شے میں دلچسپی لینے پر اکساتا ہے کہ جو تم نہیں ہو ___ یعنی کشتیوں میں۔

جب تم کسی سے نہیں چمٹتے تو کہیں جانا نہیں ہوتا ___ تمام کشتیاں ترک ہو چکیں، تم کہیں نہیں جا سکتے، تم راستے ترک کر دیئے گئے، تم کہیں نہیں جا سکتے، سب خواب اور سب خواہشیں ترک ہو گئیں، کہیں جانے کا کوئی راستہ نہیں۔ تب سکون و طمانیت خود بخود ابھرتا ہے۔

اس لفظ سکون پر غور کرو۔ تم گھر آ چکے ہو۔

اور جب تم ٹھہر جاتے ہو تو یہی خالص آگہی ہوتی ہے، بغیر کسی کوشش کے، بغیر کسی طریقے کے۔ اگر آگہی کو ہنوز کسی طریقے کی ضرورت ہو تو وہ سچی آگہی نہیں ہوتی، جوہری آگہی نہیں ہوتی، فطری بے ساختہ آگہی نہیں ہوتی۔ یہ ہنوز طریقے کی ضمنی پیداوار ہے، یہ کاشت کردہ ہے، گھڑی ہوئی ہے۔ یہ ذہن کی ضمنی پیداوار ہے، یہ ابھی سچی نہیں ہے۔

جوہری حقیقت کو پہچانو

اب کچھ نہیں کرنا ہے۔ دیکھو، ہوؤ، لطف اٹھاؤ: صرف لمحۂ موجود ہی وجود رکھتا ہے۔

یہ ''اب'' یہ ''یہاں'' ___ یہ کوؤں کی کائیں کائیں ___ اور باقی سب خاموشی ہے۔

اس سکون کو جاننا، یہ جاننا ہے کہ تم کون ہو، یہ ہستی کیا ہے۔ پتانجلی کے بقول یہ سمادھی ہے۔ گوتم بدھ کے بقول یہ سمبودھی ہے۔ اتیشا کے بقول یہ بودھی چت ہے۔



مراقبہ، مادہ اور وہم

اتیشا اپنے چیلوں کو سمجھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تمہارا اپنی ہستی میں قیام وقتی ہوگا۔ تم ایک لمحے اپنے آپ کو اپنی ہستی میں پُرسکون پاؤ گے اور دوسرے لمحے یہ کیفیت نہیں رہے گی۔ ابتدا میں ایسا لازمی ہوتا ہے۔ ایک لمحے تم نامعلوم سے بھرے ہوئے ہوتے ہو، اسرار سے بھرے ہوئے ہوتے ہو، اور دوسرے ہی لمحے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ایک لمحے ہر طرف خوشبو ہی خوشبو ہوتی ہے اور اگلے ہی لمحے تم اسے ڈھونڈتے پھرتے ہو اور کہیں نہیں پا سکتے۔

شروع میں صرف جھلکیاں ہوتی ہیں۔ دھیرے دھیرے وہ زیادہ ٹھوس ہونے لگتی ہیں، وہ زیادہ طویل ہونے لگتی ہیں۔ دھیرے دھیرے، آہستہ آہستہ، بہت آہستہ وہ ہمیشہ کے لیے قائم ہو جاتی ہیں۔ اس سے پہلے تم لاپروائی مت برتنا، یہ بہت بڑی غلطی ہوگی۔ اسی لیے تو وہ کہتا ہے کہ مراقبے کے دوران......

جب تم مراقبہ کر رہے ہوتے ہو تو ایسا ہوتا ہے ـــ تاہم ایسا عارضی ہے۔ پس تمہیں مراقبے کے دوران کیا کرنا ہے؟

مراقبے کے دوران مادے کو محض وہم سمجھو

مراقبے کے دوران طریقہ استعمال کرنا جاری رکھو۔ جب تم مراقبے میں گہرے ہو تو طریقے کو ترک کر دو۔ آگہی خالص سے خالص تر ہوتی جاتی ہے اور ایک لمحہ آتا ہے کہ وہ کاملاً خالص ہو جاتی ہے، تب طریقے کو ترک کر دو۔ علاج کے بارے میں سب کچھ بھول جاؤ اور ٹھہر جاؤ اور ہوؤ۔

تاہم ابتدا میں ایسا صرف لمحاتی طور پر ہوگا۔ صرف ایک لمحے کے لیے، مجھے سنتے ہوئے، ہوا کے جھونکے کی طرح، تم کسی دوسری دنیا میں چلے جاؤ گے، لاذہن کی دنیا میں۔ صرف ایک لمحے کے لیے، تم جانتے ہو گے کہ تم جانتے ہو لیکن صرف ایک لمحے کے لیے۔ پھر تاریکی دوبارہ اُمڈ آئے گی اور ذہن اپنے سارے خوابوں کے ساتھ لوٹ آئے گا، اپنی ساری خواہشوں اور اپنی ساری حماقتوں کے ساتھ۔

ایک لمحے کے لیے بادل چھٹیں گے اور تم سورج کو دیکھ لو گے۔ پھر بادل دوبارہ اکٹھے ہو جائیں گے، اندھیرا چھا جائے گا اور سورج غائب ہو جائے گا۔ اب یہ یقین کرنا بھی مشکل ہوگا کہ سورج وجود رکھتا ہے۔ اب یہ یقین کرنا بھی مشکل ہوگا کہ ایک لمحے پہلے تم جس تجربے سے گزرے ہو وہ سچ تھا۔ ممکن ہے ذہن کہے کہ یہ محض خیال تھا۔

یہ ناقابلِ یقین لگتا ہے کہ ایسا تمہارے ساتھ ہو سکتا ہے۔ ذہن میں تمام حماقتوں کے ساتھ، سارے بادلوں اور تاریکیوں کے ساتھ ایسا تمہارا ساتھ ہو چکا ہے: تم نے سورج کو لمحہ بھر کے لیے دیکھ لیا ہے! تم سوچو گے کہ شاید یہ خواب تھا۔

کشتی میں رہو، کشتی کو دوبارہ استعمال کرو۔

مادے کو محض وہم سمجھو

مراقبے کے ان لمحوں کے دوران، مطلق مسرت کے ان لمحوں کے دوران، خالی پن اور خالص پن کے ان لمحوں کے دوران، ہستی کے ان لمحوں کے دوران، یاد رکھو کہ سب خواب ہے، یاد رکھو کہ مادہ وہم ہے۔



دُکھ سمیٹو، خوشی بانٹو

اب خالی پن کا تجربہ کیا جا چکا___ یہاں تک وہ پہلے گرو کے ساتھ تھا۔ اس سوتر سے وہ دوسرے گرو دھرم رکشتا کے ساتھ ہے۔

اب وہ کہتا ہے کہ ہمدرد ہونا شروع کرو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب تم سانس اندر کھینچو___ اسے بہت غور سے سننا، کیونکہ یہ ایک عظیم ترین طریقہ ہے___ جب تم سانس اندر کھینچو تو سوچو کہ تم دنیا کے سارے لوگوں کے سارے دکھ سانس کے ساتھ اندر کھینچ رہے ہو۔ ساری تاریکیاں، ساری منفیاں، جہاں جہاں بھی جہنم ہے، تم سب کو سانس کے ساتھ اندر کھینچ رہے ہو___ اور اسے اپنے دل میں سمانے دو۔

تم نے مغرب کے نام نہاد مثبت سوچنے والوں کے بارے میں پڑھا سنا ہو گا۔ وہ بالکل الٹ کہہ رہے ہوتے ہیں___ وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، وہ کہتے ہیں: ”جب تم سانس باہر نکالو تو اپنے سارے دکھ اور ساری منفیت باہر نکال دو، اور جب سانس اندر کھینچو تو خوشی میں، اثبات میں، مسرت میں سانس لو۔“

اتیشا کا طریقہ بالکل الٹ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب تم سانس اندر کھینچو تو دنیا کے سارے انسانوں کے سارے دکھوں کو سانس کے ساتھ اندر کھینچو___ ماضی، حال اور مستقبل کے سارے لوگوں کے سارے دکھوں کو، جب تم سانس باہر نکالو تو اس ساری مسرت کو باہر نکالو کہ جو تمہارے پاس ہے، اس رحمت کو، اس کرم کو باہر نکالو کہ جو تمہارے پاس ہے۔ سانس باہر نکالتے ہوئے اپنے آپ کو ہستی میں انڈیل دو۔ یہ ہے ہمدردی کا طریقہ: سارے دکھوں کو پی

جاؤ اور رحمتوں کو باہر انڈیل دو۔

ایسا کر کے تم حیران رہ جاؤ گے۔ جس لمحے تم سارے دکھوں کو اپنے اندر لے جاتے ہو، وہ دکھ نہیں رہتے۔ دل انہیں فوراً توانائی میں بدل دیتا ہے۔ دل کایا کلپ کرنے والی قوت ہے۔ دکھ پیو، یہ اسے رحمت میں بدل دے گا___ پھر اسے باہر انڈیل دو۔

جب ایک بار تم یہ جان لو گے کہ تمہارا دل ہی جادو کر سکتا ہے، معجزہ کر سکتا ہے تو تم اسے بار بار کرنا پسند کرو گے۔ کر کے دیکھو! یہ ایک سب سے زیادہ قابلِ عمل طریقہ ہے، یہ سادہ ترین طریقہ ہے___ اور یہ فوری نتائج دیتا ہے۔ آج ہی کرو اور دیکھو۔

ہمدردی کے اس خوبصورت طریقے پر عمل کرو: سارے دکھ اندر کھینچ لو اور ساری مسرت باہر انڈیل دو۔



تین کیفیتیں، تین زہر، تین بنیادی نیکیاں

تین کیفیات ایسی ہیں جو تین زہروں کی طرح کام کر سکتی ہیں یا تین بنیادی نیکیاں بن سکتی ہیں۔ اتیشا داخلی کیمیاگری کی بات کر رہا ہے۔ زہر کو نقطار بنایا جا سکتا ہے، عام سی دھات کو سونا بنایا جا سکتا ہے۔

وہ تین کیفیات کون کون سی ہیں؟

پہلی ہے کراہت

دوسری ہے انس

تیسری ہے لاپروائی

ذہن اس طرح سے عمل کرتا ہے۔ تم جس شے کو ناپسند کرتے ہو، اس سے کراہت محسوس کرتے ہو، اس سے منہ پھیر لیتے ہو۔ تم جس شے کو پسند کرتے ہو اس سے انس محسوس کرتے ہو اور جو شے تمہیں نہ تو پسند ہوتی ہے اور نہ ہی ناپسند اس سے تم لاپروائی برتتے ہو۔ یہ ہیں تین کیفیات۔ ذہن انہی تینوں کے بیچ وجود رکھتا ہے۔ یہ اس تپائی کی تین ٹانگیں ہیں جو ذہن کہلاتا ہے: کراہت، انس اور لاپروائی۔

یہ ویسی ہوں جیسی کہ ہیں اور اگر تم ان میں جیو تو پھر زہر میں جیو گے۔

ہم نے زندگی کو اسی طرح تو جہنم بنا رکھا ہے۔ کراہت، ناپسندیدگی، نفرت، دھتکار — یہ تمہارے ایک تہائی جہنم کو جنم دیتی ہیں۔ انس، پسندیدگی، چمٹنا، ملکیت پسندی — یہ تمہارے جہنم کے دوسرے ایک تہائی کو جنم دیتی ہیں۔ باقی سب سے کہ جنہیں نہ تو تم پسند

کرتے ہو اور نہ ہی ناپسند کرتے ہو، لاپروائی — اس سے تمہارے جہنم کا تیسرا ایک تہائی حصہ جنم لیتا ہے۔

ذرا دیکھو اپنے ذہن کو، اسی طرح تو کرتا ہے تمہارا ذہن عمل۔ وہ ہمیشہ کہہ رہا ہوتا ہے "مجھے یہ پسند ہے، مجھے وہ پسند نہیں ہے، اور میں اس تیسرے کی پروا نہیں کرتا۔" ذہن ان تین طریقوں سے کام کرتا ہے۔ یہ معمول ہے، یہ روز کا عمل ہے۔

اتیشا کہتا ہے: تین زہر ہیں، تاہم وہ نیکی کی تین بنیادیں بن سکتے ہیں۔ وہ عظیم نیکی کی تین بنیادیں کیسے بن سکتے ہیں؟ اگر تم ہمدردی کی صفت خود میں پیدا کرو، اگر تم دکھ کو جذب کرنے کا فن سیکھو، ہر دکھ کو سانس پر سوار آتا محسوس کرو، تب تم کسی چیز کو کیسے رد کر سکتے ہو؟ تم کسی شے کو کیسے ناپسند کر سکتے ہو اور تم کیسے کسی شے سے لاپروائی برت سکتے ہو؟ اور تم کیسے کسی شے سے انس رکھ سکتے ہو؟ اگر تم دنیا کے سارے دکھوں کو غیر مشروط طور پر اندر سمو رہے ہو، پی رہے ہو، اپنے دل میں جذب کر رہے ہو اور اس کی بجائے ساری ہستی کو غیر مشروط طور پر رحمتیں لوٹا رہے ہو — یاد رکھنا، کسی ایک خاص شخص کو نہیں، صرف انسانوں کو نہیں بلکہ سب کو، تمام ہستیوں کو، درختوں کو اور چٹانوں کو اور پرندوں اور جانوروں کو، سارے موجودات کو، خواہ مادی ہوں یا غیر مادی — جب تم غیر مشروط طور پر رحمت انڈیل رہے ہو تو تم کسی سے جڑے ہوئے کیسے ہو سکتے ہو؟

اس چھوٹی سی تکنیک سے سب غائب ہو جائیں گی: کراہت، انس، لاپروائی۔

اور ان کے غائب ہونے سے زہر نقطار میں ڈھل جائے گا، اور غلامی آزادی میں بدل جائے گی، اور جہنم مزید نہیں رہے گا، جنت بن جائے گا۔



صورتِ حال کا سامنا کرو

اتیشا فرار پسند (Escapist) نہیں ہے۔ وہ فرار پسندی (Escapism) کی تعلیم نہیں دیتا۔ وہ تمہیں یہ نہیں کہتا کہ جو صورتحال پسند کی نہ ہو، اس سے گریز کرو۔ وہ کہتا ہے: تمہیں ہر صورتحال میں بودھی چت میں عمل کرنا سیکھنا ہوگا ــــ بازار میں، معبد میں، لوگوں کے ساتھ ہجوم میں، غار کے اندر اکیلے میں، دوستوں کے ساتھ، دشمنوں کے ساتھ، گھر والوں کے ساتھ، آشنا لوگوں کے ساتھ، اجنبیوں کے ساتھ، انسانوں کے ساتھ اور جانوروں کے ساتھ۔

ہر طرح کی صورتحال میں، ہر طرح کے چیلنجوں میں، تمہیں ہمدردی میں، مراقبے میں عمل کرنا سیکھنا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف صورتحال کے تجربے تمہارے بودھی چت کو مزید پختہ بنا دیں گے۔

کسی صورتحال سے بھاگو مت۔ اگر تم بھاگو گے تو تم میں کسی شے کی کمی رہ جائے گی۔ تب تمہارا بودھی چت پختہ نہیں ہوگا۔ زندگی کو اس کے کثیر رخوں کے ساتھ جیو۔

میں بھی تمہیں اسی بات کی تلقین کرتا ہوں: زندگی کو اس کی کاملیت میں جیو۔ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کے مت بنو۔ دنیا میں یوں جیو جیسے کنول کا پھول پانی میں۔ وہ پانی میں جیتا ہے لیکن پانی چھوتا نہیں ہے اُسے۔

صرف تبھی تم میں بودھی چت کے پھول کھلیں گے۔ صرف تبھی تمہیں حتمی شعور سے آگاہی ہوگی، جو کہ آزادی ہے، جو کہ ابدی مسرت ہے، جو کہ رحمت ہے۔ نہ جاننا زندگی کے اکارت ہونے کے مترادف ہے۔ جاننا ہی واحد منزل ہے ــــ یاد رکھنا واحد منزل ہے۔ دھرم بزدلوں کے لیے نہیں ہوتا، یہ ان کے لیے ہوتا ہے جو خطروں میں جینا چاہتے ہیں۔



کنفیوژن

میرا طریق کنفیوژن ہے۔ میں تمہیں اس لیے کنفیوز کرتا ہوں تاکہ شفافیت ممکن ہو جائے۔ لوگ بہت زیادہ پُر یقین ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ وہ پہلے ہی سے جانتے ہیں۔ اپنی اس پُر یقینیت کی وجہ سے وہ بند ہو چکے ہیں۔ اگر تم پہلے ہی سے جانتے ہو تو پھر تلاش و جستجو کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اگر تم پہلے ہی سے جانتے ہو تو تم اپنے دروازے اور کھڑکیاں بند رکھو گے۔ لوگ بہت زیادہ پُر یقین ہیں یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ انہیں دوبارہ بے یقین بنانا ہوگا۔ ان کے یقینوں کو دھچکا لگانا ہوگا۔ ان کے بندھے ٹکے تصورات ان سے چھیننا ہوں گے۔

یوں کنفیوژن ابھرتا ہے۔ کنفیوژن ہے کیا؟ وہ کیفیت کہ جب تم اپنے پرانے یقین سے گرفت کھونے لگتے ہو۔ تم محسوس کرتے تھے کہ تم جانتے ہو اور پھر اچانک تم محسوس کرنے لگتے ہو کہ تم تو نہیں جانتے۔ تم سوچتے تھے کہ تمہارے پاس جواب ہے اور اچانک تمہیں پتا چلا کہ سوال تو وہیں ہے جبکہ جواب محض تھوپا گیا تھا۔

ہر نئے چیلے کو یہاں یہی محسوس ہوتا ہے۔ تم چند دن مزید کنفیوز ہوگی۔ یہ اچھی نشانی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے دھیان سے سن رہی ہو۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جو مجھے باقاعدہ سنتے ہیں لیکن کبھی کنفیوز نہیں ہوتے۔ اِس کا سادہ سا مطلب ہے کہ وہ نہیں سنتے۔ ان کے کان بند ہیں، وہ بہرے ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جو نہ صرف کنفیوز نہیں ہوتے بلکہ مجھے سن کر وہ مزید پُر یقین ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے وہ سنا ہے جو کہا نہیں گیا۔

دو آدمی ایک بڑے کریٹ کو دھکیل رہے تھے۔ کافی دیر گزر گئی۔ دونوں ہانپنے لگے۔ آخر باہر سے دھکا لگانے والا آدمی بولا: ''چھوڑو، میرا خیال ہے اسے اندر نہیں دھکیلا جا سکتا۔''

اندر سے دھکا لگانے والا آدمی بولا: ''کیا مطلب؟ میں تو سمجھ رہا تھا اس کریٹ کو باہر دھکیلنا ہے!''

اگر مجھے سنتے ہوئے تم کنفیوز ہوتے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ تم نے مجھے سنا ہے۔

تم جتنے دانا ہوتے ہو، اتنا ہی زیادہ کنفیوز ہو جاتے ہو۔

اور میں تضاد کو ایک تیکنیک کے طور پر استعمال کرتا ہوں، میں اپنی باتوں کے اُلٹ باتیں کرتا ہوں۔

میں ایسا کیوں کرتا ہوں؟ بات یہ ہے، میں یہاں فلسفہ تو پڑھا نہیں رہا۔ فلسفی کو نہایت با قاعدہ رہنا پڑتا ہے — بے خطا، منطقی، عقلی، بحث کے لیے اور اپنے بیان کو ثابت کرنے کے لیے ہمیشہ تیار۔ میں فلسفی نہیں ہوں۔ میں تمہیں چمٹنے کے لیے کوئی جامد تصور نہیں دینا چاہتا۔ میری ساری کوشش تمہیں لاذہن دینے کی ہے۔

واضح طور پر جان لو: میں تمہیں لاذہن کی حالت عطا کرنا چاہتا ہوں۔ میری کوشش ایک پُر یقین ذہن تیار کرنے کی نہیں ہے، میری کوشش تو اس کے برعکس ہے یعنی تمہیں لاذہن کی حالت دینا — وہ حالت جو کوئی علم نہیں رکھتی، وہ حالت جو نہ جاننے سے عمل کرتی ہے، معصومیت کی حالت!

میں تضادات کو ایک حربے کے طور پر استعمال کرتا ہوں۔ میں ایک بات کہتا ہوں۔ تم پرانی عادت کے مطابق اس سے چمٹنے لگتے ہو۔ اگلے روز میں اس کے الٹ بات کرتا ہوں۔ جب میں اس کے الٹ بات کرتا ہوں تو تمہیں اس کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ لیکن ممکن ہے تم نئی بات سے چمٹنا شروع کر دو لہٰذا مجھے اس کے بھی الٹ بات کرنا پڑتی ہے۔

میں تمہیں پُر یقین نہیں ہونے دینا چاہتا۔ کسی شے سے مت چمٹو۔ یہ اذیت ناک ہوتا ہے۔ تم کسی شے سے چمٹے ہوتے ہو اور پھر اسے ترک کرنا ہوتا ہے۔ یہ اذیت ناک ہوتا ہے۔ یہ اضطراب کو جنم دیتا ہے۔

تم اس کو سمجھ جاؤ تو مجھے یوں سنو گے جیسے کوئی موسیقی کو سنتا ہے۔ تم مجھے یوں سنو گے جیسے کوئی درختوں سے گزرتی ہوا کو سنتا ہے۔ مجھے یوں سنو گے جیسے کوئی صبح کے وقت پرندوں کو چہچہاتے سنتا ہے۔ تم کبھی بلبل سے یہ نہیں کہتے: ''کل تمہارا گیت مختلف تھا۔'' تم کبھی گلاب کے پودے سے نہیں کہتے ''پچھلی بہار میں پھول بڑے تھے۔'' تم شاعر سے نہیں کہتے ''تم نے اپنی ایک نظم میں ایک بات کہی تھی اور دوسری نظم میں کچھ اور۔'' تم شاعر سے یکسانیت کی توقع نہیں رکھتے اس لیے اس سے ایسا نہیں پوچھتے۔ شاعری کوئی تھیوری نہیں ہے، یہ تو گیت ہے۔ ہمیشہ یاد رکھنا میں فلسفی نہیں شاعر ہوں۔ میں مشزی نہیں بلکہ موسیقار ہوں جو دلوں کے تار بجاتا ہے۔ گیت بدلتے رہیں گے۔ تمہیں کسی سے چمٹنے کی ضرورت نہیں۔ تب کنفیوژن نہیں رہے گا۔

جو لوگ یکسانیت کے، باقاعدگی کے متمنی ہوتے ہیں وہ کبھی زندگی کے اسرار کو نہیں سمجھ سکتے۔ اب تو ماہرینِ طبیعیات بھی شاعروں اور صوفیوں سے متفق ہو گئے ہیں۔

تم یقیناً جانتے ہو گے کہ جدید طبیعیات نظریۂ لاتیقن پر یقین رکھتی ہے۔

جدید طبیعیات ایٹموں کے غیر منطقی رویے پر یقین رکھتی ہے، وہ الیکٹرانوں کے ناقابل پیش گوئی ہونے پر یقین رکھتی ہے۔

لوگ ابھی تک اس نظریے سے روشناس نہیں ہوئے کیونکہ یہ بہت پیچیدہ اور بہت نازک ہے۔ اسی لیے یہ عمومی علم کا حصہ نہیں بنا۔ جدید طبیعیات کے نظریات بچوں کے لیے لکھی گئیں پریوں کی کہانیاں لگتے ہیں۔

الیکٹران ایک جگہ سے دوسری جگہ چھلانگ لگاتے ہیں اور دونوں جگہوں کے درمیان موجود نہیں ہوتے۔ کیا تم یقین کر سکتے ہو؟ ایک الیکٹران مقام الف سے چھلانگ لگاتا ہے مقام ب تک اور ان دونوں کے درمیان وہ موجود نہیں ہوتا۔ ایک عظیم اسرار — وہ اسے ''کوانٹم جست'' کہتے ہیں۔ ایک خاص لفظ وضع کیا گیا ''کوانٹم'' — کیونکہ وہ درمیان میں نہیں پایا جاتا ہے۔

میں کوئی فلسفی نہیں ہوں، میں تو صوفی ہو۔ میں تو تمہیں کنفیوز کروں گا۔



گندا بوڑھا

اگر لوگوں کو ان کی جنسی زندگیاں خوشی خوشی گزارنے کا موقع دے دیا جائے تو 42 سال کی عمر میں ___ میں 82 نہیں کہہ رہا ___ جنس ان پر سے غلبہ ختم کر دے گی۔ جس طرح 14 سال کی عمر میں جنس ابھرتی ہے اور بہت طاقتور ہو جاتی ہے اسی طرح 42 سال کی عمر میں وہ غائب ہو جاتی ہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے۔ جب جنس غائب ہو جاتی ہے تو بوڑھا آدمی ایک بالکل مختلف قسم کی محبت کا، ہمدردی کا حامل ہوتا ہے۔ اس کی محبت میں ہوس نہیں ہوتی، خواہش نہیں ہوتی۔ وہ کچھ نہیں چاہتا ہے۔ اس کی محبت خالص پن کی، معصومیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس کی محبت ایک خوشی ہوتی ہے۔

جنس تمہیں مزا دیتی ہے۔ جنس صرف تبھی تمہیں مزا دیتی ہے کہ جب تم جنسی عمل کرتے ہو، مزا نتیجے میں آتا ہے۔ اگر تم جنس کو دباؤ نہیں، اگر تم اس سے آگاہ ہو جاؤ تو جنسی توانائی محبت میں ڈھل جائے گی، ہمدردی میں ڈھل جائے گی۔ تب بوڑھا آدمی دنیا کا سب سے خوبصورت آدمی ہوگا، دنیا کا سب سے صاف ستھرا انسان۔

دنیا کی کسی زبان میں ''صاف ستھرا بوڑھا'' جیسی اصطلاح نہیں ہے۔ میں نے تو کبھی نہیں سنا۔ تاہم ''گندا بوڑھا'' کی اصطلاح تقریباً تمام زبانوں میں موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم بوڑھا ہو جاتا ہے، جسم تھک جاتا ہے، جسم تمام جنسیت سے چھٹکارا چاہتا ہے ___ لیکن ذہن، دبائی ہوئی خواہشات کی وجہ سے، طلب گار رہتا ہے۔ جسم جس کام کا اہل نہ ہو، ذہن اس کا طلب گار ہو تو بوڑھا عذاب میں ہوتا ہے۔ اس کی نظریں جنسی، شہوت بھری ہوتی

ہیں جبکہ جسم بے جان ہوتا ہے۔ اس کا ذہن اسے اکساتا ہے، مہمیز لگاتا رہتا ہے۔ اس کی نظریں گندی ہونے لگتی ہیں۔

> ایک آدمی نے اپنی بیوی اور اس کی بہن کو باتیں کرتے سنا۔ وہ اس کے دوسرے شہروں کے مسلسل دوروں کے حوالے سے گفتگو کر رہی تھیں۔ اس آدمی کی سالی اپنی بہن سے بار بار کہہ رہی تھی کہ وہ اپنے شوہر کے ان دوروں کی وجہ معلوم کرے، کہیں وہ عیاشیاں تو نہیں کر رہا۔ اس آدمی نے اپنی بیوی کو کہتے سنا: ''ارے فکر کی کوئی بات نہیں، میرا خاوند میرا بڑا وفادار ہے۔ وہ بہت مہذب ہے...... بہت بوڑھا ہے۔''

جسم جلد یا بدیر بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اسے بوڑھا ہونا ہی ہے۔ لیکن اگر تم نے اپنی خواہشوں کو پورا نہیں کیا ہوگا تو وہ تمہارے اردگرد منڈلاتی رہیں گی۔ وہ تم میں کوئی گندی شے ضرور پیدا کر دیں گی۔ بصورتِ دیگر بوڑھا آدمی دنیا کا سب سے خوبصورت آدمی بن جائے گا کیونکہ وہ ویسی ہی معصومیت کا حامل ہوگا، جیسی معصومیت کے بچے حامل ہو۔ لیکن اگر خواہشیں موجود ہوئیں تو وہ عذاب میں پھنس جائے گا۔

> ایک بوڑھا ایک نوجوان لڑکی سے دست درازی کرتے پکڑا گیا۔ مجسٹریٹ نے 82 سالہ بوڑھے کو عدالت میں دیکھا تو اس پر عصمت دری کے الزام کی بجائے کند ہتھیار سے حملے کا الزام عائد کر دیا۔

اگر تم بوڑھے ہو رہے ہو تو یاد رکھنا بڑھاپا زندگی کا عروج ہوتا ہے۔ یاد رکھنا بڑھاپا انتہائی خوبصورت تجربہ ہو سکتا ہے ___ کیونکہ بچہ مستقبل کی امید کرتا ہے، وہ مستقبل میں جیتا ہے، اس کو بہت کچھ کرنے کی خواہشیں ہوتی ہیں۔ ہر بچہ سوچتا ہے کہ اس نے کوئی خاص الخاص فرد بننا ہے ___ سکندرِ اعظم، جوزف سٹالن، ماؤزے تنگ ___ وہ خواہشوں میں اور مستقبل میں جیتا ہے۔ نوجوان آدمی پر جبلتوں کا زبردست غلبہ ہوتا ہے۔ جنس ان میں شامل ہے۔ جدید تحقیق بتاتی ہے کہ ہر انسان کم از کم ہر تین سیکنڈ بعد جنس کے بارے سوچتا ہے۔ عورتیں قدرے بہتر ہیں، وہ ہر چھ سیکنڈ بعد سوچتی ہیں۔ یہ بہت بڑا فرق ہے۔ شاید اسی وجہ سے خاوند

اور بیوی میں بہت سے جھگڑے جنم لیتے ہیں۔

جنس ہر تین سیکنڈ بعد ذہن میں جھماکا کرتی ہے۔نوجوان آدمی پر ایسی عظیم فطری قوتوں کا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ آزاد نہیں ہوسکتا جبکہ وقت تیزی سے گزر رہا ہوتا ہے اور اسے کچھ کرنا ہوتا ہے، کچھ بننا ہوتا ہے۔ بچپن کی تمام امیدیں اور خواہشیں اور سپنے پورے کرنے ہوتے ہیں۔وہ بے حد جلدی میں ہوتا ہے۔

بوڑھا آدمی جانتا ہے کہ بچپن کی خواہش حقیقتاً بچگانہ تھیں۔ بوڑھا آدمی جانتا ہے کہ جوانی کے اور بھاگم دوڑ کے دن جا چکے ہیں۔ بوڑھے آدمی کی کیفیت ویسی ہوتی ہے جیسے طوفان تھم چکا ہو اور خاموشی چھا چکی ہو۔ یہ خاموشی نہایت حسین، عمیق اور باثروت ہوسکتی ہے۔اگر بوڑھا آدمی حقیقتاً سمجھدار ہو ـــ جو کہ شاذ ہی ہوتا ہے ـــ تو وہ خوبصورت ہوتا ہے۔

لیکن لوگوں کی صرف عمر بڑھتی ہے، وہ خود بڑے نہیں ہوتے۔

بڑے ہوؤ، مزید بالغ بنو، مزید چوکس ہو جاؤ۔ بڑھاپا تمہیں دیا جانے والا آخری موقع ہے۔موت کے آنے سے پہلے تیار ہو جاؤ۔

اور انسان مرنے کے لیے کیسے تیار ہوتا ہے؟

مزید مراقباتی بن کر۔

اگر خواہشیں ہنوز منڈلا رہی ہوں اور جسم بوڑھا ہو گیا ہو اور ان خواہشوں کو پورا کرنے سے قاصر ہو تو فکر مت کرو۔ان خواہشوں پر مراقبہ کرو، دیکھو، آگاہ رہو۔صرف آگاہ ہونے سے، دیکھنے سے اور چوکس رہنے سے ان خواہشوں کی اور ان میں بند توانائی کی کایا کلپ ہوسکتی ہے۔

موت کے آنے سے پہلے ساری خواہشوں سے آزاد ہو جاؤ۔



غریب ہندوستان

ہندوستان کیوں غریب ہے؟

نام نہاد پنڈت اس کے ذمہ دار ہیں۔ ہندوستان صدیوں سے غلط فلسفے کے ساتھ جی رہا ہے۔ وہ فلسفہ جو اس دنیا کو مایا قرار دیتا ہے، وہ فلسفہ جو صرف دوسری دنیا کو حقیقی بتاتا ہے۔تم نے دوسری دنیا نہیں دیکھی، تمہیں اس کو ماننا ہوگا۔ جو دنیا تم دیکھتے ہو، ہر روز دیکھتے ہو اور ہر روز اس کا تجربہ ہوتا ہے تمہیں، سراب ہے، مایا ہے۔

یہ احمقانہ فلسفہ ہندوستان کی غربت کی اصل وجہ ہے۔ جب دنیا وہم ہے، مایا ہے تو پھر سائنس کی پروا کیسے؟ ٹیکنالوجی کی پروا کسے؟ ان میں دھرا ہی کیا ہے؟ اگر دنیا وہم ہے، مایا ہے تو غربت بھی مایا ہے۔گلی میں موجود بھکاری بھی مایا ہے، فاقہ کش انسان بھی مایا ہے۔

مغرب اس تصور کے ساتھ جیتا ہے کہ یہی دنیا حقیقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امیر ہے، کم از کم خارجی حد تک۔ مغرب نے دوسری دنیا کو رد کر دیا ہے۔ مغرب تب امیر ہونا شروع ہوا تھا جب اس نے دوسری دنیا کے تصور کو ترک کرنا شروع کیا تھا۔تب اس کی ساری توانائی اِسی دنیا پر مرتکز ہوگئی۔ وہ مادی طور پر امیر ہو گیا، تاہم وہ روحانی طور پر غریب ہے۔

دوسری دنیا بھی حقیقی ہے۔ مشرق مادی طور پر غریب ہے۔ دوسری دنیا حقیقی ہے لیکن اس دنیا کی حقیقت بنیاد ہے دوسری دنیا کی۔ یہ دنیا بنیاد کا کام کرتی ہے۔ ہوسکتا ہے ہندوستان میں کوئی فرد امیر ہو جائے تاہم کروڑوں لوگ، عام لوگ تو غریب رہتے ہیں۔ چونکہ کوئی بنیاد نہیں ہے، اس لیے وہ اندر سے بھی غریب ہوتے ہیں۔

یہ دونوں ایک کل کے دو اجزا ہیں۔ میں جس نئے انسان اور نئی نوعِ انسان کی بات کرتا ہوں وہ نہ مشرقی ہوں گے، نہ مغربی۔ ایسا نہیں ہوگا کہ وہ صرف اِس دنیا یا صرف اُس دنیا پر یقین رکھتے ہوں۔ وہ انسان کی کلیت میں یقین رکھتے ہوں گے۔ وہ انسان کے جسم پر یقین رکھتے ہوں گے، وہ انسان کی روح پر یقین رکھتے ہوں گے، وہ مادیت پر یقین رکھتے ہوں گے، وہ روحانیت پر یقین رکھتے ہوں گے۔ درحقیقت نئی نوعِ انسان روحانیت اور مادیت کو ایک مظہر کے دو رُخ مانے گی۔ تب دنیا دونوں اعتبار سے امیر ہوگی، اندر سے بھی اور باہر سے بھی۔

ہندوستان کو اپنے دوسری دنیا کے خبط سے چھٹکارا پانا ہوگا۔ اسے اس دنیا سے بھی محبت کرنا سیکھنا ہوگا۔ اسے جاننا ہوگا کہ یہ دنیا بھی حقیقی ہے۔ جس لمحے ایسا ہوگا، وہ ہندوستان کی زندگی میں ایک بہت عظیم تبدیلی ہوگی۔ لیکن پنڈت، نام نہاد پنڈت اب بھی یہی درس دے رہے ہیں کہ یہ دنیا غیر حقیقی ہے۔ غریب لوگ اس دلاسے سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور اس فلسفے سے چمٹ جاتے ہیں۔ وہ مطمئن ہوتے ہیں کہ یہ دنیا غیر حقیقی ہے اس لیے غریب پر فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو چند برسوں کا سوال ہے، پھر تم حقیقی دنیا میں داخل ہو جاؤ گے۔ فکر کس بات کی؟

مشرقی ذہن اس بنیادی طور پر غلط فلسفے کی وجہ سے غیر سائنسی ہو چکا ہے۔ سائنس صرف تبھی تخلیق کی جا سکتی ہے کہ جب اس دنیا کو حقیقی مانا جائے۔ جب سائنس ہو تو ٹیکنالوجی ہوتی ہے اور ٹیکنالوجی واحد ذریعہ ہے دولت کو تخلیق کرنے کا۔ نام نہاد پنڈت ذمہ دار ہیں اور نام نہاد لیڈر اور سیاست دان ذمہ دار ہیں۔ سیاست دان اس لیے ذمہ دار ہیں کیونکہ وہ قوم کو سائنسی دشمن رجحانات سکھاتے ہیں۔ گاندھی کا فلسفہ سائنس دشمن ہے۔ تم یہ جان کر حیران رہ جاؤ گے کہ وہ ریلوے ٹرینوں کے خلاف تھا، وہ پوسٹ آفس، ٹیلی گراف، جدید طب کے خلاف تھا۔ وہ ان بنیادی ٹیکنالوجیوں کے خلاف تھا جو ملک کو ترقی دے سکتی تھیں۔ اس سب کے باوجود وہ بابائے قوم ہے، وہ اب بھی ہندوستانی ذہن پر غالب ہے، خصوصاً ہندوستانی سیاسی ذہن پر۔

ہندوستان کو گاندھی سے چھٹکارا پانا ہوگا بصورتِ دیگر وہ امیر نہیں ہو سکے گا۔

گاندھی بھی تشفی دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ غریب آدمی کی تعریف کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بھگوان غریب آدمی میں ہوتا ہے، غریب آدمی الوہی ہوتا ہے۔ اس کی تعلیمات یہ ہیں کہ امیر آدمی برا ہوتا ہے جبکہ غریب آدمی اچھا ہوتا ہے۔ اس کے بقول غربت میں روحانیت ہوتی ہے۔

اگر تم غربت کو روحانیت قرار دو گے تو فطری بات ہے غریب آدمی کی انا مسرور ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے غریب لوگ گاندھی کی پوجا کرتے ہیں، ہر گاؤں میں اس کے بت موجود ہیں۔ غریب آدمی کے پاس کوئی شے ایسی نہیں ہوتی کہ وہ ممنون ہو۔ یہ تصور اُسے زبردست تسکین دیتا ہے، کہ وہ کوئی روحانی شے رکھتا ہے، اس کی غربت روحانی ہے۔

غربت میں کچھ روحانی نہیں ہے۔ غربت تو گندی ہے، غیر روحانی ہے، غیر مذہبی ہے۔ غریب آدمی دنیا کی ہر بری اور غلط شے کا باعث ہے کیونکہ تمام قسم کے گناہ اور جرائم غربت کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔ غریب آدمی کو ممنون نہیں ہونا ہے، اسے آگاہ ہونا ہوگا: ''کچھ کرو اور اپنی غربت سے نکل آؤ۔'' اگر تم غریب آدمی کی تعریفیں کرتے رہو گے تو وہ مزید روحانی بننے کے لیے مزید غریب ہو جائے گا کہ جتنا غریب وہ ہوگا، اتنا ہی وہ الوہی ہوگا۔

ایک دیہاتی مزدور کو، جو کہ شہر میں کام کرتا تھا، ٹیلیگرام کے ذریعے اطلاع ملی کہ اس کی بیوی نے اس کے پانچ جڑواں بچوں کو جنم دیا ہے۔ یہ ٹیلیگرام پڑھ کر غریب آدمی نے سوچا کہ اسے کوئی بہتر ملازمت ڈھونڈنی چاہیے تا کہ گھر کے اخراجات بآسانی پورے ہوں۔ وہ ایک جگہ ملازمت کا انٹرویو دینے گیا۔ صاحب نے پوچھا: ''کیا تمہیں ٹائپنگ، کمپیوٹر چلانا یا ٹرک ڈرائیونگ ___ کوئی کام آتا ہے؟''

بدقسمتی سے غریب آدمی کو ان میں سے کوئی کام نہیں آتا تھا۔

صاحب نے کہا: ''تمہیں کوئی کام تو آتا ہوگا!''

غریب آدمی نے جیب سے ٹیلیگرام نکال کر صاحب کو دیا اور بولا: ''صاحب! یہ کام آتا ہے!!''

ہندوستان کی ساری تخلیقیت زیادہ سے زیادہ بچوں کو دنیا میں لانے میں استعمال ہو

رہی ہے۔ ہندوستان کی غربت پر حیران ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں ہر روز ہزاروں بچے پیدا ہو رہے ہیں۔ ہندوستان میں آج سے صرف تیس سال پہلے دس نوزائیدہ بچوں میں سے نو مر جاتے تھے۔ اب دس میں سے صرف ایک مرتا ہے۔ ہندوستان میں طب کی ترقی اور جدید ادویات کی دستیابی سے موت کی شرح تو کم ہوگئی ہے لیکن پیدائش کی شرح کم نہیں ہوئی ہے۔

اب صرف دو ممکنات ہیں: یا تو پیدائش کی شرح کم کی جائے یا پھر موت کی شرح بڑھائی جائے۔ ممکنات صرف دو ہیں: یا تو لوگوں کو کسی نہ کسی صورت ہلاک کیا جائے...... اور بار بار یہی کچھ تو ہو رہا ہے ___ فطری آفات لوگوں کو مار دیتی ہیں، وبائیں پھیلتی ہیں اور لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں، جنگیں ہوتی ہیں اور لوگ مارے جاتے ہیں۔ تاہم جب تک پیدائش کی شرح کم نہیں ہوگی اس وقت تک ہندوستان کے لیے اچھے دن دیکھنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ دوسری طرف ہندوستانی لوگ بچے زیادہ ہونے کو اچھا سمجھتے تھے، اسے مردانگی کی علامت مانا جاتا ہے، اولاد کو بھگوان کی رحمت سمجھا جاتا ہے: جتنا زیادہ بچے ہوں گے، اتنا ہی بھگوان رحمت کرے گا۔

ان احمقانہ تصورات کو تبدیل کرنا ہوگا، لیکن انہیں تبدیل کرنا بہت مشکل ہے۔ چونکہ میں ان سارے تصورات کے خلاف ہوں اس لیے ہندوستانی عوام میرے خلاف ہیں۔ ان کے پنڈت انہیں یہی بتاتے ہیں کہ بچہ بھگوان کا تحفہ ہوتا ہے۔ ان کے پنڈت انہیں مزید بچوں کی دعائیں دیتے ہیں، مزید رحمتوں کی دعائیں دیتے ہیں۔ حقیقت میں ہر بچہ رحمت نہیں بلکہ ایک نئی لعنت لے کر آتا ہے۔

سیاست دان ڈرتے ہیں کہ اگر انہوں نے زبردستی ملک میں برتھ کنٹرول کروایا تو لوگ انہیں ووٹ نہیں دیں گے چنانچہ وہ ملک میں برتھ کنٹرول نہیں کرواتے۔ البتہ وہ کنوارے رہنے، شادی نہ کرنے کی حمایت میں تقریریں کرتے ہیں۔ یہ اس ملک کی روایت ہے۔ سیاست دان خود کنوارے نہیں رہتے لیکن وہ لوگوں کو کنوارا رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس ملک کا کلچر یہی ہے۔ صدیوں سے یہاں ایسا ہو رہا ہے، اور لوگ ان تصورات کو بے حد پسند کرتے ہیں، وہ صدیوں سے ان تصورات کو پسند کرتے آئے ہیں۔ لہٰذا سیاست دانوں کے کنوارا

رہنے کے وعظ انہیں برے نہیں لگتے۔ چنانچہ آبادی میں اضافے کا درست طریقہ کنوارا رہنا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کتنے لوگ ایسا کرتے ہیں؟ لوگ اس پر عمل کریں یا نہ کریں، وہ اس صدیوں پرانے تصور کی تعریفیں ضرور کرتے ہیں۔ اس سے ان کی انا کو تسکین ملتی ہے۔

کنوارا رہنے سے کام نہیں چلے گا۔ برتھ کنٹرول کا نفاذ ضرور کرنا ہوگا۔ اگر لوگ خوشی خوشی مان لیں تو اچھا ہے لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے اسے نہیں مانتے تو اس کو زبردستی نافذ کیا جانا چاہیے۔ لوگوں کو پورا ملک برباد کرنے نہیں دیا جا سکتا۔

اگر زبردستی برتھ کنٹرول کروایا جائے تو لوگ کہیں گے کہ تم جمہوری نہیں ہو۔

تم بہت سے کاموں کو زبردستی روک سکتے ہو۔ چوروں کو چوری کرنے کی اجازت نہیں ہے ___ کیا یہ غیر جمہوری عمل نہیں ہے؟ چوروں کو اجازت دی جانی چاہیے، آزادی دی جانی چاہیے۔ جمہوریت کا مطلب آزادی ہی تو ہے! قاتلوں کو قتل کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔ زیادہ بچوں کو جنم دینا چوری سے بڑا جرم ہے۔ حقیقت میں یہ تو قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔ صورتحال بدل چکی ہے۔ اب ایک غیر ضروری بچے کو دنیا میں لانا کسی شخص کو قتل کرنے سے بڑا جرم ہے۔ یہ جمہوریت کا مسئلہ نہیں ہے، یہ بقا کا مسئلہ ہے۔ جمہوریت اچھی ہے لیکن جمہوریت تبھی برقرار رہ سکتی ہے کہ جب ملک قائم رہے۔ ملک مر رہا ہے، قوم فاقوں سے دوچار ہے۔ جب تک برتھ کنٹرول کو مکمل طور پر نافذ نہ کیا جائے گا یہ ملک ترقی نہیں کرے گا۔

میرا رجحان، میری سوچ واضح ہے لیکن قوم کا پرانا ذہن سننے کو تیار ہی نہیں ہے۔

لوگ مجھ سے کہتے ہیں: ''آپ ہندوستان کی غربت ختم کرنے کے لیے کیا کر رہے ہیں؟ آپ ہسپتال کیوں نہیں کھولتے؟ آپ آشرم سے لوگوں کو مفت خوراک مہیا نہیں کرتے؟''

ایسا کم از کم دس ہزار سال سے کیا جا رہا ہے۔ دس ہزار سال سے آشرم مفت خوراک بانٹ رہے ہیں۔ اگر ایک اور آشرم مفت خوراک بانٹنے لگے تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟ ملک میں اتنے ہسپتال ہیں ___ ان سے تو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اگر چند مزید ہسپتال کھول دیئے جائیں تو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔

میری سوچ ایسی نہیں ہے۔ میں مسئلے کو جڑ ہی سے ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ میں چاہتے

جھاڑنے کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم لوگوں کو پنڈتوں نے بے حس بنا دیا ہے۔

کارل مارکس نے ایک بات بالکل صحیح کی تھی کہ دھرم کو افیم کی طرح استعمال کر کے لوگوں کو نشئی، اور ان کی ذہانت کو غیر فعال بنایا گیا ہے۔ حقیقی دھرم افیم نہیں ہے تاہم حقیقی دھرم شاذ ہوتا ہے۔ یہ اسی وقت موجود ہوتا ہے جب کوئی زندہ گرو موجود ہوتا ہے ــــ بصورتِ دیگر پنڈت یہ اداکاری کرتے رہتے ہیں کہ دھرم کی کنجی ان کے پاس ہے۔ ان کے پاس کوئی کنجی نہیں ہے، وہ صرف سیاست دانوں کی خدمات بجالا رہے ہیں۔

منظم دھرم اور ریاست کے مابین سازشی گٹھ جوڑ ہے۔ دونوں مل کر لوگوں پر غلبہ پاتے ہیں، دونوں لوگوں کو غلام بناتے ہیں۔ اگر لوگ غریب ہوں تو انہیں غلام بنانا آسان ہوتا ہے۔ اگر لوگ غریب ہوں تو انہیں عقیدے دینا، اوہام دینا آسان ہوتا ہے۔ اگر لوگ غریب ہوں تو وہ ہمیشہ نرک (Hell) سے خوفزدہ رہتے ہیں اور ہمیشہ سؤرگ (Heaven) کے لالچی رہتے ہیں۔ پنڈت ان پر غلبہ پا سکتے ہیں اور سیاست دان بھی اسی لیے ان پر غلبہ پا سکتے ہیں کہ وہ غریب ہوتے ہیں۔ غربت میں لوگ ذہانت کھو بیٹھتے ہیں۔ ذہانت کو ایک خاص نشوونما کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایک معروف سائنسی حقیقت ہے کہ اگر کچھ خاص وٹامنز تمہاری خوراک میں شامل نہ ہوں تو تم ذہانت کے حامل نہیں ہو گے۔

اور میں حقیقتاً پریشان ہوں کیونکہ یہ وٹامنز ہندوستانی پکوانوں میں موجود نہیں ہوتے۔ ہندوستانی پکوان انتہائی ناقص ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہندوستانیوں میں ذہانت بھی بہت کم ہے۔ حد تو یہ ہے کہ نام نہاد ہندوستانی ذہانت بھی ذہانت نہیں لگتی ہے۔ اس ملک کی کایا کلپ کے لیے، اس کی غربت کو ختم کرنے کے لیے ذہانت کی بہت ضرورت ہے۔

یہاں میں یہی کام کر رہا ہوں۔ میں مراقبے کے ذریعے زیادہ ذہانت تخلیق کر رہا ہوں۔ میں لوگوں کے اوہام کو، عقیدوں کو، تباہ کر کے زیادہ ذہانت تخلیق کر رہا ہوں۔ میں یہ کام زیادہ چوکس لوگ تخلیق کرنے کے لیے کر رہا ہوں تاکہ وہ اس ملک اور اس دنیا کی حقیقی صورتحال میں زیادہ بہتر انداز میں جی سکیں۔

صرف اسی طرح ہم اس مسئلے کو جڑ سے ختم کر سکتے ہیں۔



میں یہاں کیوں ہوں؟

یہ نہایت فلسفیانہ سوال ہے۔

دو موٹے تازے فٹبالر امریکی فلسفہ بڑھتے تھے۔ امتحان میں سوال صرف ایک لفظ پر مشتمل تھا: "کیوں؟"

باقی سارے طلباء تو دیوانوں کی طرح لکھنے میں جُت گئے اور جوابی کاپی کی شیٹوں پر شیٹیں بھرنے لگے۔ اُدھر دونوں فٹبالروں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کندھے اچکا دیئے۔ پھر ایک فٹبالر نے اپنی جواب کاپی میں صرف دو لفظ لکھے: "کیوں نہیں؟" اور کمرۂ امتحان سے نکل گیا۔ دوسرے فٹبالر نے اپنی جواب کاپی میں صرف ایک لفظ لکھا: "کیونکہ۔" اور اپنے ساتھی کے پیچھے پیچھے کمرۂ امتحان سے نکل گیا۔

جب طلبا کی جوابی کاپیاں پروفیسر کے پاس پہنچیں تو وہ فٹبالروں کی جوابی کاپیاں دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ آخر اس نے پہلے فٹبالر کو گریڈ اے دیا جبکہ دوسرے فٹبالر کو گریڈ اے منفی دیا۔

یہ حقیقتاً ایک فلسفیانہ سوال ہے: "میں یہاں کیوں ہوں؟ میں نہیں جانتا ــــ کیوں نہیں؟ یا ــــ کیونکہ۔

میں نہیں جانتا کہ تم۔ یہاں کیوں ہو۔ کیوں نہیں؟ کیونکہ!



میرے تضادات

میرا ایک دوست معمے حل کرنے کا بہت شوقین ہے۔ ایک روز اس کے بچوں نے اس کے ''ماڈرن مزو پزل'' اور ''انقلابی جنگ پزل'' کو آپس میں گڈمڈ کر دیا۔

اگلے دن میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے ان سب گڈمڈ ٹکڑوں کو درست طریقے سے جوڑ لیا تھا؟ اس نے کہا: ''ہاں یار! میں نے دونوں پزل ٹھیک سے جوڑ لیے تھے۔ تاہم مجھے آج تک اندازہ نہیں تھا کہ جارج واشنگٹن کی ٹانگیں اتنی سیکسی ہیں!''

زندگی ایک بہت پیچیدہ معمہ ہے۔ تم اس کو جس طرح چاہو ترتیب دے لو، بنتا کچھ نہیں۔ تم حقیقت میں کوئی صورت گری نہیں کر سکتے ہو۔ میری تمہیں ہدایت ہے کہ جو ہے اُس کی صورت گری کا خیال ذہن سے نکال دو۔ اس کی بجائے اسے جیو، اس سے لطف اٹھاؤ! اس کا تجزیہ مت کرو، اس کا جشن مناؤ۔

جہاں تک میری گفتگو کا تعلق ہے تو تمہیں میرے تضادات کو برداشت کرنا ہوگا۔ یہ صرف تضادات دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تو بھیدوں کو بیان کر رہا ہوں ــــ اور بھیدوں کا غیر منطقی ہونا لازم ہے۔



تانترا: میں جنسیت کا درس نہیں دیتا!

تم نے پوچھا ہے: ''کیا میں درست سمجھی ہوں کہ آپ کا کہنا یہ ہے کہ کوئی شخص اور اس کی محبوبہ اپنی جنسی توانائی کو روحانیت میں ڈھال سکتے ہیں لیکن یہ تعلق بہرحال اطمینان بخش نہیں ہوتا؟''

ہاں! یہ اطمینان بخش نہیں ہوتا۔

درحقیقت یہ تم میں بے پناہ بے اطمینانی پیدا کرتا ہے ــــ ایسی کہ تم نے کبھی محسوس نہ کی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے تمہیں یہ پتا چل جاتا ہے کہ کتنا کچھ ممکن ہے۔ اس سے تمہیں جنسی ملاپ کے تحیرانگیز لمحے سے آگاہی مل جاتی ہے، روحانی تقلیب کے لمحے کی آگاہی مل جاتی ہے۔ تاہم یہ کیفیت محض لمحہ بھر ہی کو رہتی ہے۔

خارج سے کچھ بھی مستقل نہیں ہو سکتا ہے ــــ اور جب لمحہ گزر جاتا ہے تو جہاں چوٹی بلند ترین ہوتی ہے، وہیں وادی پست ترین ہوتی ہے۔

اور تم نیچے تاریکی میں گر پڑتے ہوں، غرق ہو جاتے ہو۔

تاہم اس سے تمہیں ایک بات کا پتا چل جاتا ہے کہ اگر مردانہ اور نسائی توانائی کا دائمی ملاپ ہو تو اس سے ابدی اطمینان جنم لے سکتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اسے کیسے پایا جائے؟ تانترا کی پوری سائنس اسی سے جنمی ہے۔ اسے کیسے پایا جائے؟ ایسا ہو سکتا ہے لیکن ایسا خارجی محبوبہ کے ساتھ ممکن نہیں ہے، اور خارجی محبوبہ کے بغیر بھی ممکن نہیں۔

جی ہاں! کیونکہ پہلی جھلک خارجی محبوبہ کے وسیلے ہی سے ملتی ہے۔ وہ صرف ایک جھلک ہوتی ہے، تاہم اس کے ساتھ ایک نئی بصیرت حاصل ہوتی ہے، تم میں اندر گہرائی میں کہیں، جہاں دونوں توانائیاں موجود ہوتی ہیں ___ مردانہ اور نسائی توانائیاں۔

انسان ذُوجنسی ہوتا ہے ___ ہر مرد، ہر عورت۔ تمہارا نصف مرد ہے اور تمہارا نصف عورت ہے۔ اگر تم عورت ہو تو پھر عورت والا حصہ اوپر ہوتا ہے اور مردانہ حصہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر تم مرد ہو تو مرد والا حصہ اوپر ہوتا ہے اور نسائی حصہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔

جب تم اس بات سے آگاہ ہو جاتے ہو تو پھر ایک نیا کام شروع ہوتا ہے۔ تمہارا اندرونی مرد اور تمہاری اندرونی عورت آپس میں ملاپ کر سکتے ہیں اور وہ ملاپ مطلق ہوتا ہے۔ اس چوٹی سے اترنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ تاہم پہلی جھلک خارج سے ملتی ہے۔

اسی لیے تانترا داخلی کام کے جزو کے طور پر خارجی مرد اور خارجی عورت کو استعمال کرتا ہے۔ جب ایک بار تم آگاہ ہو جاتے ہو کہ تم اپنے اندر ایک عورت یا ایک مرد کے حامل ہو تو پھر کام ایک بالکل نئی کیفیت پا لیتا ہے، وہ ایک نئی جہت پا لیتا ہے۔ اب ملاپ اندر ہونا ہو گا، تمہیں اپنے اندر کے مرد اور عورت کو ملاپ کرنے دینا ہو گا۔

ہندوستان میں یہ تصور کم از کم پانچ ہزار سال سے ہمارے پاس ہے۔ خارج سے ملاپ صرف لمحہ بھر کا ہو گا۔ تب تمہیں بے پناہ اضطراب اور بے پناہ اذیت سہنا ہو گی۔ لمحہ جتنا بلند ہو گا، اس کے بعد تاریکی اتنی ہی گہری ہو گی۔

تاہم ملاپ داخلی بھی ہو سکتا ہے۔

پہلی بات تو یہ جان لو کہ چوٹی تک رسائی ممکن ہے۔ مرد عورت کا احسان مند ہو کہ وہ مرد کو چوٹی تک رسائی دیتی ہے اور عورت مرد کی احسان مند ہو کر وہ عورت کو چوٹی تک رسائی دیتا ہے۔ تانترا عورت کی دیوی کی حیثیت سے پوجا کرتا ہے اور مرد کی دیوتا کی حیثیت سے۔ جو عورت تمہیں اس بصیرت کو حاصل کرنے میں مدد دیتا ہے، دیوتا ہوتا ہے۔ محبت مقدس بن جاتی کیونکہ یہ تمہیں الوہیت کی پہلی جھلک عطا کرتی ہے۔ پھر داخلی کام شروع ہوتا ہے۔ اب تمہیں داخل میں کام کرنا ہے۔

تانترا دو قسموں کا حامل ہے: خارجی تانترا، اور داخلی تانترا۔ آغاز ہمیشہ خارج سے

کرنا ہوتا ہے، ایسا اس لیے کہ ہم خارج ہی میں تو ہیں۔ پس ہمیں اسی جگہ سے آغاز کرنا ہے کہ جہاں ہم ہیں اور پھر اندر کی طرف جانا ہے۔ جب اندرونی مرد اور عورت مل جاتے ہیں اور تحلیل ہو جاتے ہیں، اور جب تم اندر مزید منقسم نہیں رہتے ہو، تم ایک ہو جاتے ہو، تب تم پا چکے ہوتے ہو۔ یہی گیان ہے۔

تاہم اس وقت صورتحال الٹ ہے۔ تم داخل کو مکمل طور پر فراموش کر چکے ہو، خارج تمہاری زندگی بن چکا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص سر کے بل کھڑا ہو اور یہ مکمل طور پر بھلا چکا ہو کہ اسے دوبارہ اپنے پیروں پر کس طرح کھڑا ہونا ہے۔

سر کے بل کھڑے ہوئے تمہاری زندگی حقیقتاً مشکل ہو گی۔ اگر تم کہیں جانا چاہو گے، اگر تم کچھ کرنا چاہو گے تو ہر کام مشکل ہو جائے گا، تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔

اور یہی کچھ ہو رہا ہے۔ لوگ الٹے ہیں کیونکہ خارج داخل سے زیادہ اہم بن چکا ہے۔ خارج سب سے زیادہ اہم بن چکا ہے، جبکہ داخل کو مکمل طور پر بھلا دیا گیا ہے، نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

حقیقی خزانہ تو داخل میں ہے۔ خارج سے تو تم داخلی خزانے کے صرف اشارے پا سکتے ہو، صرف تمہاری داخلی ہستی کی طرف اشارہ کرنے والے تیروں ہی کو دیکھ سکتے ہو، خارج میں تو صرف سنگِ میل ہوتے ہیں۔ سنگِ میل سے مت چمٹو۔ مت سمجھو کہ یہ منزل ہے اور تم پہنچ چکے ہو۔

یاد رکھو! عام آدمی نہایت ایبنارمل زندگی گزار رہا ہے کیونکہ اس کی اقدار الٹی ہیں۔ روپیہ مراقبے سے زیادہ اہم ہے۔ منطق محبت سے زیادہ اہم ہے۔ ذہن دل سے زیادہ اہم ہے۔ دوسروں پر غلبہ و تسلط اور اقتدار و اختیار پانا دوسروں کی ہستی پر اختیار پانے سے زیادہ اہم ہے۔ موت جن خزانوں کو برباد نہیں کر سکتی انہیں پانے کی بجائے دنیاوی اشیا اہم بن چکی ہیں۔

ہر شے الٹ ہو چکی ہے۔ اسی لیے اتنی مصیبتیں ہیں، اتنے عذاب ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ہر شخص سایوں کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ سب اس بات سے پوری طرح واقف ہیں کہ کچھ نہیں ہونے والا، کبھی کچھ نہیں ہو گا، تاہم کرنے کو ہے ہی کیا؟ جب ہر شخص بھاگے چلا جا رہا

ہوتو سڑک کے کنارے کھڑا رہنا احمقانہ سا دکھائی دیتا ہے نا! پس بہتر یہی ہے کہ ہجوم کے ساتھ بھاگنا شروع کر دیا جائے۔

اس بات کو اپنے من میں گہرا بسا لو کہ جب تک تم خارج کے مقابلے میں داخل کو اہمیت نہیں دو گے، تم ایک بہت ابنارمل زندگی جی رہے ہو گے۔ نارمل شخص وہ ہوتا ہے کہ جس کے ہر عمل کا سرچشمہ اس کا داخل ہوتا ہے۔ خارج تو محض ایک وسیلہ ہے، جبکہ داخل مقصود و منتہا ہے۔

محبت جو تم کسی مرد یا عورت سے کرتے ہو، منزل تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔ مقصد ایک ایسی محبت ہے جو تمہاری داخلی عورت یا داخلی مرد کرے۔ خارج کو محض ایک سیکھنے کی صورتحال سمجھنا ہو گا۔ یہ ایک عظیم موقع ہے۔

میں خارجی معاملۂ محبت کے خلاف نہیں ہوں، میں تو سراسر اس کا حامی ہوں کیونکہ اس کے بغیر تم داخل سے آگاہ نہیں ہو پاؤ گے۔ تاہم یاد رکھنا خارج ہی میں نہ پھنس جانا!!



محبت سرحد ہوتی ہے

محبت سکون بخش بھی ہوتی ہے، اور اذیت دِہ بھی۔ یہ کرب بھی ہے اور مسرت بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت زمین اور آسمان کا ملاپ ہے، محبت جانے اور انجانے کا ملاپ ہے، محبت دکھائی دینے والے اور نہ دکھائی دینے والے کا ملاپ ہے۔

محبت سرحد ہے، جو مادے اور شعور کو الگ الگ کرتی ہے، پست تر اور بلند تر کی سرحد ہے محبت۔ محبت کی جڑیں زمین میں ہوتی ہیں، یہ اس کی اذیت ہے، اس کا کرب ہے۔ محبت کی شاخیں آسمان میں ہوتی ہیں، یہ اس کی مسرت و شادمانی ہے۔

محبت واحد مظہر نہیں ہے، یہ دہری ہے۔ یہ دو قطبین کے بیچ کھنچی ہوئی رسی ہے۔ تمہیں دونوں قطبین کو سمجھنا جاننا ہوتا ہے: ایک ہے جنس، اور دوسری ہے پوجا۔ محبت جنس اور پوجا کے بیچ کھنچی رسی ہے۔ اس کا ایک حصہ جنس ہے، اور ایک حصہ پوجا ہے۔

جنسی حصہ بہت سی اذیتیں، بہت سے دکھ ہمراہ لاتا ہے۔ وہ حصہ جو پوجا سے جڑا ہوا ہے، بہت سی مسرتیں ہمراہ لاتا ہے۔ اسی لیے تو محبت کو ترک کرنا دشوار ہے کیونکہ اسے ترک کرتے ہوئے انسان کو ڈر رہتا ہے کہ آنے والی مسرت بھی کھو جائے گی۔ انسان کا ملاً اس میں ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ ساری اذیتیں، سارے دکھ بار بار کہتے ہیں کہ اسے ترک کر دو۔

یہ ہے محبت کرنے کی ابتلا۔ محبت کرنے والا ایک کشیدگی میں، ایک تناؤ میں رہتا ہے، دونوں طرف کھنچا ہوا۔

میں تمہارے مسئلے کو سمجھ سکتا ہوں۔ یہ سارے محبت کرنے والوں کا مسئلہ ہے۔ اس

کی وجہ یہ ہے کہ محبت دونوں ہی کو ہمراہ لاتی ہے ــــ بہت سے کانٹے اور بہت سے پھول، اور دونوں ساتھ آتے ہیں۔ محبت گلاب کا پودا ہے۔ انسان کانٹوں کا خواہاں نہیں ہوتا۔ انسان چاہتا ہے کہ گلاب کے پودے پر پھول ہی پھول ہوں، کانٹا کوئی نہ ہو، لیکن دونوں ساتھ آتے ہیں، وہ ایک توانائی کے دو رُخ ہیں۔

میں تمہیں محبت ترک کرنے کا نہیں کہتا۔ میں یہ نہیں کہتا ہے کہ سب تیاگ دو، الگ تھلگ ہو جاؤ۔ میں کہہ یہ رہا ہوں کہ اسے زیادہ سے زیادہ پوجا بناؤ۔ میرا فلسفہ کایا کلپ ہے، ترک و تیاگ نہیں۔ میں جنس کے خلاف نہیں ہوں، تمہیں مجھے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ میں تو جنس کو پوجا بنانے کے حق میں ہوں۔ کمتر سطح سے اعلیٰ تر سطح پر پہنچا جا سکتا ہے، یوں درد و اذیت غائب ہو جائیں گے۔

آخر جنس میں اذیت کیوں ہے؟

اس لیے کہ وہ تمہیں تمہاری حیوانیت یاد دلا دیتی ہے ــــ یہ ہے اذیت۔ وہ تمہیں ماضی یاد دلا دیتی ہے۔ وہ تمہیں تمہاری حیاتیاتی مجبوری یاد دلا دیتی ہے۔ وہ تمہیں یاد دلا دیتی ہے کہ تم آزاد نہیں ہو، تم فطرت کی بخشی ہوئی جبلتوں کے غلام ہو، تم انجانی لاشعوری قوتوں کے ہاتھوں میں محض ایک کٹھ پتلی ہو۔

جنس ایک بے عزتی سی محسوس ہوتی ہے۔ جنس میں تم محسوس کرنے لگتے ہو کہ تم اپنا وقار کھو رہے ــــ اسی لیے جنم لیتی ہے اذیت۔

پھر آسودگی بہت مختصر ہوتی ہے، لمحاتی ہوتی ہے۔ جلد یا بدیر ذہن اس بات سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ آسودگی لمحاتی ہے اور اس کے بعد اذیت کی طویل راتیں ہیں۔

مسرت محض ہوا کے جھونکے کی طرح ہوتی ہے۔ ہوا کا جھونکا آتا ہے اور چلا جاتا ہے اور تمہیں صحرا جیسی حالت میں چھوڑ جاتا ہے، انتہائی مضطرب اور مایوس۔ تم نے بہت امیدیں کی تھیں، تمہارے جبلی حصے نے تم سے بہت سی چیزوں کے وعدے کیے تھے ــــ اور ملا کچھ بھی نہیں۔

درحقیقت جنس فطرت کی اپنے آپ کو دوام دینے کی ایک حکمتِ عملی ہے۔ یہ ایک میکانزم ہے جس کے تحت تم تولید و تناسل سے گزرتے ہو ورنہ انسان معدوم ہو جائے۔ ذرا

تصور تو کرو ایسی نوع انسان کا، جس کو آزادی ہو کہ وہ جنسی عمل کرے یا نہ کرے۔ تب تمہیں ساری صورتحال لایعنی دکھائی دے گی، تمہیں سارا معاملہ انتہائی مضحکہ خیز دکھائی دے گا۔ ذرا سوچو تو سہی ــــ اگر تمہیں جبلی قوت مجبور نہ کر رہی ہو تو میرا خیال ہے کوئی شخص بھی جنسی عمل کرنے کو آمادہ نہیں ہوگا۔ کوئی شخص مرضی سے جنسی عمل نہیں کرے گا۔ اگر کرے گا تو رکتے ہوئے، جھجکتے ہوئے۔

اگر تم حشرات اور جانوروں کی مختلف انواع کے جنسی رویوں کا مطالعہ کرو تو تم بہت حیران ہو گے۔ سوال ہے کہ اگر انواع پر ہی چھوڑ دیا جائے تو جنسی عمل کیسے ہو گا؟ اس کی وضاحت کے لیے ایک مثال دیکھو۔ مکڑی کی ایک نوع ایسی ہے کہ جب مکڑا مکڑی سے جنسی ملاپ کرتا ہے تو اس دوران مکڑی اسے کھانا شروع کر دیتی ہے، اِدھر جنسی ملاپ تکمیل کو پہنچتا ہے، اُدھر مکڑا انجام کو پہنچ جاتا ہے! اب سوچو، اگر ان مکڑوں کو انتخاب کا حق ہو تو وہ مکڑی کو دیکھتے ہی جتنی دور ممکن ہو گا، بھاگ جائیں گے۔ وہ اپنے انجام سے بخوبی واقفیت رکھتے ہوئے خودکشی کیوں کریں؟ وہ اسی طرح دوسرے مکڑوں کو موت سے دوچار ہوتے جو دیکھ چکے ہوں گے۔ ہر روز ایسا ہوتا ہے کیونکہ وہ جبلت کے غلام ہیں۔ وہ لرزتے کانپتے، ڈرتے ڈرتے جنسی ملاپ کرتے ہیں، پوری طرح یہ جانتے ہوئے کہ یہ اختتام ہے۔ جونہی مکڑا ملاپ شروع کرتا ہے، مکڑی اسے کھانا شروع کر دیتی ہے۔ وہ جبلتوں کے غلام ہیں!

اگر جنسی عمل تم پر چھوڑ دیا جائے تو میرا خیال ہے کہ لوگ اس سے گریز کریں گے۔ لوگ دوسروں سے جنسی عمل کرتے ہیں تو اس کی وجوہات ہیں۔ یہ مضحکہ خیز لگتا ہے۔ انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ انسانیت کے درجے سے گر گیا ہے۔ یہ احساس بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔

تاہم یہ عمل مطلق خالص پن اور مسرت اور معصومیت کے بھی چند لمحے لاتا ہے۔ یہ لاوقتی کے بھی چند لمحے لاتا ہے ــــ جب دفعتاً وقت نہیں رہتا ہے۔ یہ لاانائی کے بھی چند لمحے لاتا ہے۔ ملاپ کے گہرے مرحلے میں انا فراموش ہو جاتی ہے۔ یہ عمل تمہیں بھگوان کی بھی چند جھلکیاں دیتا ہے۔ لہٰذا تم اسے ترک بھی نہیں کر سکتے۔

لوگوں نے جنس کو ترک کرنے کی کوششیں بھی کی ہیں۔ بھکشو صدیوں سے اسے ترک کیے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ انسانی وقار کے خلاف ہے، یہ نہایت تذلیل آفریں ہے۔

ایک جبلت کے زیرِ اثر ہونا انسانی شرف کے خلاف ہے۔ بھکشو اسے ترک کر چکے ہیں، انہوں نے دنیا کو چھوڑ دیا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ ہی ان کی زندگی میں سے ساری خوشیاں بھی غائب ہو چکی ہیں۔ وہ بے حد سنجیدہ اور اداس ہو چکے ہیں۔ وہ خودکش ہو چکے ہیں۔ انہیں زندگی میں کوئی معنی ہی نظر نہیں آتے، ان کی زندگی بے معنی ہو چکی ہے۔ وہ صرف موت کی آمد کے منتظر ہیں۔

یہ ایک نازک مسئلہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسے کیسے حل کیا جائے؟

بھکشو تو اسے حل کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ اس کے برعکس انہوں نے دنیا میں بہت سی کجرویاں پیدا کر دی ہیں۔ وہ تمام کجرویاں، جن کی مذمت تمہارے نام نہاد پنڈت کرتے ہیں، انہی کی پیدا کردہ ہیں۔ ہم جنس پرستی کا پہلا تصور مندروں میں پیدا ہوا تھا۔ کیونکہ وہاں مردوں کو اکٹھے رکھا جاتا تھا، عورتوں سے دور اور الگ۔ جبکہ عورتوں کو اکٹھے رکھا جاتا تھا، مردوں سے دور اور الگ۔

کیتھولک خانقاہوں میں ایک ہزار سال سے کوئی عورت داخل نہیں ہوئی۔ چھ ماہ کی بچی کو بھی داخلے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ تصور ہی کتنا ہولناک ہے! یہ پادری کتنے خطرناک ہیں! حد تو یہ ہے کہ چھ ماہ کی بچی بھی خانقاہ میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ کیسا خوف ہے یہ؟

فطری بات ہے کہ اکٹھے رہنے والے پادری، پنڈتوں کی جبلتیں نئی راہیں ڈھونڈنے لگتی ہیں، کجرویاں ایجاد کرنے لگتی ہیں، وہ ہم جنس پرست بن جاتے ہیں۔

پس پادری اور ننیں مسئلے کو حل نہیں کر سکتے۔ انہوں نے تو معاملے کو زیادہ الجھا دیا ہے۔ جبکہ دنیادار شخص، شہوت کا حامل شخص بھی اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتا۔ وہ تو مصیبت میں ہے، اس کی ساری زندگی مصیبت بن چکی ہے۔ وہ امیدیں باندھتا رہتا ہے، اور کوئی امید پوری نہیں ہوتی، اور دھیرے دھیرے ایک زبردست ناامیدی اس کے وجود میں جگہ بنا لیتی ہے۔

میرا فلسفہ نہ دنیادار ہے نہ اس کے برعکس۔

میرا فلسفہ اسے رد کرنے کا نہیں، اسے استعمال کرنے کا ہے۔

میرا فلسفہ یہ ہے کہ تمہیں جو کچھ بھی عطا کیا گیا ہے، بہت قیمتی ہے۔ ہو سکتا ہے تمہیں اس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہ ہو، تاہم یہ ہے بہت قیمتی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہستی اسے تمہیں عطا نہ کرتی۔ پس تمہیں اس کی کایا کلپ کرنے کے راستے ڈھونڈنا ہیں۔ تمہیں اپنی محبت کو زیادہ پوجا بنانا ہے۔ تمہیں اپنی جنس کو زیادہ محبت بھری بنانا ہے۔ دھیرے دھیرے جنس کو ایک پوتر عمل میں ڈھالنا ہے، اس کو رفعت دینی ہے۔ بجائے اس کے کہ جنس تمہیں حیوانیت میں لے جائے، پست کر دے، تم اس کو اوپر لے جا سکتے ہو۔ جو توانائی تمہیں پست کرتی ہے، وہی توانائی تمہیں بلندی عطا کر سکتی ہے، وہی توانائی تمہیں پَر عطا کر سکتی ہے۔ وہ بے پناہ قوت کی حامل ہوتی ہے۔ بلاشبہ وہ دنیا کی سب سے طاقتور شے ہے، کیونکہ ساری زندگی اسی سے تو وجود پذیر ہوتی ہے۔ اگر وہ ایک بچے کو جنم دے سکتی ہے، ایک نئی زندگی کو جنم دے سکتی ہے، اگر وہ ایک نئی زندگی کو وجود میں لا سکتی ہے تو تم اس کی پوشیدہ قوت کا اندازہ کر سکتے ہو۔ وہ تم میں بھی ایک نئی زندگی لا سکتی ہے۔ جس طرح وہ ایک نئے بچے کو دنیا میں لا سکتی ہے اسی طرح وہ تمہیں بھی ایک نیا جنم دے سکتی ہے۔

اور یسوع نے نکوڈیمس سے یہی تو کہا تھا: ''جب تک تم دوبارہ جنم نہیں لیتے، تب تک تم خداوند کی سلطنت میں داخل نہیں ہو سکو گے'' ___ جب تک تم دوبارہ جنم نہیں لیتے، جب تک تم اپنے آپ کو نیا جنم دینے کے اہل نہیں ہوتے ___ ایک نئی بصیرت، اپنی توانائیوں کو ایک نئی کیفیت نہیں دیتے، اپنے ساز کا آہنگ درست نہیں کرتے۔ تمہارے ساز میں عظیم دھنیں چھپی ہیں، لیکن تمہیں اس کو بجانا سیکھنا ہے۔

جنس کو ایک عظیم مراقباتی فن بننا ہوگا۔ یہ دنیا کو تانترا کی عطا ہے۔ تانترا کی عطا عظیم ترین عطا ہے کیونکہ یہ تمہیں پست ترین کو بلند ترین میں تبدیل کرنے کی کنجیاں دیتی ہے۔ یہ تمہیں کیچڑ کو کنول کے پھولوں میں ڈھالنے کی کنجیاں عطا کرتی ہے۔ یہ اب تک سامنے آنے والی عظیم ترین سائنس ہے۔ تاہم اخلاق پسندوں اور قدامت پرستوں اور تمہارے نام نہاد مذہبی لوگوں نے تانترا کو لوگوں کے کام نہیں آنے دیا۔ اس کی کتابوں کو جلا دیا گیا، ہزاروں تانترا گروؤں کو قتل کر دیا گیا، زندہ جلا دیا گیا۔ تقریباً پوری روایت کو تباہ کر دیا گیا، لوگوں کو زیرِ زمین جانے پر مجبور کر دیا گیا۔

ابھی کل ہی مجھے امریکہ سے میرے سنیاسیوں کا خط ملا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ امریکہ میں گرجیف کے ماننے والوں پر سختی کی جا رہی ہے اور وہ زیر زمین جانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے: ''ہمیں ڈر ہے کہ جلد یا بدیر ہمارے ساتھ بھی ایسا ہوگا۔ کیا ہم تیاریاں شروع کر دیں تاکہ ایسا ہو تو ہم خفیہ رہ کر اپنا کام جاری رکھیں؟''

ایسا ممکن ہے کیونکہ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے۔ گرجیف کا کام بھی جنسی توانائی کو داخلی قوت میں بدلنے کا ہے۔ منظم چرچ ہمیشہ اس طرح کی کوششوں کا مخالف رہا ہے۔

میرے کام میں ہر طرح سے رکاوٹیں ڈالی گئی ہیں، میرے لوگوں کو ہر طرح سے ہراساں کیا گیا ہے۔ ابھی چند ہی دن پہلے ہندوستانی پارلیمنٹ میں اس موضوع پر ایک گھنٹہ بحث ہوئی کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے۔ جیسے بحث کرنے کو اس ملک میں اور کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اس قدر خوف! جبکہ میں کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا، میں تو دروازے سے باہر بھی نہیں جاتا۔ اتنی آزادی تو ہر کسی کا پیدائشی حق ہے۔ اگر کوئی شخص مجھ سے ملنا اور اپنی کایا کلپ کرانا چاہتا ہے تو کسی کو ضرورت نہیں کہ اس کام میں دخل دے۔ میں تو کسی کے پاس نہیں جاتا۔ لوگ خود میرے پاس آتے ہیں اور کایا کلپ کی خواہش ظاہر کرتے ہیں ___ یہ کیسی جمہوریت ہے؟

تاہم احمق سیاست دانوں اور پنڈتوں کا ہمیشہ سازشی گٹھ جوڑ رہا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ لوگوں کی کایا کلپ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تبدیل ہونے والے لوگ ان کے غلبے تلے نہیں رہیں گے۔ تبدیل ہونے والے لوگ ان کے غلبے تلے نہیں رہیں گے۔ تبدیل ہونے والے لوگ آزاد ہوں گے۔ تبدیل ہونے والے لوگ اتنے آگاہ اور اتنے ذہین ہوں گے کہ سیاست دانوں اور پنڈتوں کی تمام چالوں کو سمجھ جائیں گے۔ تب وہ کسی کے بھی پیروکار نہیں رہیں گے، تب وہ ایک بالکل نئی قسم کی زندگی جئیں گے ___ ہجوم کی نہیں بلکہ فرد کی زندگی۔ وہ شیر بن جائیں گے، وہ بھیڑ نہیں رہیں۔

اور سیاست دان اور پنڈت چاہتے ہیں کہ ہر انسان بھیڑ ہی بنا رہے۔ صرف تبھی وہ گڈریے بن سکتے ہیں، عظیم لیڈر بن سکتے ہیں۔ میڈیا کر اور احمق لوگ عظیم لیڈر ہونے کی اداکاری کر رہے ہیں۔ ایسا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ساری نوع انسان ذہانت میں

پست رہے، اسے دبا کر رکھا جائے۔

اب تک صرف دو تجربات کیے گئے ہیں۔ ایک ہے جنسی عمل کو کھلم کھلا کرنا۔ یہ تجربہ ناکام ہو چکا ہے۔ مغرب میں اسی تجربے کو آزمایا جا رہا ہے اور یہ ناکامی سے دوچار ہو رہا ہے، مکمل ناکامی سے۔ دوسرا تجربہ تھا ترک کا___ اسے مشرق میں آزمایا گیا تھا، اور مغرب میں بھی عیسائیت نے اسے آزمایا تھا۔ تاہم یہ بھی ناکام ہو گیا، مکمل طور پر ناکام۔

ایک نئے تجربے کی ضرورت ہے، فوری ضرورت ہے۔ انسان سخت مشکل میں ہے، سخت الجھن میں ہے۔ کیا کیا جائے؟ انسان اپنے لیے کیا کرے؟

میں یہ نہیں کہتا کہ جنس کو ترک کر دو، میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس کی کایا کلپ کرو۔ اسے صرف حیاتیاتی سطح تک محدود نہ رکھو، اس میں کچھ روحانیت شامل کرو۔ محبت کرتے ہوئے مراقبہ بھی کرو۔ محبت کرتے ہوئے پوجا بھی کرو۔ محبت کو صرف ایک جسمانی عمل نہیں ہونا چاہیے، اس میں اپنی روح بھی سمو دو۔

تب دھیرے دھیرے کرب ختم ہو جائے گا اور اس کرب میں چھپی توانائی آزاد ہو جائے گی اور عظیم رحمت بن جائے گی۔ تب اذیت مسرت میں ڈھل جائے گی۔

تم کہتی ہو: ''مجھے محبت ہو گئی اور میں نے محبت میں بہت دکھ سہے۔''

تم پر رحمت ہوئی۔ حقیقتاً بے چارے لوگ وہ ہوتے ہیں جو کبھی محبت نہیں کرتے اور جو کبھی دکھ نہیں سہتے۔ وہ لوگ زندہ ہی نہیں ہیں۔ محبت کرنا اور محبت میں دکھ سہنا اچھا ہوتا ہے۔ یہ آگ سے گزرنے کے مترادف ہے۔ یہ خالص بناتا ہے، یہ تمہیں بصیرت عطا کرتا ہے، یہ تمہیں زیادہ چوکس بناتا ہے۔ یہ ایسا چیلنج ہے جسے قبول کر لینا چاہیے۔ جو لوگ اس چیلنج کو قبول نہیں کرتے وہ کیچوے ہی رہتے ہیں، حقیر کیڑے۔

میں تمہیں محبت ترک کرنے کا نہیں کہتا۔ میں تو صرف ایک حقیقت بتا رہا ہوں کہ یہ تمہیں حتمی اطمینان عطا نہیں کرے گی۔ اشیا کی فطرت کو تبدیل کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ میں تو بس ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ اگر یہ میرے بس میں ہوتا تو میں چاہتا کہ تم محبت میں حتمی اطمینان پا لو۔ تاہم ایسا نہیں ہے۔ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں؟ دو اور دو چار ہی ہوتے ہیں۔

یہ زندگی کی ایک بنیادی حقیقت ہے کہ محبت تمہیں گہری بے اطمینانی دیتی ہے۔

محبت بالآخر تمہیں اتنی بے اطمینانی دیتی ہے کہ تم حتمی محبوب ــ بھگوان ــ کی شدید آرزو کرنے لگتے ہو۔ تم حتمی معاملۂ محبت کی جستجو کرنے لگتے ہو۔

سنیاس حتمی معاملۂ محبت ہے، بھگوان کی تلاش، سچ کی تلاش۔

ایسا صرف اسی وقت ممکن ہے کہ جب تم نے بار بار محبت کی ہو، اور بار بار دکھ سہے ہوں۔ تمہیں زیادہ شعور ملا ہو، زیادہ آگہی حاصل ہوئی ہو۔ ایک روز پتا چلتا ہے کہ محبت تمہیں صرف چند جھلکیاں ہی عطا کرسکتی ہے ــ وہ جھلکیاں اچھی ہوتی ہیں، اور وہ جھلکیاں بھگوان کی جھلکیاں ہوتی ہیں ــ تاہم محبت تمہیں صرف جھلکیاں ہی دے سکتی ہے۔ اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔ ان جھلکیوں کے بغیر تم بھگوان کو تلاش نہیں کرو گے۔

جو لوگ محبت نہیں کرتے اور دکھ نہیں سہتے وہ کبھی بھگوان کے متلاشی نہیں بن سکتے۔ یہ صرف محبت کرنے والے کا واحد حق ہے کہ ایک روز وہ حتمی محبوب کی جستجو شروع کرے۔

محبت کرو، اور گہری محبت کرو۔ دکھ سہو اور زیادہ گہرا دکھ سہو۔ کاملاً محبت کرو اور کاملاً دکھ سہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی طرح ناخالص سونا آگ سے گزر کر خالص بنتا ہے۔



تقابل اور حسد

حسد تقابل و موازنہ ہے۔

اور ہمیں تقابل کی تعلیم دی گئی ہے، ہمیں تقابل کرنے کی تربیت دی گئی ہے، ہمیشہ تقابل کرنے کی۔ کسی شخص کے پاس بہتر مکان ہے، کسی شخص کا جسم خوبصورت ہے، کسی شخص کے پاس زیادہ دولت ہے، کوئی شخص زیادہ کرشماتی شخصیت کا مالک ہے۔ تقابل کرو، پاس سے گزرنے والے ہر شخص کے ساتھ اپنا تقابل کرو، نتیجتاً بے پناہ حسد جنم لے گا۔ حسد تقابل کی پیداوار ہے۔

اگر تم تقابل کرنا چھوڑ دو تو حسد غائب ہو جائے گا۔ تب تم یہ جانتے ہو گے کہ تم ہو، اور تم کچھ نہیں ہو، اور کچھ ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ اچھا ہے کہ تم اپنا تقابل درختوں سے نہیں کرتے، وگرنہ تمہیں تو بہت حسد ہوتا۔ تم سوچتے کہ تم سرسبز کیوں نہیں ہو؟ بھگوان نے تمہیں پھول کیوں نہیں دیئے؟ اچھا ہی ہے کہ تم پرندوں سے تقابل نہیں کرتے، دریاؤں سے، پہاڑوں سے تقابل نہیں کرتے وگرنہ تم شدید حسد میں مبتلا ہو جاتے۔ تم صرف انسانوں سے تقابل کرتے ہو کیونکہ تمہیں صرف انسانوں سے تقابل کی تربیت دی گئی ہے۔ تم موروں اور طوطوں سے تقابل نہیں کرتے۔ وگرنہ تمہارا حسد بہت زیادہ ہوتا ہے۔ تمہیں حسد کا اتنا بوجھ سہنا پڑتا کہ تم زندہ ہی نہ رہ پاتے۔

تقابل کرنا ایک نہایت احمقانہ رجحان ہے، کیونکہ ہر فرد یکتا اور ناقابل موازنہ ہے۔ اگر تم یہ بات سمجھ جاؤ گے تو حسد غائب ہو جائے گا۔ ہر ایک یکتا اور ناقابل موازنہ ہے۔ تم

صرف تم ہو___ نہ تو کبھی کوئی تم جیسا ہوا ہے، اور نہ کبھی ہوگا۔ اور تمہیں کسی شخص جیسا ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

بھگوان صرف اور یکتا تخلیق کرتا ہے، وہ کاربن کاپیوں میں یقین نہیں رکھتا۔

چند قدم دور عظیم واقعات ہو رہے ہیں: گھاس زیادہ سرسبز ہے، گلاب کے پھول بہار پر ہیں۔ ہر شخص نظر آتا ہے___ سوائے تمہارے۔ تم مسلسل تقابل کر رہے ہو، اور دوسروں کا بھی یہی معاملہ ہے۔ وہ بھی تقابل کر رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ بھی یہ سوچتے ہوں کہ تمہارے لان کی گھاس زیادہ سبز ہے___ یہ فاصلے سے ہمیشہ زیادہ سبز دکھائی دیتی ہے، کہ تمہاری بیوی بہت خوبصورت ہے___ اور تم ہو کہ اس سے تھک چکے ہو، تم سوچتے ہو کہ تم اس عورت کے جال میں پھنسے ہی کیوں، تم اس سے چھٹکارا پانا چاہتے ہو، جبکہ پڑوسی تم سے حسد کرتا ہے کہ تمہاری بیوی اتنی خوبصورت ہے! ہوسکتا ہے تم اس سے حسد کرتے ہو......

ہر شخص دوسرے شخص سے حسد کرتا ہے۔ حسد کے ذریعے ہم نے ایسی جہنم بنا لی ہوئی ہے، حسد کی وجہ سے ہم اتنے پست ہو چکے ہیں۔

ایک بوڑھا کسان سیلاب اترنے کے بعد اس سے ہونے والے اپنے نقصانات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے ایک پڑوسی نے پوچھا: ''کیا تمہارے سارے سؤر سیلاب کا پانی بہا لے گیا؟''

بوڑھے کسان نے کہا: ''ہاں'' اور پوچھا: ''تھامسن کے سؤروں کا کیا بنا؟''

پڑوسی نے بتایا: ''وہ بھی گئے۔''

''اچھا'' بوڑھے کسان نے پھر پوچھا: ''لارسن کے سؤر بچ گئے؟''

''نہیں'' پڑوسی نے بتایا: ''وہ بھی بہہ گئے۔''

''خوب!'' بوڑھے کسان نے سکون کا سانس بھرتے ہوئے کہا: ''یہ اتنا برا نہیں تھا، جتنا میرا خیال تھا۔''

اگر کوئی مصیبت میں ہو تو اچھا لگتا ہے۔ اگر ہر کسی کا نقصان ہوا ہو تو یہ اچھا لگتا ہے۔ اگر ہر کوئی خوش ہو اور کامیاب ہو رہا ہو تو بہت برا لگتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ دوسرے کا خیال تمہارے ذہن میں آتا ہی کیوں ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہیں درست طور پر نشوونما پانے ہی نہیں دیا گیا، تمہاری ہستی کے گلابوں کو کھلنے ہی نہیں دیا گیا۔ اسی لیے تم اندر سے خود کو کھوکھلا محسوس کرتے ہو جبکہ تم ہر شخص کا صرف ظاہر دیکھتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف ظاہر ہی کو دیکھا جا سکتا ہے۔

تم اپنے اندر سے واقف ہو، جبکہ دوسرے کے ظاہر سے۔ اس سے حسد جنم لیتا ہے۔ وہ بھی تمہارے ظاہر سے اور اپنے اندر سے واقف ہیں۔ اس سے حسد جنم لیتا ہے۔ کوئی شخص بھی تو تمہارے اندر سے واقف نہیں ہے۔ تم ہی جانتے ہو کہ تم تو کچھ بھی نہیں ہو، بے قدر و قیمت ہو۔ جبکہ دوسرے باہر سے ہنستے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کی ہنسی جھوٹی ہو سکتی ہے لیکن تم اس بات سے کیسے آگاہ ہو سکتے ہو؟ تم سوچتے ہو کہ شاید ان کے دل بھی مسکرا رہے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ تمہاری مسکراہٹ جھوٹی ہے کیونکہ تمہارا دل نہیں مسکرا رہا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ رو رہا ہو، سسکیاں بھر رہا ہو۔

تم جانتے ہو اپنے اندرون کو، اور صرف تم ہی اسے جانتے ہو، کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ جبکہ تم دوسروں کے ظاہر سے واقف ہو، اور لوگ اپنے ظاہر میں خوبصورت ہوتے ہیں۔ ظاہر تو شو پیس ہوتا ہے اور نہایت فریب کار ہوتا ہے۔

میں تمہیں ایک قدیم حکایت سناتا ہوں:

ایک آدمی اپنے دکھوں سے بہت تنگ تھا۔ وہ روز بھگوان سے التجا کرتا کہ وہ اس پر رحم کرے۔ آخر اس نے اسی کو اتنے سارے دکھ کیوں دیئے ہوئے ہیں۔ ایک روز اس نے شدید مایوسی میں بھگوان سے التجا کی کہ وہ اسے کسی کے بھی دکھ دے دے اور اس کے دکھ واپس لے لے۔''

دراصل اسے ہر شخص بظاہر خوش نظر آتا تھا، اس لیے اس کا خیال تھا کہ صرف اسی کو اتنے دکھ دیئے گئے ہیں، کسی اور کو نہیں۔

جس روز اس نے بھگوان سے یہ دعا مانگی، اس رات اس نے ایک خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا بھگوان نے اعلان کروایا کہ سب لوگ

اپنے اپنے دکھ تھیلوں میں بھریں اور بڑے مندر کی دیوار کے پاس رکھ دیں۔ سب لوگوں نے ایسا ہی کیا۔

اس کے بعد بھگوان نے کہا کہ اب ہر شخص اپنی مرضی سے کوئی بھی تھیلا اٹھالے۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ اپنے دکھوں سے تنگ آیا ہوا شخص تیزی سے بھاگ کر آگے بڑھا اور اپنے ہی تھیلے کو اٹھا لایا۔ اسے ڈر تھا کہ کوئی دوسرا اس کا تھیلا نہ اٹھالے۔ تاہم وہ یہ دیکھ کر مزید حیران ہوا کہ کسی نے بھی کسی دوسرے کا تھیلا نہیں اٹھایا اور ہر شخص اپنے ہی تھیلے کو دوبارہ اٹھا کر خوش تھا۔

ایسا کیوں تھا؟ ایسا اس لیے تھا کہ پہلی بار ہر شخص نے دوسرے کے دکھوں کو دیکھا تھا۔ ان کے تھیلے یا تو ان کے اپنے تھیلے جتنے تھے، یا اس سے بھی بڑے۔

دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ ہر شخص اپنے دکھوں سے مانوس ہو چکا تھا۔ دوسروں کے دکھوں کو چنتے سے پہلے یہی خیال ابھرا ہوگا کہ پتا نہیں یہ دکھ کیسے ہوں؟ کم از کم انسان اپنے دکھوں سے شناسا تو ہے، انسان ان کا عادی ہو چکا ہے، وہ انہیں برداشت کر سکتا ہے۔ وہ اتنے برسوں سے اپنے دکھوں کو برداشت کرتا چلا آیا ہے — لہٰذا انجانے دکھوں کو کیوں چنا جائے؟

ہر شخص خوشی خوشی گھر چلا گیا۔ کچھ بھی تبدیل نہیں ہوا، وہ پہلے والے دکھوں ہی کو واپس لے گئے۔ ہر شخص خوش تھا اور ہنس رہا تھا کہ اس کو اپنا ہی تھیلا واپس ملا ہے۔

صبح کے وقت اس شخص نے بھگوان کی پوجا کی اور اس سے کہا:
"بھگوان! رات کے خواب کا شکریہ۔ میں دوبارہ ایسی دعا نہیں مانگوں گا۔ تو نے مجھے جو کچھ دیا میرے لیے ٹھیک ہے۔ یقیناً یہ میرے لیے

اچھا ہے تو تُو نے اسے مجھے دیا ہے۔"

تم حسد کی وجہ سے مستقل طور پر عذاب میں ہو۔ تم دوسروں کے لیے کمینے بن چکے ہو۔ حسد کی وجہ سے تم احمق بن چکے، بہروپیے بن چکے ہو۔ تم نے ان چیزوں کا حامل ہونے کی اداکاری شروع کر دی ہے جو تمہارے پاس نہیں ہیں، تم ایسی چیزوں کا حامل ہونے کی اداکاری کر رہے ہو، جو تمہارے پاس ہو ہی نہیں سکتیں، جو تمہارے لیے فطری نہیں ہیں۔ تم بہت زیادہ مصنوعی، بناوٹی بن چکے ہو۔ تم دوسروں کی نقل کر کے، دوسروں سے مقابلہ کر کے کیا کر سکتے ہو؟

حسد کرنے والا شخص جہنم میں زندگی گزارتا ہے۔ تقابل کرنا چھوڑ دو، حسد غائب ہو جائے گا، کمینہ پن غائب ہو جائے گا، بہروپیا پن غائب ہو جائے گا۔ تاہم تم صرف تبھی تقابل کرنا چھوڑ سکتے ہو کہ جب تم اپنے اندر کے خزانے کو پا لیتے ہو۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

ایک زیادہ سے زیادہ مصدقہ فرد بنو۔ بھگوان نے تمہیں جیسا بھی بنایا ہے، خود سے محبت کرو، اپنا احترام کرو۔ ایسا کرو گے تو فوراً ہی سوّرگ کے دروازے تم پر کھل جائیں گے۔ وہ تو ہمیشہ سے کھلے ہیں، تم ہی ان کی طرف نہیں دیکھتے۔



روپیہ پیسہ

روپیہ طاقت ہے۔ ہر شخص روپے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ جو شخص روپے کے حوالے سے نہیں سوچتا، وہ بھی مختلف "سِکّوں" کے بارے میں سوچتا ہے۔ روپیہ طاقت کی علامت ہے۔ تم روپے کی مدد سے طاقت خرید سکتے ہو۔

تمہارے پنڈت بھی روپے کے بارے میں سوچتے ہیں ـــ وہ اِسے پُن کہتے ہیں۔ وہ پُن کے ذریعے سُورگ میں ایک بہتر مکان خرید سکتے ہیں، ایک بہتر کار، ایک بہتر عورت خرید سکتے ہیں۔ چند لوگ اتنے لالچی نہیں ہیں، وہ صرف اس دنیا میں رائج روپے پیسے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔

انسان صرف اسی وقت روپے کے بارے میں سوچنا چھوڑتا ہے کہ جب وہ حال میں رہنا شروع کر دیتا ہے۔ روپیہ مستقبل ہے، روپیہ مستقبل کا تحفظ ہے، مستقبل کی ضمانت ہے۔ اگر تمہارا بینک بیلنس اچھا ہے تو تمہارا مستقبل محفوظ ہے۔

ساری دنیا روپے کے حوالے سے ہی سوچ رہی ہے۔ جو لوگ پاور پالیٹکس کے حوالے سے سوچ رہے ہیں وہ روپے ہی کے حوالے سے سوچ رہے ہیں کیونکہ روپیہ طاقت کی علامت کے سوا کچھ نہیں۔ اسی وجہ سے تم زیادہ سے زیادہ روپیہ جمع کرتے ہو لیکن مزید روپے کے حصول کی خواہش کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طاقت کی پیاس لامحدود ہے، کسی اختتام سے آشنا نہیں۔

اور لوگ طاقت کے پیاسے ہیں. کیونکہ اندر گہرائی میں وہ کھوکھلے ہیں۔ وہ اس

کھوکھلے پن کو بھرنے کے لیے کسی نہ کسی شے کے طلب گار ہوتے ہیں ـــ یہ روپیہ ہو سکتا ہے، طاقت ہو سکتی ہے، عزت ہو سکتی ہے، کردار ہو سکتا ہے، پُن ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی شے ہو، چل سکتی ہے، وہ تو اپنے داخلی کھوکھلے پن کو بھرنا چاہتے ہیں۔

دنیا میں صرف دو قسم کے لوگ ہیں: وہ جو داخلی کھوکھلے پن کو بھرنا چاہتے ہیں، اور وہ کمیاب لوگ جو داخلی کھوکھلے پن کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ جو لوگ کھوکھلے پن کو بھرنا چاہتے ہیں، کھوکھلے ہی رہتے ہیں، مضطرب رہتے ہیں۔ وہ کچرا اکٹھا کرتے رہتے ہیں، ان کی ساری زندگی لاحاصل اور بے ثمر ہوتی ہے۔ صرف دوسری قسم کے لوگ، انتہائی کمیاب اور قیمتی لوگ جو اپنے داخلی کھوکھلے پن کو بھرنے کی خواہش کیے بغیر دیکھتے ہیں، مراقباتی بن جاتے ہیں۔

مراقبہ تمہارے خالی پن پر غور کرتا ہے، اسے خوش آمدید کہتا ہے، اس سے لطف اندوز ہوتا ہے، اس سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے، اسے بھرنے کی خواہش کیے بغیر ـــ اس کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ یہ تو پہلے سے بھرا ہوتا ہے۔ یہ کھوکھلا پن اس لیے لگتا ہے کیونکہ تمہیں اسے صحیح طریقے سے دیکھنا نہیں آتا۔ تم اسے ذہن کے ذریعے دیکھتے ہو، یہ بالکل غلط طریقہ ہے۔ اگر تم ذہن کو ایک طرف رکھ کر اپنے خالی پن کو دیکھو گے تو یہ بے پناہ حسن کا حامل نظر آئے گا، الوہی نظر آئے گا، یہ خوشی سے چھلکے گا۔ ضرورت کسی شے کی نہیں ہے۔

صرف تبھی انسان روپے کے بارے میں سوچنا چھوڑتا ہے، طاقت کے بارے میں سوچنا چھوڑتا ہے۔ وگرنہ ہر شخص کسی نہ کسی طور روپے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔

اس پاگل پن سے بچو۔ لمحے میں جیو، مستقبل کو چھوڑ دو۔ اس طرح روپیہ اپنی کشش کھو بیٹھے گا۔ لمحے میں اتنی کاملیت کے ساتھ جیو کہ جیسے تمہارے لیے دوسرا لمحہ نہیں آئے گا، کہ جیسے یہ آخری لمحہ ہو۔ یوں روپے اور طاقت کی ساری خواہشیں تمہارا پیچھا چھوڑ دیں گی۔

اگر تمہیں اچانک پتا چلے کہ آج تم مر جاؤ گے، تو کیا ہو گا؟ کیا تم پھر بھی روپے میں دلچسپی لو گے؟ اچانک روپے کی خواہش تمہیں چھوڑ دے گی۔ اگر یہ آخری دن ہے تو تم اسے آنے والی کل کے بارے میں سوچتے ہوئے ضائع نہیں کر سکتے ـــ کیونکہ وہ کل تو آنی ہی نہیں ہے۔

چونکہ ہم آنے والی کل میں جیتے ہیں اسی لیے روپیہ اس قدر اہم ہو جاتا ہے، اور

چونکہ ہم زندہ نہیں ہوتے ہیں اس لیے ہم صرف دوسروں کی نقالی کرتے ہیں، روپیہ بے حد اہم ہوجاتا ہے۔ کسی نے نیا گھر بنایا ہے، تم کمتری محسوس کرنے لگے ہو۔ چند دن پہلے تک تم اپنے گھر سے بالکل مطمئن تھے، لیکن اب اس شخص نے ایک زیادہ بڑا گھر بنا رہا ہے۔ اب تقابل ابھرتا ہے، اور یہ اذیت دیتا ہے، یہ تمہاری انا کو مجروح کرتا ہے۔ تم مزید روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہو۔ کسی نے کچھ کیا ہے اور تمہاری انا مجروح ہوگئی ہے۔

تقابل کرنا چھوڑ دو، زندگی حقیقتاً خوبصورت ہو جائے گی۔ تقابل کرنا چھوڑ دو، تم زندگی سے بھرپور طور پر لطف اندوز ہو گے۔ جو شخص اپنی زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہے وہ ملکیت کا خواہش مند نہیں ہوتا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ زندگی کی حقیقی اشیا کو خریدا نہیں جا سکتا، اور یہی چیزیں مسرت بخش ہوتی ہیں۔

محبت خریدی نہیں جا سکتی۔ ہاں، جنس خریدی جا سکتی ہے۔ پس جو شخص جانتا ہے کہ محبت کیا ہے، وہ روپے میں دلچسپی نہیں لیتا۔ تاہم وہ شخص جو نہیں جانتا کہ محبت کیا ہے، وہ روپے میں ضرور دلچسپی لیتا ہے کیونکہ روپیہ جنس کو خرید سکتا ہے اور صرف جنس ہی کے بارے میں وہ جانتا ہے۔

تم ستاروں بھری رات خرید نہیں سکتے۔ جو شخص جانتا ہے کہ ستاروں بھری رات سے کس طرح لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے، وہ روپے کی زیادہ پروا نہیں کرتا۔ تم غروبِ آفتاب کو خرید نہیں سکتے۔ تاہم جو لوگ حقیقی غروبِ آفتاب کو دیکھنے سے واقف نہیں ہوتے، وہ لاکھوں ڈالر میں اس کی پینٹنگ خرید لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ اسے لٹکانا تک نہیں جانتے، وہ اس کے اوپر والے اور نیچے والے حصے کو بھی نہیں پہچان سکتے۔ تاہم وہ دوسروں کو دکھانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے پکاسو کی پینٹنگ خریدی ہے۔

اگر تم گلاب کے پھول سے، اپنے آنگن میں اگے ہرے بھرے درخت سے، پہاڑوں سے، دریاؤں سے، ستاروں سے، چاند سے لطف اندوز ہونا جانتے ہو، اگر تم لوگوں سے لطف اندوز ہونا جانتے ہو تو تم روپے کی اتنی زیادہ پروا نہیں کرو گے، اس کے لیے دیوانے ہوئے نہیں پھرو گے۔ روپے کے لیے دیوانہ پن اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ ہم مستی کی زبان بھول چکے ہیں۔ لہٰذا لوگ صرف روپے کے حوالے ہی سے شیخی بگھارتے ہیں۔ تمہاری زندگی

کتنی کھوکھلی ہے!

میں تمہیں روپے پیسے کو ترک کرنے کا نہیں کہوں گا۔ ایسا تو تمہیں صدیوں سے کہا جا رہا ہے اور تم تبدیل نہیں ہوئے۔ میں تو کہتا ہوں کہ زندگی سے خوب لطف اٹھاؤ۔ یوں روپے کے لیے دیوانہ پن خود بخود غائب ہو جائے گی۔



دانش

دانش علم نہیں ہے۔ علم والا آدمی اسے نہیں دیکھ سکتا۔

سٹیفن کرین لکھتا ہے، میں ایک بزرگ سے ملا۔ انہوں نے ''کتاب دانش'' تھامی ہوئی تھی۔ میں نے ان سے کہا: ''جناب! ذرا مجھے پڑھنے کو دیجئے یہ کتاب۔''

وہ بولے: ''بچے......!''

میں نے کہا: ''جناب! میں بچہ نہیں ہوں۔ میں یہ کتاب پہلے بھی کافی حد تک پڑھ چکا ہوں۔''

انہوں نے کہا: ''اچھا، کافی حد تک!!'' پھر مسکراتے ہوئے کتاب کھول کر میرے سامنے کر دی۔

میں نے کتاب پر نظر ڈالی تو حیرانی کی بات ہے، میں اچانک اندھا ہو گیا۔

صرف معصوم لوگ دانش کو دیکھ سکتے ہیں۔ صرف بچہ اسے دیکھ سکتا ہے، وہ جو کچھ نہ جانتا ہو، وہ جو نہ جاننے کی حالت میں عمل کر رہا ہو، جان سکتا ہے کہ دانش کیا ہے۔ دانش کا علم سے بہر حال کوئی سروکار نہیں ہے، اس کا کچھ سروکار معصومیت سے ہے۔ اس کو جاننے کے لیے دل کا خالص پن درکار ہے، دانش کو پانے کے لیے ہستی کا خالی پن ضروری ہے۔

یسوع نے درست کہا ہے: ''صرف وہی لوگ، جو کہ چھوٹے بچوں جیسے ہوں گے،

خداوند کی بادشاہت میں داخل ہونے کے اہل ہوں گے۔''

علم خارج سے آتا ہے، دانش داخل سے پھوٹتی ہے۔ علم مستعار ہوتا ہے، دانش اوریجنل ہوتی ہے۔ دانش ہستی کے لیے تمہاری بصیرت ہے، وہ صرف اور صرف تمہاری بصیرت ہوتی ہے ـــ نہ بدھ کی، نہ اتیشا کی، نہ میری بصیرت۔

جب تم علم کی گرد کے بغیر اپنی روح کے آئینے کو دیکھنے کے اہل ہوتے ہو، جب تمہاری روح پر علم کی گرد نہیں ہوتی، جب وہ صرف آئینہ ہوتی ہے، جو کچھ ہے، اسی کو منعکس کرتی ہے۔ یہی دانش ہے۔ جو کچھ ہے، اسی کا انعکاس دانش ہے۔

علم انا کو تقویت دیتا ہے۔ دانش رونما ہی صرف اس وقت ہوتی ہے جب انا فراموش کر دی گئی ہوتی ہے۔ علم کو پڑھا جا سکتا ہے، یونیورسٹیاں تمہیں پڑھانے کے لیے ہی تو ہیں۔ دانش کو پڑھایا نہیں جا سکتا۔ یہ تو چھوت کی بیماری جیسی ہوتی ہے۔ تمہیں دانا انسان کے ہمراہ رہنا ہوگا، صرف تبھی تم میں کچھ رونما ہونا شروع ہوگا۔

دانش ہی سچا علم ہے، علم کی بجائے علم حاصل کرنے کا عمل کیونکہ اس کا اختتام نہیں ہوتا۔ یہ نشوونما پاتی رہتی ہے، بہتی رہتی ہے۔ دانا انسان سیکھنا جاری رکھتا ہے۔ اس کی منزل کبھی نہیں آتی۔

علم والے مت بنو، دانا بنو۔



میں کون ہوں؟

محبوب اوشو! آپ کون ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟

میں نہیں ہوں، اور میں کچھ بھی نہیں کر رہا ہوں۔

جب میں کہتا ہوں کہ "میں نہیں ہوں" تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ کوئی شخصیت نہیں ہے، کوئی شخص نہیں ہے بلکہ صرف موجودگی ہے۔ شخص کے بغیر موجودگی تقریباً غیر موجودگی کے مترادف ہوتی ہے۔ وہ ہوتی ہے، شخص نہیں ہوتا۔

میں محض ایک کھوکھلا بانس ہوں، اور اگر تم کوئی موسیقی سن رہے ہو تو یہ ضرور بھگوان کی طرف سے ہے، میری طرف سے نہیں ہے۔ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نہیں ہوں، میں مکمل طور پر معدوم ہو چکا ہوں۔ گیان بھی تو ہے۔

اتیشا اسی کو تو بودھی چت کہتا ہے۔

میں کچھ بھی نہیں کر رہا، میں نہیں ہوں۔



محض آزادی

انسان کی سب سے بڑی آرزو آزادی ہے۔ انسان سرتا پا آزادی کی تمنائے بیتاب ہے۔ آزادی انسانی شعور کا عین مرکز ہے۔ محبت محیط ہے اور آزادی مرکز۔ اگر یہ دونوں ہوں تو زندگی میں کوئی پچھتاوا نہیں رہتا۔ اور یہ دونوں اکٹھے ہی ہوتی ہیں، کبھی الگ نہیں ہوتیں۔

لوگوں نے آزادی کے بغیر محبت کی کوششیں کی ہیں۔ یوں محبت زیادہ عذاب لے کر آتی ہے، زیادہ غلامی لے کر آتی ہے۔ تب محبت وہ نہیں ہوتی جس کی توقع انسان کو ہوتی ہے، یہ تو اس کا الٹ نکلتی ہے۔ یہ ساری امیدوں کو بکھیر دیتی ہے، یہ ساری توقعات کو برباد کر دیتی ہے اور زندگی ایک دشت، ایک ویرانہ بن جاتی ہے۔ گویا انسان اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہو اور دروازہ نہ ملے۔

آزادی کے بغیر محبت فطری طور پر ملکیت کی طرف مائل ہوتی ہے، اور جس لمحے ملکیت پسندی داخل ہوتی ہے تم دوسروں کے لیے بھی اور اپنے لیے بھی غلامی کی زنجیریں بنانے لگتے ہو کیونکہ تم اس وقت تک کسی پر ملکیت نہیں جما سکتے جب تک خود تم اس کی ملکیت میں نہ چلے جاؤ۔ تم خود غلام بنے بغیر کسی کو غلام نہیں بنا سکتے۔ تم جو کچھ دوسرے کے لیے کرتے ہو، وہی کچھ تمہارے ساتھ بھی ہوتا ہے۔

اسے سمجھ لو، یہ بنیادی اصول ہے، کہ آزادی کے بغیر محبت کبھی آسودگی عطا نہیں کرتی۔

ایسے لوگ بھی رہے ہیں جنہوں نے دوسری انتہا کو آزمایا ہے یعنی محبت کے بغیر آزادی۔ یہ پنڈت ہیں، فرار پسند، ایسے لوگ جنہوں نے دنیا کو ترک کر دیا ہوا ہے۔ محبت سے ڈرے ہوئے۔ محبت سے اس لیے ڈرے ہوئے کیونکہ یہ غلامی لاتی ہے، انہوں نے ہر اس صورتحال کو ترک کر دیا ہے جہاں محبت بہہ سکتی ہے، نشوونما پا سکتی ہے، ممکن ہوتی ہے۔ وہ فرار ہو کر اکیلے پن میں چلے گئے ہیں۔ ان کا اکیلا پن کبھی تنہائی نہیں بنتا، اکیلا پن ہی رہتا ہے۔ اکیلا پن ایک منفی حالت ہے، یہ سراسر کھوکھلی ہے، یہ اُداس ہے۔

ترک کسی کیفیت کو دبانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تم جتنا زیادہ کسی شے کو دباتے ہو، تمہیں اس کو مزید دبانے کی ضرورت پڑتی ہے اور جتنا تم دباتے جاتے ہو، اتنا ہی وہ طاقتور ہوتی جاتی ہے۔ وہ تمہارے خوابوں میں پھوٹ بہے گی، وہ تمہارے تصورات اور خیالوں میں رہنے لگتی ہے، جو لوگ ہمالیہ کے غاروں میں چلے جاتے ہیں حقیقت سے ان کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ اپنی ہی ایک حقیقت گھڑنا شروع کر دیتے ہیں ــــ ایک نجی حقیقت، ایک مصنوعی حقیقت۔

انسان اکیلا ہو سکتا ہے لیکن اس سے وہ تنہا نہیں ہوتا۔ اکیلا پن محض طبیعی اکیلا پن ہے، تنہائی روحانی اکیلا پن ہے۔ اگر تم دنیا کے خوف سے اکیلے ہوئے ہو تو دنیا تمہارا پیچھا کرتی رہے گی اور ہر طرح کی خواہشیں تمہیں گھیر لیں گی۔ تمہیں لاکھوں ڈراؤنے خواب دکھائی دیں گے کیونکہ جو کچھ بھی تم ترک کر چکے ہو اتنی آسانی سے ترک نہیں کیا جا سکتا۔

دونوں انتہائیں ناکام ہو چکی ہیں۔ اب انسانیت دوراہے پر کھڑی ہے۔ کدھر جانا ہے؟ ماضی مکمل طور پر ناکام ہو چکا ہے۔ ہم نے ماضی میں جتنی بھی کوششیں کی تھیں سب غلط ثابت ہوئیں۔ اب کہاں جائیں، کیا کریں؟

اتیشا کے پاس تمہارے لیے ایک پیغام ہے۔ یہ پیغام تمام بدھوں کا ہے، دنیا کے تمام گیانی لوگوں کا۔ وہ کہتے ہیں: محبت اور آزادی الگ الگ نہیں ہیں، تم ان میں انتخاب نہیں کر سکتے۔ یا تو تمہیں دونوں کو چننا ہو گا یا دونوں کو چھوڑنا ہو گا۔ تم ان میں سے کسی ایک کو نہیں چن سکتے۔

محبت محیط ہے، آزادی مرکز

انسان کو ایسے لطیف توازن میں نشوونما پانی چاہیے کہ جہاں محبت اور آزادی ساتھ ساتھ کھل سکیں۔ تم ایسا کر سکتے ہو، کیونکہ چند ایک کمیاب افراد کے ساتھ ایسا ہو چکا ہے۔ اگر پوری تاریخ میں صرف ایک فرد کے ساتھ ایسا ہوا ہے تو پھر سارے انسانوں کے ساتھ ممکن ہے۔ یہ تمہارے اندر موجود امکان ہے، تمہارا پیدائشی حق ہے۔

مراقبہ توازن ہے۔

مراقبہ پرندہ ہے، جس کے دو بازو ہیں: آزادی اور محبت۔

یہاں اس حلقۂ بدھ میں میری کوشش ہے کہ میں تمہیں دونوں پَر اکٹھے دوں: محبت کرنے والے بنو اور آزاد بنو، محبت کرنے والے بنو اور ملکیت پسند نہ بنو۔ آزاد بنو لیکن سرد مت بنو، گرم رہو، محبت سے گرم۔

تمہاری آزادی اور تمہاری محبت کو ساتھ ساتھ نشوونما پانا چاہیے۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے، ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے ہوئے، ایک طرح سے رقص کرتے ہوئے، ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے، اور تب پورا انسان جنم لیتا ہے، جو دنیا میں تو رہتا ہے لیکن کسی طور دنیا کا نہیں ہوتا۔ تب وہ انسان جنم لیتا ہے جس میں انتہائیں ملتی ہیں اور آپس میں گھل مل جاتی ہیں اور لازم و ملزوم بن جاتی ہیں، تب انسان امیر ہوتا ہے۔ آزادی کے بغیر محبت کرنا غریب ہونا ہے۔ محبت کے بغیر آزاد ہونا اکیلے میں جینا ہے، اداسی میں، اندھیرے میں جینا ہے۔ آزادی محبت کی نشوونما کے لیے ضروری ہے اور محبت ضروری ہے تا کہ آزادی پھل پھول سکے۔

میرے سنیاسیوں کو ہمیشہ یاد رکھنا ہو گا کہ دونوں میں انتخاب نہیں کرنا ہے۔ دونوں کو ایک ساتھ جذب کرنا ہے، ایک ساتھ ہضم کرنا ہے۔ محبت کو تمہارا محیط بننا چاہیے، تمہارا عمل بننا چاہیے، جبکہ آزادی کو تمہاری ہستی، تمہارا مرکز، تمہاری روح بننا چاہیے۔

آزادی تین قسموں کی ہو سکتی ہے، اور ان تینوں قسموں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ پہلی قسم ہے: ''سے آزادی''، دوسری قسم ہے: ''کے لیے آزادی'' اور تیسری قسم ہے: محض آزادی ــــ نہ تو ''سے'' اور نہ ہی ''کے لیے''۔

پہلی یعنی ''سے آزادی'' ایک ردِعمل ہوتی ہے۔ اس کی اساس ماضی ہے۔ تم ماضی

کے خلاف لڑ رہے ہوتے ہو، تم اس سے چھٹکارا پانا چاہتے ہو۔

نفسیات داں تمہیں بھی آزادی دیتے ہیں، ''سے آزادی''۔ ماضی کے المیوں سے، بچپن کے زخموں سے۔ تحلیلِ نفسی کی بنیاد ماضی ہے۔ تمہیں اپنے آپ کو آزاد کرانے کے لیے ماضی میں جانا ہوتا ہے، تمہیں اولین چیخ تک جانا ہوتا ہے، تب تم آزاد ہوتے ہو۔ پس نفسیات دانوں کے ہاں آزادی کا مطلب یہ ہے کہ ماضی کو ترک کرنا ہے۔

جہاں تک اس آزادی کا تعلق ہے تو کارل مارکس اور سگمنڈ فرائیڈ ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں، دونوں متفق ہیں۔ کارل مارکس کہتا ہے کہ انسان کو ماضی سے آزاد ہونا ہے، ماضی کے تمام سماجی ڈھانچوں سے، معاشی ڈھانچوں سے آزاد ہونا ہے۔ اس کی فکر سیاسی ہے۔ فرائیڈ کی فکر نفسیاتی ہے۔ تاہم دونوں ''سے آزادی'' چاہتے ہیں۔

تمام سیاسی اصلاحات ردِعمل ہوتی ہیں ــــ اور جب تم ردِعمل کرتے ہو، تم آزادی نہیں ہوتے ہو۔ اس بات کو سمجھنا ہوگا۔ یہ صرف آزادی کا دکھاوا ہوتی ہے، یہ سچی آزادی نہیں ہوتی۔ ردِعمل میں کامل آزادی ممکن نہیں۔ ردِعمل میں سچی آزادی ممکن نہیں۔ جبکہ کامل آزادی ہی سچی آزادی ہے۔

تم ماضی کے خلاف ہو سکتے ہو، لیکن اس کے خلاف ہوتے ہوئے تم عقبی دروازے سے اس کی گرفت میں آ جاتے ہو۔ اسی لیے بار بار ایسا ہوا ہے کہ تم جس کسی سے بھی لڑ رہے ہو، تم اسی جیسے ہو جاتے ہو۔ اپنے دشمنوں کا انتخاب سوچ سمجھ کر کرو، کیونکہ تم انہیں سے پہچانے جاؤ گے! ان سے لڑتے ہوئے تمہیں ان کی چالیں سیکھنا ہوں گی، واضح سی بات ہے کہ تمہیں ان کے حربے سیکھنا ہوں گے، تمہیں ان کے طریقے سیکھنا ہوں گے۔ رفتہ رفتہ دشمن ایک جیسے ہو جاتے ہیں ــــ دوستوں سے زیادہ ایک جیسے۔

دوسری قسم ہے ''کے لیے آزادی''۔ اس کی اساس مستقبل ہے۔ پہلی قسم سیاسی ہے، دوسری قسم شاعرانہ، تخیلاتی اور یوٹوپیائی ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس کی بھی کوشش کی ہے لیکن یہ بھی ممکن نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مستقبل اساس ہوتے ہوئے تم حال میں نہیں جی سکتے جبکہ تمہیں جینا تو حال ہی میں ہوتا ہے۔ تم ماضی میں نہیں جیتے، تم مستقبل میں نہیں جیتے، تمہیں حال ہی میں جینا ہوتا ہے۔

تخیل پرست لوگ صرف خیال ہی کر سکتے ہیں۔ وہ خوبصورت یوٹوپیاؤں کے خیال دے چکے ہیں لیکن وہ یوٹوپیائیں کبھی حقیقت نہیں بنیں، کبھی حقیقت نہیں بن سکتیں۔

اگر تم ماضی کے خلاف ردِعمل کرو گے تو ماضی ہی سے پہچانے جاؤ گے۔ اگر تم ماضی کو بھلا کر مستقبل کو دیکھو گے تو اس وقت بھی تم ماضی ہی سے تحریک پا رہے ہو گے لیکن تمہیں اس کی خبر نہیں ہوگی۔ تم مستقبل کی طرف دیکھتے ہوئے خوبصورت خواب دیکھتے ہو لیکن خواب تو حقیقت کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ حقیقت ویسی ہی رہتی ہے۔ خواب بڑے غیر مؤثر ہوتے ہیں، بانجھ ہوتے ہیں۔

''سے آزادی'' ردِعمل ہوتی ہے۔ ''کے لیے آزادی'' انقلاب ہوتی ہے۔ ''محض آزادی'' بغاوت ہوتی ہے۔ اس کی اساس زمانہ حال ہوتا ہے۔ پہلی قسم سیاسی ہے، دوسری قسم شاعرانہ ہے جبکہ تیسری قسم صوفیانہ ہے، مذہبی ہے۔

''محض آزادی'' سے میں کیا مراد لیتا ہوں؟ نہ کے لیے، نہ کے خلاف، نہ ماضی، نہ مستقبل، صرف یہاں، صرف اب، صرف لمحہ بہ لمحہ جینا بغیر کسی آئیڈیالوجی کے، بغیر کسی یوٹوپیا کے۔

حقیقی سنیاسی، حقیقی صوفی ماضی کے خلاف نہیں ہوتا، مستقبل کے لیے نہیں ہوتا۔ اسے تو حال نے یوں پوری طرح جذب کر لیا ہوتا ہے کہ اس کے ماضی اور مستقبل کے لیے نہ وقت ہوتا ہے، نہ توانائی۔ باغی یوں جنم لیتا ہے۔

باغی دنیا کا سب سے خوبصورت مظہر ہے۔ بدھ باغی تھا، اتیشا باغی تھا، کبیر باغی تھا، یہ سب باغی ہیں۔ اگر تم انہیں انقلابی تصور کرتے ہو تو تم غلطی پر ہو، وہ انقلابی نہیں تھے۔ وہ ردِعمل کرنے والے بھی نہیں تھے۔ ان کی اساس بالکل مختلف ہوتی ہے، ان کی اساس ''اب'' اور ''یہاں'' ہوتی ہے۔ وہ کسی آدرش کے لیے نہیں جیتے، نہ ہی وہ کسی آدرش کے خلاف جیتے ہیں۔ وہ کسی نظریئے کے حامل نہیں ہوتے۔ شعور میں کوئی آئیڈیالوجی وجود نہیں رکھتی ہے۔

لمحۂ موجود کا کامل خالص پن...... وہ اسے جیتے ہیں، وہ اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں، وہ اسے گاتے ہیں، وہ اسے ناچتے ہیں۔

اور جب اگلا لمحہ آتا ہے تو وہ اسی مسرت کے ساتھ، اسی شادمانی کے ساتھ اسے

جیتے ہیں۔ وہ لحہ بہ لحہ بڑھتے ہیں، وہ آگے کی منصوبہ سازی نہیں کرتے۔

اور لحۂ موجود میں ہونا مراقبے میں ہونا ہے۔

اور جب مراقبہ رونما ہوتا ہے تو تم اپنے میں دو پَر اگتے دیکھتے ہو: ایک محبت ہو گا ـــ اتیشا اسے ہمدردی کہتا ہے ـــ اور دوسرا آزادی ہو گا۔ اور وہ دونوں ایک ساتھ بڑھیں گے۔ اس سے اطمینان پیدا ہوتا ہے۔



میں آپ پر اعتبار نہیں کرتی!

محبوب اوشو! میں آپ پر اعتبار کیوں نہیں کرتی؟

پریم پرگیتا! اعتبار صرف تبھی ممکن ہے کہ جب تمہیں خود پر اعتبار ہو۔ سب سے اہم بات تو پہلے تم پر رونما ہونی چاہیے۔ اگر تمہیں خود پر اعتبار ہے تو تم مجھ پر اعتبار کر سکتی ہو، تم لوگوں پر اعتبار کر سکتی ہو، تم ہستی پر اعتبار کر سکتی ہو۔ تاہم اگر تمہیں خود پر اعتبار نہیں ہے تو پھر کسی پر اعتبار ممکن نہیں ہے۔

اور معاشرہ اعتبار کو عین جڑوں سے برباد کر دیتا ہے۔ وہ تمہیں خود پر اعتبار نہیں کرنے دیتا۔ وہ تمہیں اور ساری قسموں کے اعتبار سکھاتا ہے: والدین پر اعتبار، چرچ پر اعتبار، ریاست پر اعتبار، بھگوان پر اعتبار وغیرہ وغیرہ لیکن بنیادی اعتبار کو مکمل طور پر برباد کر دیا جاتا ہے۔ ایسا ہو تو پھر باقی سارے اعتبار پلاسٹک کے پھول ہوتے ہیں۔

معاشرہ ارادتاً، مقصد کے تحت ایسا کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو انسان خود پر اعتبار کرتا ہو، وہ معاشرے کے لیے خطرناک ہوتا ہے ـــ معاشرہ جو غلامی پر منحصر ہے، معاشرہ جس نے غلامی میں بہت زیادہ سرمایہ کاری کر رکھی ہے۔

خود پر اعتبار کرنے والا انسان آزاد انسان ہوتا ہے۔ تم اس کے حوالے سے پیشگوئی نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے انداز سے حرکت کرتا ہے۔ آزادی اس کا جیون ہو گی۔ وہ جب محسوس کرے گا تو اعتبار کرے گا، وہ جب محبت کرے گا تو اعتبار کرے گا۔ یوں اس کے اعتبار میں ایک حیرتناک شدت ہو گی، اور اس میں سچ ہو گا۔ تب اس کا اعتبار زندہ اور مصدقہ ہو گا۔ وہ

اپنے بھروسے پر ہر خطرہ مول لینے کو تیار ہوگا لیکن صرف اس وقت جب وہ اسے محسوس کرے گا، جب وہ سچ ہوگا، جب وہ اس کے دل کو چھو لے گا، اس کی ذہانت اور اس کی محبت میں ہلکورے پیدا کرے گا۔ بصورتِ دیگر نہیں۔ تم اسے یقین کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

اور یہ معاشرہ یقین پر منحصر ہے۔ اس کا سارا ڈھانچہ خود تو یہی ہے۔ اس کے سارے ڈھانچے کی اساس روبوٹ اور مشین بنانے پر ہے، انسان نہیں۔ اسے مجبور ومحتاج لوگوں کی حاجت ہوتی ہے ___ ایسے محتاج لوگ جنہیں بآسانی بیڑیاں ڈالی جا سکیں، ایسے محتاج لوگ جو اپنے جابروں کو خود ڈھونڈ لائیں۔

یہ زمین، یہ خوبصورت زمین۔ ہم نے اسے ایک بہت بڑا زندان بنا ڈالا ہے۔ اقتدار کی ہوس میں مبتلا چند لوگوں نے پوری نوعِ انسان کو پست کر کے ہجوم بنا ڈالا ہے۔ انسان کو صرف تبھی زندہ رہنے کی اجازت ہے کہ جب وہ ہر طرح کی بکواسیات وفضولیات سے مفاہمت کر لے۔

اب ایک بچے کو کہنا کہ وہ بھگوان پر یقین کرے، فضول ہے۔ بچے کو تو ابھی تک پیاس محسوس ہی نہیں ہوئی، اس میں خواہش ہی پیدا نہیں ہوئی۔ ابھی وہ سچ کی، زندگی کے حتمی سچ کی تلاش میں نکلنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوا۔ وہ ابھی اتنا بالغ نہیں ہوا کہ بھگوان کی حقیقت کو کھوج سکے۔ یہ معاملۂ محبت کسی نہ کسی روز ہونا تو ہے لیکن ایسا صرف تبھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی یقین اس پر تھوپا نہ گیا ہو۔ اگر دریافت کرنے اور جاننے کی پیاس ابھرنے سے پہلے اس کا رخ موڑ دیا گیا تو وہ ساری زندگی جھوٹے طریقے سے جئے گا۔

اب آرزو کبھی پیدا نہیں ہوگی کیونکہ اس کی روح میں سوال ابھرنے سے پہلے جواب دیا جا چکا ہے۔ اس سے پہلے کہ اس کو بھوک لگتی، کھانا اس کی ہستی کو جبراً کھلا دیا گیا ہے۔ بغیر بھوک کے، ہر جبراً کھلایا گیا کھانا ہضم تو نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے لوگ یوں زندگی گزار دیتے ہیں، جیسے پائپ میں سے غیر ہضم شدہ کھانا گزرتا ہے۔

بچوں کے ساتھ بہت تحمل سے کام لو۔ بہت چوکس رہو، کبھی کوئی ایسی بات مت کہو کہ جس سے اس کی ذہانت کے طلوع ہونے میں خلل پڑے۔ پھر ایک دن معجزہ ہوگا۔ بچہ خود سوال کرے گا۔ اب اسے بنے بنائے جواب مت دو۔ بنے بنائے سوال کسی کی مدد نہیں کرتے،

بنے بنائے جوابات احمقانہ ہوتے ہیں۔ اُسے صورتحال اور چیلنج دو تا کہ اس کی ذہانت کو جلا ملے اور وہ زیادہ گہرے سوال کرے۔

تاہم اس کی اجازت نہیں ہے۔ والدین بہت ڈرے ہوئے ہیں، معاشرہ بہت ڈرا ہوا ہے کہ اگر بچوں کو آزاد رہنے دیا گیا تو کون جانے؟ ہو سکتا ہے وہ چرچ نہ جائیں۔ اگر وہ خود ذہین بن گئے تو کون جانے کیا ہو؟ وہ تمہارے قابو میں نہیں رہیں گے۔ جبکہ یہ معاشرہ ہر شخص کو قابو رکھنے، ہر شخص کی روح پر قبضہ جمانے کے لیے گہری سیاست سے کام لیتا ہے۔

اسی لیے وہ سب سے پہلے اعتبار کو برباد کرتے ہیں ___ بچے کا اپنے آپ پر اعتبار، بچے کا اپنے آپ پر اعتماد۔ وہ اسے بودا اور بزدل بنا دیتے ہیں۔ اگر وہ لرزنے لگے تو اس پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اگر وہ بااعتماد ہو تو اس پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ اگر وہ بااعتماد ہو تو وہ اپنا اثبات کرے گا، وہ کچھ اپنا کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ کسی اور کی ہدایت کے مطابق کچھ نہیں کرے گا۔ وہ اپنے سفر پر روانہ ہوگا۔ وہ کسی کی خواہش پر کوئی سفر نہیں کرے گا۔ وہ تقابل نہیں بنے گا، وہ بے رنگ اور بے جان شخص نہیں ہوگا۔ وہ اتنا زندہ ہوگا کہ کوئی اس پر قابو نہیں پا سکے گا۔

اس کا اعتبار برباد کر دو، اور یوں اسے آختہ کر دو۔ تم اس کی قوت چھین چکے ہو۔ اب وہ ہمیشہ بے قوت رہے گا اور ہمیشہ کسی کے غلبے کا حاجت مند رہے گا، جو اسے ہدایت دے، جو اس پر حکم چلائے۔ اب وہ ایک اچھا سپاہی ہوگا، اچھا شہری ہوگا، اچھا قوم پرست ہو گا، اچھا ہندو ہوگا۔ ہاں وہ یہ سب ہوگا لیکن نہیں ہوگا تو ایک حقیقی فرد نہیں ہوگا۔ اس کی کوئی جڑیں نہیں ہوں گی، وہ ساری زندگی بے جڑ رہے گا۔ وہ جڑوں کے بغیر جئے گا ___ اور جڑوں کے بغیر جینا عذاب میں جینا ہے، جہنم میں جینا ہے۔ درختوں کی جڑیں زمین میں ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی ایک درخت ہے اور ہستی میں اس کی جڑیں ہونا ضروری ہے وگرنہ نہایت وہ غیر ذہین زندگی گزارے گا۔ ہو سکتا ہے وہ دنیا میں کامیاب ہو جائے، ہو سکتا ہے وہ بہت مشہور ہو جائے۔

میں نے ایک خبر پڑھی ہے، لو تم بھی سنو:

تین سرجن چھٹی کے دن ساحل پر دھوپ میں لیٹے تھے۔ وہ اپنے اپنے

کارنامے سنانے لگے۔ ایک نے کہا: ''میرے سامنے ایک فوجی کو لایا گیا۔ جنگ میں اس کی دونوں ٹانگیں کٹ چکی تھیں۔ میں نے آپریشن کیا اور اس کو مصنوعی ٹانگیں لگا دیں۔ اب وہ دنیا کا عظیم ترین دوڑنے والا (Runner) بن گیا ہے۔ امید ہے کہ اگلے اولمپکس میں وہ سونے کا تمغہ جیتے گا۔''

دوسرے سرجن نے کہا: ''یہ تو کچھ بھی نہیں، میرے سامنے ایک عورت کو لایا گیا۔ وہ تیس منزلہ عمارت سے گر گئی تھی جس سے اس کا چہرا مسخ ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی پلاسٹک سرجری کی اور اب وہ حسینۂ عالم منتخب ہو گئی ہے۔''

تیسرا سرجن خاموش رہا۔ دونوں نے اسے کہا کہ وہ بھی اپنا کوئی کارنامہ سنائے لیکن اس نے کہا کہ اسے اپنا کارنامہ بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ دونوں سرجنوں نے کہا: ''یار! ہم تمہارے دوست ہیں، تم ہمیں بتا دو، ہم کسی کو اس راز سے آگاہ نہیں کریں گے۔''

آخر تیسرا سرجن مان گیا وہ بولا: ''میرے سامنے ایک شخص کو لایا گیا۔ کار کے حادثے میں اس کا سر کٹ چکا تھا۔ مجھے کہا گیا کہ اسے ہر صورت میں بچانا ہے۔ میں پریشانی میں ٹہلتا ہوا باہر نکلا تو کوارٹروں کے سامنے مجھے گوبھی اُگی نظر آئی۔ میں نے ایک گوبھی توڑی اور زخمی آدمی کے سر کی جگہ بڑی مہارت سے گوبھی جوڑ دی۔

اور اب وہ شخص ہندوستان کا وزیر اعظم ہے۔''

تم بچے کو تباہ کر سکتے ہو۔ پھر بھی وہ ہندوستان کا وزیراعظم بن سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ذہانت نہ ہو تو کوئی کامیاب بھی نہیں ہو گا۔ درحقیقت ذہانت ہو تو کامیاب ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ذہین آدمی نئی چیزیں اختراع کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے زمانے سے آگے ہوتا ہے۔ اسے سمجھنے میں وقت لگتا ہے۔

غیر ذہین آدمی جلد سمجھ میں آ جاتا ہے۔ معاشرہ اسے جلد سمجھ جاتا ہے لیکن جینیئس کو

سمجھنے میں معاشرہ بہت وقت لگا دیتا ہے۔

بغیر ذہانت کے کامیاب اور مشہور ہونے والا شخص جعلی ہوتا ہے۔ اور یہی عذاب ہے: تم مشہور ہو سکتے ہو، لیکن اگر تم جعلی ہو تو تم عذاب میں جی رہے ہوتے ہو۔ تم زندگی کی رحمتوں سے ناآشنا ہوتے ہو۔ تم یہ جاننے کی ذہانت ہی نہیں رکھتے۔ تم کبھی ہستی کے حسن کو نہیں دیکھتے کیونکہ تم اسے جاننے کی حساسیت ہی نہیں رکھتے۔

اس معاشرے کی اساس طاقت ہے۔ یہ معاشرہ ابھی تک وحشی ہے، سو فیصد وحشی۔ چند لوگ ـــ سیاست دان، پنڈت، پروفیسر ـــ کروڑوں لوگوں پر تسلط جمائے ہوئے ہیں۔

یہ معاشرہ اس انداز سے چل رہا ہے کہ کسی بچے کو ذہانت کا حامل ہونے نہیں دیا جاتا۔ ایسا محض اتفاقی طور پر ہوتا ہے کہ کوئی بدھ دھرتی پر آ جاتا ہے ـــ محض اتفاق۔

بہرحال کبھی کبھار کوئی شخص معاشرے کے شکنجے سے نکل آتا ہے۔

کبھی کبھار کوئی شخص معاشرے کے زہر سے بچ جاتا ہے۔ ایسا یقیناً معاشرے کی غلطی سے ہوتا ہو گا وگرنہ معاشرہ تو تمہاری جڑوں کو فنا کر دیتا ہے، وہ تو تم پر تمہارا اعتبار فنا کر دیتا ہے۔ ایک بار ایسا ہو جائے تو تم کسی پر اعتبار کرنے کے قابل نہیں رہتے۔

جب تم خود سے محبت کرنے کے اہل نہیں رہتے تب تم کسی سے بھی محبت کرنے کے اہل نہیں ہوتے۔ یہ ایک مطلق سچائی ہے، اس کا کوئی استثنا نہیں ہے۔ تم صرف تب دوسروں سے محبت کر سکتے ہو جب تم خود سے محبت کرنے کے اہل ہوتے ہو۔

تاہم معاشرہ اپنے آپ سے محبت کرنے کی مذمت کرتا ہے۔ وہ اسے خود غرضی کہتا ہے۔ وہ اسے نرگسیت کہتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اپنے آپ سے محبت نرگسیت بن سکتی ہے، لیکن ایسا ہونا لازمی نہیں ہے۔ یہ تبھی نرگسیت بن سکتی ہے کہ جب یہ کبھی خود سے ماورا نہ جائے۔ اگر یہ تم تک ہی محدود ہو تو خود غرضی بن سکتی ہے۔ بصورتِ دیگر خود سے محبت دوسری تمام محبتوں کی شروعات ہے۔

جو شخص خود سے محبت کرتا ہے جلد یا بدیر محبت اس میں سے چھلکنے لگتی ہے۔ جو شخص اپنے اوپر اعتبار کرتا ہے وہ کسی دوسرے سے بے اعتباری نہیں برت سکتا، ان سے بھی نہیں کہ جو اسے دھوکا دینے والے ہوتے ہیں، ان سے بھی نہیں جو اسے دھوکا دے چکے ہوتے ہیں۔

ہاں، وہ ان سے بھی بے اعتباری نہیں برتتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب وہ جانتا ہے کہ اعتبار ہر شے سے زیادہ قیمتی ہے۔

تم کسی شخص کو دھوکا دے سکتے ہو۔ تم اس سے روپیہ یا کوئی اور شے دھوکے سے لے سکتے ہو۔ تاہم جو شخص اعتبار کے حسن سے واقف ہو گا وہ ان چھوٹے چھوٹے واقعات سے متاثر نہیں ہو گا۔ وہ پھر بھی تم سے محبت کرتا رہے گا، وہ پھر بھی تم پر اعتبار کرتا رہے گا۔

اور یوں ایک معجزہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص تم پر حقیقتاً اعتبار کرتا ہے تو اُسے دھوکا دینا ناممکن ہوتا ہے۔

ایسا تمہاری زندگی میں بھی ہر روز ہوتا ہے۔ جب بھی تم کسی شخص پر اعتبار کرتے ہو، اس کے لیے تمہیں دھوکا دینا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ریلوے پلیٹ فارم پر تم ساتھ بیٹھے اجنبی شخص سے کہتے ہو: ''ذرا میرے سامان کا خیال رکھیے گا، میں ٹکٹ لے کر ابھی آیا۔'' تم چلے جاتے ہو۔ تم ایک بالکل اجنبی شخص پر اعتبار کرتے ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ اجنبی تمہیں دھوکا دے۔ وہ تمہیں دھوکا دیتا، اگر تم نے اس پر اعتبار نہ کیا ہوتا۔

اعتبار میں ایک جادو ہوتا ہے۔ جب تم نے اس پر اعتبار کر لیا ہے تو وہ تمہیں دھوکا کیسے دے سکتا ہے؟ وہ کیسے اتنا گر سکتا ہے؟ اگر وہ تمہیں دھوکا دے گا تو کبھی اپنے آپ کو معاف نہیں کرے گا۔

اعتبار کرنا اور اعتبار کروانا انسانی شعور کی بنیادی صفات میں سے ہے۔ ہر شخص کو اعتبار کروانا اچھا لگتا ہے۔ یہ دوسرے شخص کی طرف سے احترام کا اظہار ہوتا ہے، اور جب تم کسی اجنبی پر اعتبار کرو تو یہ اور سوا ہوتا ہے۔ اس پر اعتبار کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا، پھر بھی تم نے اس پر اعتبار کیا۔ تم اس شخص کو اتنی بلندی پر لے جاتے ہو، تم اس شخص کو اتنی اہمیت دیتے ہو کہ اس کے لیے اتنی بلندی سے گرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ اگر وہ گرے تو کبھی خود کو معاف نہیں کر پائے گا، اسے ساری زندگی احساسِ خطا کا بوجھ اٹھانا ہو گا۔

جو شخص اپنے اوپر اعتبار کرتا ہے، وہی اس کے حسن کو جانتا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ جتنا تم اپنے اوپر اعتبار کرتے ہو، اتنا ہی تم کھلتے ہو، تم جتنا بے فکر ہوتے ہو، اتنے ہی تم پرسکون ہو۔

اور یہ اتنا خوبصورت ہوتا ہے کہ تم لوگوں پر زیادہ سے زیادہ اعتبار کرنے لگتے ہو کیونکہ جتنا زیادہ تم اعتبار کرتے ہو، اتنا زیادہ تمہارا سکون گہرا ہوتا ہے۔ تم جتنا زیادہ اعتبار کرتے ہو، اتنا زیادہ بلند ہوتے ہو۔ جو شخص اعتبار کرتا ہے وہ جلد یا بدیر اعتبار کی منطق کو جان لیتا ہے اور پھر ایک روز وہ نامعلوم پر اعتبار ضرور کرتا ہے۔

ایک عظیم یہودی صوفی ہلیل نے کہا تھا: ''اگر تم ہی اپنے لیے نہیں ہو تو پھر کون تمہارے لیے ہو گا؟'' اس نے مزید کہا تھا: ''اگر تم صرف اپنے لیے ہو تو پھر تمہاری زندگی کے کیا معنی؟'' یاد رکھو، خود سے محبت کرو کیونکہ اگر تم خود سے محبت نہیں کرو گے تو کوئی بھی تم سے محبت نہیں کرے گا۔ تم کسی ایسے شخص سے محبت نہیں کر سکتے جو خود سے نفرت کرتا ہو۔

اور اس بدقسمت سیارے پر تقریباً ہر شخص خود سے نفرت کرتا ہے، ہر شخص اپنی مذمت کرتا ہے۔ تم کسی ایسے شخص سے کیسے محبت کر سکتے ہو جو اپنی مذمت کرتا ہو؟ وہ تم پر یقین ہی نہیں کرے گا۔ وہ خود سے محبت نہیں کر سکتا تو تم کیسے جرأت کر سکتے ہو؟ وہ خود سے محبت نہیں کر سکتا تو تم اس سے کیسے محبت کر سکتے ہو؟ وہ شک کرے گا کہ یہ کوئی چال ہے، کوئی جال ہے۔ وہ شک کرے گا کہ تم محبت کے نام پر اسے دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہو۔ وہ چوکنا ہو گا، شک کرے گا، متجسس ہو گا اور یوں تمہاری ہستی میں زہر گھول دے گا۔

اگر تم کسی ایسے شخص سے محبت کرتے ہو جو کہ خود سے نفرت کرتا ہے تو تم اس کے اپنے بارے میں تصور کو برباد کر دیتے ہو۔ کوئی شخص اپنے بارے میں اپنے تصور کو آسانی سے ترک نہیں کرتا ہے۔ وہ تو اس کا تشخص، اس کی پہچان ہوتا ہے۔ وہ تم سے لڑے گا، وہ ثابت کرے گا کہ وہ درست ہے اور تم غلط ہو۔

محبت کے ہر تعلق میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ میں تو اسے نام نہاد رشتۂ محبت کہتا ہوں۔ ایسا ہر خاوند اور بیوی کے مابین ہو رہا ہے، ہر محب اور محبوبہ کے مابین، ہر مرد اور عورت کے مابین۔ تم کیسے کسی کے اپنے بارے میں تصور کو تباہ کر سکتے ہو؟ یہ تو اس کی پہچان ہے، یہ تو اس کی انا ہے، اسی سے تو وہ اپنے آپ کو پہچانتا ہے۔ اگر تم یہ تصور چھین لو گے تو وہ کیسے جانے گا کہ وہ کون ہے۔ یہ بہت دشوار ہے، وہ آسانی سے اپنا تصور ترک نہیں کرے گا۔ وہ تم پر ثابت کرے گا کہ وہ محبت کے قابل نہیں ہے، وہ تو صرف نفرت کے قابل ہے۔

اور یہی معاملہ تمہارا ہے، تم بھی اپنے آپ سے نفرت کرتے ہو۔ تم بھی کسی کو خود سے محبت نہیں کرنے دے سکتے۔ جب بھی کوئی شخص محبت کی توانائی کے ساتھ تمہارے قریب آتا ہے تم سکڑ سمٹ جاتے ہو، تم فرار چاہتے ہو، تم ڈر جاتے ہو، تم جانتے ہو کہ تم محبت کے قابل نہیں ہو۔ تم جانتے ہو کہ تم صرف باہر سے اچھے دکھائی دیتے ہو، خوبصورت دکھائی دیتے ہو، اندر سے تم گندے ہو، بدصورت ہو۔ اگر تم اس شخص کو خود سے محبت کرنے دو گے تو جلد یا بدیر ___ اور ایسا جلد ہو جائے گا ___ اسے پتا چل جائے گا کہ تم حقیقت میں کیا ہو۔

جس شخص کے ساتھ تمہیں محبت میں رہنا ہو، تم اس کو کتنے عرصے دھوکا دے سکتے ہو؟ تم بازار میں دھوکا دے سکتے ہو، لائنز کلب میں دھوکا دے سکتے ہو، روٹیری کلب میں دھکا دے سکتے ہو ___ مسکراہٹیں ہی مسکراہٹیں۔ تم خوبصورت اداکاری کر سکتے ہو۔ لیکن اگر تم نے کسی عورت یا مرد کے ساتھ چوبیس گھنٹے رہنا ہو تو مسکرائے چلے جانا تھکا دے گا۔ تب مسکراہٹ تمہیں تھکا دے گی، کیونکہ یہ جعلی ہے۔ یہ تو صرف ہونٹوں کی مشق ہے، اور ہونٹ تھک جاتے ہیں۔

تم کب تک میٹھے رہ سکتے ہو؟ تمہاری تلخی سطح پر آ جائے گی۔ لہٰذا جب ہنی مون ختم ہوتا ہے تو ہر شے ختم ہو جاتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی حقیقت جان چکے ہیں، دونوں ایک دوسرے کے جعلی پن کو جان چکے ہیں، دونوں ایک دوسرے کے جھوٹے پن کو جان چکے ہیں۔

لوگ قریب آنے سے کتراتے ہیں۔ قریب آنے کا مطلب ہے، اداکاری ترک کر دینا۔ جبکہ تم جانتے ہو کہ تم کون ہو: بے قیمت، محض مٹی۔ تمہیں شروع سے یہی تو بتایا گیا ہے۔ تمہارے ماں باپ، تمہارے استاد، تمہارے پنڈت، تمہارے سیاستدان سب تمہیں یہی تو بتاتے رہے ہیں کہ تم مٹی ہو، بے قیمت ہو۔ کسی نے تمہیں کبھی قبول نہیں کیا۔ تمہیں کبھی کسی نے محبت اور احترام کے قابل ہونے کا احساس نہیں دلایا۔ کسی نے یہ احساس نہیں دلایا کہ تم ضروری ہو، کہ تمہارے بغیر ہستی ایسی نہیں رہے گی، کہ تمہارے بغیر خلا رہ جائے گا، تمہارے بغیر یہ کائنات تھوڑی شاعری کھو بیٹھے گی، خوبصورتی کھو بیٹھے گی: ایک نغمہ کھو جائے گا، ایک سُر کھو جائے گا، اک خلا ہو گا۔ آج تک کسی نے تمہیں یہ نہیں بتایا!

اور یہاں میرا کام یہی ہے یعنی اس بے اعتباری کو برباد کرنا، کہ جو تم نے خود اپنے

اندر پیدا کی ہے، اس ساری مذمت کو مٹانا جو تم پر تھوپی گئی ہے، اسے تم سے لے لینا اور تمہیں یہ احساس دینا کہ تم خود سے محبت کرتی ہے۔ بھگوان نے تمہیں اس لیے تخلیق کیا ہے کیونکہ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔

جب کوئی مصور مصوری کرتا ہے تو وہ اس لیے مصوری کرتا ہے کیونکہ وہ محبت کرتا ہے۔ ونسنٹ وان گوگ ساری زندگی سورج کی تصویریں بناتا رہا۔ وہ سورج سے اتنی محبت کرتا تھا۔ وہ ساری زندگی مصوری کرتا رہا لیکن جو تصویر وہ بنانا چاہتا تھا، نہیں بن پاتی تھی۔ آخر اس کی مطلوبہ تصویر بن گئی، اور اس نے اسی روز خودکشی کر لی۔ اس نے کہا: ''میں جو شے بنانا چاہتا تھا، بن گئی ہے، لہٰذا اب جینا بیکار ہے۔'' وہ سورج سے اتنی محبت کرتا تھا کہ گھنٹوں اسے تکتا رہتا تھا۔ اس سے اس کی بینائی چلی گئی اور آخرِ کار وہ پاگل ہو گیا۔

جب کوئی شاعر کوئی نظم کہتا ہے تو اس لیے کہتا ہے کہ اسے اس سے محبت ہوتی ہے۔ بھگوان نے تمہیں تصویر کیا ہے، بھگوان نے تمہیں گایا ہے۔ بھگوان تم سے محبت کرتا ہے! اگر بھگوان کو تم سے محبت نہ ہوتی تو تم یہاں نہیں ہوتے۔ اپنی ہستی میں پرسکون رہو۔ کل تم میں سانس لے رہا ہے، تمہاری دھڑکنوں میں دھڑک رہا ہے۔ جب تم اندر موجود کل سے محبت کرنے لگو گے، اس کا احترام کرنے لگو گے اور اس پر اعتبار کرنے لگو گے تو تم اپنی ہستی میں جڑیں قائم کرنے لگو گے۔ تم اپنے اوپر اعتبار کرو گے۔ صرف تبھی تم مجھ پر اعتبار کرو گے۔ صرف تبھی تم اپنے دوستوں پر اعتبار کرو گے، اپنے بچوں، اپنی بیوی، اپنے شوہر پر اعتبار کرو گے۔ صرف تبھی تم درختوں پر اور جانوروں پر اور ستاروں پر اور چاند پر اعتبار کرو گے۔ تب انسان صرف اعتبار کی حیثیت میں زندہ رہتا ہے۔ یہ فلاں یا فلاں پر اعتبار کا سوال نہیں رہتا، انسان تو بس اعتبار کرتا ہے۔

اور اعتبار کرنا مذہبی ہونا ہے۔

یہی سنیاس کا کام ہے۔ سنیاس اس سب کو مٹا دیتا ہے، جو معاشرہ کر چکا ہوتا ہے۔ یہ صرف اتفاق نہیں ہے کہ پنڈت میرے خلاف ہیں، سیاست دان میرے خلاف ہیں، والدین میرے خلاف ہیں، پوری کی پوری ایسٹیبلشمنٹ میرے خلاف ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں ہے۔ میں اس کی واضح منطق کو سمجھ سکتا ہوں۔ میں اس سب کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا

ہوں، جو انہوں نے کیا ہے۔ میں اس غلام معاشرے کے پورے ڈھانچے کو سبوتاژ کر رہا ہوں۔

میری کوشش ہے کہ باغیوں کو تخلیق کروں، اور باغی کی شروعات اپنے پر اعتبار کرنے سے ہوتی ہے۔ میں تمہیں اپنے پر اعتبار کرنے میں مدد دے سکتا ہوں، میں تمہاری مدد کر چکا ہوں۔ ضرورت کسی شے کی نہیں ہے، ہر شے خود بخود ہو جائے گی۔



ذہن کا سچ

تم نے پوچھا ہے: ''جان للّی کہتا ہے ذہن جس شے پر یقین کرتا ہے، وہ سچ ہوتی ہے یا سچ بن جاتی ہے، کیا آپ اس پر تبصرہ فرمائیں گے؟''

صدیوں سے ایسا ہو رہا ہے۔ خود تنویمی کا طریقہ یہی تو ہے۔ جان للّی قطعاً غلط ہے۔ وہ کہتا ہے: ''ذہن جس شے پر یقین کرتا ہے، سچ ہوتی ہے......'' ایسا نہیں ہے۔ وہ سچ صرف دکھائی دیتی ہے۔

اور وہ کہتا ہے: ''یا وہ سچ بن جاتی ہے۔'' وہ یقین کرنے سے سچ کبھی نہیں بنتی، بلکہ وہ سچ دکھائی دینے لگتی ہے۔ ہاں، یقین کرنے والے کے لیے وہ سچ بن جاتی ہے، حالانکہ وہ سچ نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یقین کی شروعات لاعلمی سے ہوتی ہے۔ یقین سچ کو تخلیق نہیں کر سکتا۔ سچ تو پہلے سے موجود ہوتا ہے۔

اتیشا کا پہلا بنیادی اصول یاد رکھو: سچ ہے۔ اس کو ہونے کے لیے تمہارا اس پر یقین کرنا ضروری نہیں۔ تم یقین کرو یا نہ کرو، اس سے سچ پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ سچ تو سچ ہے، خواہ تم اس پر یقین کرو یا نہ کرو۔

تاہم اگر تم کسی شے پر یقین کرو تو وہ کم از کم تمہیں سچ جیسی دکھائی دینے لگتی ہے۔ یقین کے یہی تو معانی ہیں۔ یقین کا مطلب ہے کسی شے پر سچ کے طور پر یقین کرنا۔ تم جانتے ہو کہ تم نہیں جانتے۔ تم جانتے ہو کہ تم سچ کو نہیں جانتے، تاہم اپنی لاعلمی میں تم یقین کرنے لگتے

ہو کیونکہ یقین سستا ہوتا ہے۔

سچ کو دریافت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس میں طویل عرصے تک سفر کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے ذہن کا بالکل خالی ہونا ضروری ہے۔ اس کے لیے دل کو صاف شفاف کرنا ضروری ہے۔ اس کے لیے ایک خاص معصومیت کی ضرورت ہوتی ہے، ایک بار پھر جنم لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہیں دوبارہ بچہ بننا ہوتا ہے۔

صرف چند لوگوں نے سچ کو دریافت کرنے کی جرأت کی ہے۔ یہ عمل خطرناک ہوتا ہے، ممکن ہے یہ اس سب کو بکھیر ڈالے جو تم پہلے سے جانتے ہو اور تمہیں اپنی ساری زندگی ازسرِنو ترتیب دینا ہوگی۔ یہ خطرناک ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ تمہارے سارے اوہام کو بکھیر ڈالے، ہوسکتا ہے یہ تمہارے سارے خوابوں کو بکھیر ڈالے۔ یہ حقیقتاً آگ میں سے گزرنا ہے، تم جیسے ہو، یہ تمہیں جلا ڈالے گا، تم جیسے ہو، یہ تمہیں ہلاک کر ڈالے گا اور کون جانتا ہے کہ بعد میں کیا ہوگا؟

بیج کیسے جان سکتا ہے کہ مٹی میں مرنے سے وہ درخت بن جائے گا؟ واقعے کے سمے وہ وہاں موجود نہیں ہوگا۔ بیج کیسے جان سکتا ہے کہ ایک روز، اس کے مرنے سے بہت ساری ہریاول ہوگی، سبز پتے، گھنی شاخیں اور پھول اور پھل ہوں گے؟ بیج تو کیسے جان سکتا ہے؟ بیج وہاں نہیں ہوگا۔ اس واقعے کے ہونے سے پہلے بیج غائب ہو چکا ہوگا۔ بیج کبھی درخت سے نہیں ملتا ہے۔ بیج کو غائب ہونا اور مر جانا ہوتا ہے۔

صرف چند لوگ ہی اس قدر جرأت کے حامل ہوتے ہیں۔ سچ کے دریافت کرنے کے لیے حقیقتاً حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم جیسے ہو، تم مر جاؤ گے۔ یقیناً تم جنم لو گے، تاہم تمہیں اس کا قائل کیسے کیا جا سکتا ہے؟ کیا کوئی ضمانت ہے؟ کوئی ضمانت نہیں ہے۔

لہٰذا جب تک تم کسی ایسے گرو کے ہمراہ نہیں ہوگے، جو مر چکا ہو اور دوبارہ جنم لے چکا ہو، جو خود کو مصلوب کر چکا ہو اور دوبارہ زندہ ہو چکا ہو ـــ جب تک تم کسی بدھ یا اتیشا جیسے انسان کے ساتھ نہیں ہوگے، تم جرأت نہیں کر سکو گے۔

یقین تمہیں سچ نہیں دے سکتا، یہ صرف دکھاوا کرتا ہے۔ یہ سستا ہے، یہ پلاسٹک کا پھول ہے۔ تمہیں گلاب کا پودا اُگانے کی ساری دقتیں سہنے کی ضرورت نہیں ہے، تم تو بازار سے

پلاسٹک کے پھول خرید کر لا سکتے ہو ـــ اور وہ زیادہ عرصہ چلتے ہیں، درحقیقت وہ تقریباً ابدی ہوتے ہیں۔ تم کبھی کبھی انہیں دھوتے ہو اور وہ دوبارہ تازہ ہو جاتے ہیں۔ وہ تمہیں دھوکا نہیں دیتے، تاہم تم کم از کم پڑوسیوں کو تو دھوکا دے سکتے ہو، اور یہی اصل بات ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ پلاسٹک کے پھول ہیں۔ تم یہ کیسے بھلا سکتے ہو؟ تمہی نے تو انہیں خریدا ہے! پڑوسی ہوسکتا ہے دھوکا کھا جائیں، لیکن تم کیسے دھوکا کھا سکتے ہو؟

اور میرا خیال ہے کہ پڑوسی بھی دھوکا نہیں کھاتے کیونکہ وہ بھی پلاسٹک کے پھول خرید چکے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہیں دھوکا دے رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تم انہیں دھوکا دے رہے ہو۔ ہر شخص خوب جانتا ہے کہ ہر شخص دھوکا دے رہا ہے۔ تاہم لوگ کہتے ہیں: ''یہی زندگی ہے۔'' حقیقتاً کوئی شخص دھوکا نہیں کھاتا۔ لوگ دھوکا کھانے کی اداکاری کرتے ہیں۔ صرف دیکھو، مشاہدہ کرو اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تمہیں اس کا تجربہ ہو جائے گا۔ یہ ایک سادہ سی حقیقت ہے۔ میں فلسفہ نہیں بگھار رہا ہوں، میں تو حقائق بیان کر رہا ہوں۔

جان للی نے جو کہا ہے نِری بکواس ہے۔ وہ کہتا ہے: ''ذہن جس شے پر یقین کرتا ہے، وہ سچ ہوتی ہے۔'' وہ سچ بالکل نہیں ہوتی کیونکہ یقین کا سچ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ تم یقین کر سکتے ہو کہ یہ رات ہے لیکن صرف تمہارے یقین کر لینے سے دن رات نہیں بننے والا۔ تاہم تم یقین کر سکتے ہو، تم اپنی آنکھیں بند کر سکتے ہو اور تمہارے لیے یہ رات ہے ـــ لیکن صرف تمہارے لیے، یاد رکھو! سچ میں نہیں ہے۔ تم ایک قسم کے وہم میں زندہ ہوگے۔

یقین میں یہ خطرہ ہے۔ وہ تمہیں احساس دلاتا ہے کہ تم سچ کو جانتے ہو۔ چونکہ وہ تمہیں سچ کو جاننے کا احساس دلاتا ہے، اس لیے وہ تلاش میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ یقین کرو یا یقین نہ کرو ـــ تمہارا راستہ رک جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یقین نہ کرنا بھی ایک منفی روپ میں یقین کرنا ہے۔

کیتھولک خدا پر یقین رکھتے ہیں، کمیونسٹ ''لا خدا'' (No God) پر یقین رکھتے ہیں۔ دونوں ہی یقین کرنے والے (Believers) ہیں۔ تم چرچ جاؤ یا کومنٹرن، کیلاش جاؤ یا کریملن، ایک ہی بات ہے۔ چونکہ انہوں نے سچ کو دریافت کرنے کی زحمت نہیں کی اس لیے ان کا یقین ان کے راستے کی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ وہ کبھی زائری پر نہیں جائیں گے۔ ان

کے نزدیک اس کا کوئی فائدہ جو نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ہی وہم کے گھیرے میں زندہ رہیں گے ۔۔۔ اپنے گھڑے ہوئے وہم، اپنے برقرار رکھے ہوئے وہم کے گھیرے میں۔ وہ تسلی بخش ہو سکتا ہے، آزادی بخش نہیں۔ کروڑوں لوگ اپنی زندگیاں یقین کرنے اور یقین نہ کرنے میں ضائع کر رہے ہیں۔

سچ کی جستجو صرف تب شروع ہوتی ہے جب تم اپنے سارے یقین ترک کر دیتے ہو۔ تم کہتے ہو: ''میں سچ کو خود تلاش کروں گا۔ میں کسی بدھ پر یا کرشن پر یقین نہیں کروں گا۔ میں خود بدھ بننا پسند کروں گا۔ میں اپنے لیے خود روشنی بننا پسند کروں گا۔''

اگر تم اپنا احترام کرتے ہو تو بدھ بنو، لیکن بدھ مت کو ماننے والا مت بنو۔ بدھ مت کو ماننے والا یقین کرتا ہے۔ بدھ جانتا ہے۔

جب تم جان سکتے ہو؟ جب جاننا ممکن ہے تو تم یقین کیوں کر رہے ہو؟ تاہم معاشرہ چاہتا ہے کہ تم یقین کرو، کیونکہ یقین کرنے والے اچھے لوگ ہوتے ہیں، فرمانبردار ہوتے ہیں، قانون کے پابند ہوتے ہیں۔ وہ ساری رسومات اور آداب سے واقف ہوتے ہیں، وہ کبھی مشکل کھڑی نہیں کرتے۔ وہ تو بس ہجوم کی پیروی کرتے ہیں، خواہ وہ کوئی بھی ہجوم ہو۔ وہ تو بس ہجوم کے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہ حقیقی انسان نہیں ہوتے، وہ بھیڑیں ہوتے ہیں۔

انسان ابھی تک نہیں آیا ہے۔ انسان ابھی راستے میں ہے۔ ہم حیوانیت اور انسانیت کے بیچ بھٹک رہے ہیں، ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

انسان کو ابھی آنا ہے، انسان کو ابھی جنم دیا جانا ہے۔ ہمیں انسان کے رونما ہونے کے لیے زمین تیار کرنا ہوگی۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ انسان تب آئے گا جب ہم یقین کرنا چھوڑ دیں گے۔ اگر تم یقین کرنا چھوڑ دو تو فوراً تمہاری توانائی ایک نیا رخ لیتی ہے، وہ تحقیق و جستجو کرنا شروع کر دیتی ہے اور تحقیق و جستجو کرنا خوبصورت ہے۔ تمہاری زندگی سچ کی زائری بن جائے گی، اور اس زائری میں تم نشوونما پاؤ گے۔

نشوونما سچ کی جستجو کی ضمنی پیداوار ہے۔ یقین کرنے والے کبھی نشوونما نہیں پاتے، وہ بچپنے میں ہی رہتے ہیں (Childish) ۔۔۔ اور یاد رکھو بچوں جیسا ہو (Child Like) اور بچپنے

میں رہنا (Childish) بالکل الگ الگ باتیں ہیں۔ اعتبار والا آدمی بچوں جیسا ہوتا ہے جبکہ یقین والا آدمی بچپنے میں رہتا ہے۔ بچوں جیسا ہونا نشوونما کے دوران ناگزیر ہے، یہ تو عروج ہوتا ہے ۔۔۔ شعور اپنے عروج کو پہنچ جاتا ہے۔ بچوں جیسے ہونے کا مطلب بزرگ ہونا ہے، جبکہ بچپنے میں رہنے کا مطلب بالغ نہ ہونا ہے۔

اس وقت کرۂ ارض پر انسان کی اوسط ذہنی عمر بارہ سال سے زیادہ نہیں ہے۔ جب پہلی بار یہ پتا چلا تھا تو لوگوں کو شدید دھچکا لگا تھا۔ پہلے کبھی کسی نے اس بارے میں نہیں سوچا تھا، صرف اتفاقاً یہ معلوم ہوا۔ ہوا یہ کہ پہلی عالمی جنگ کے دوران، انسانی تاریخ میں پہلی بار فوج میں بھرتی ہونے والوں کی ذہانت بھی ناپی گئی۔ تب ایک بہت بڑا انکشاف ہوا کہ ان کی اوسط ذہنی عمر بارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔

یہی بچپنے میں رہنا ہے۔ جسم بڑھتا ہے لیکن ذہن بارہ سال کی عمر میں ہی تھم جاتا ہے۔ یہ کس طرح کا انسان ہم نے کرۂ ارض پر تخلیق کر لیا ہے؟ ذہن بارہ سال کی عمر میں ہی کیوں تھم جاتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بارہ سال کی عمر تک پہنچ کر انسان ہر طرح کے یقین جمع کر لیتا ہے۔ انسان ''جان لیتا'' ہے کہ سچ کیا ہے۔ کوئی بائبل پر یقین کرتا ہے تو کوئی داس کیپیٹال پر، کوئی بھگود گیتا پر یقین کرتا ہے تو کوئی ماؤزے تنگ کی لال کتاب پر۔

ہم بے بس بچوں کے معصوم ذہنوں میں تصورات اور نظریات ڈرل کے ذریعے ٹھونس دیتے ہیں۔ وہ پہلے ہی سے جاننے والے بن رہے ہوتے ہیں۔ کیا تم جانتے ہو، سات کی عمر تک بچہ اس کا پچاس فیصد جان چکا ہوتا ہے جو کہ اس نے کبھی جاننا ہوتا ہے۔ چودہ سال کی عمر تک وہ پہنچ چکا ہوتا ہے۔ اب کہیں نہیں جانا ہے، اب وہ نباتات کی طرح جئے گا۔ اب وہ گوبھی کی طرح جئے گا۔ اگر وہ کالج جائے گا تو بقول شخصے پھول گوبھی بن جائے گا۔ جس گوبھی نے کالج کی تعلیم حاصل کر لی ہو وہ پھول گوبھی بن جاتی ہے۔ تاہم فرق کوئی زیادہ نہیں ہوتا۔ صرف لیبل تبدیل ہوتے ہیں۔ گوبھی ایم۔اے، پی ایچ ڈی اور فلاں اور فلاں بن جاتی ہے اور ہم صرف احتراماً اسے پھول گوبھی کہتے ہیں۔ تاہم ذہنی سطح تو وہی بارہ سال والی ہی رہتی ہے۔

حقیقی انسان اختتام تک نشوونما پاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ جب وہ مر رہا ہوتا ہے، تب

بھی وہ نشوونما پا رہا ہوتا ہے۔ اس کی زندگی کا آخری لمحہ بھی ایک تلاش ایک جستجو، ایک کھوج، ایک جانکاری ہوتا ہے۔ وہ اب بھی جستجو کر رہا ہے ــ اب وہ موت کو جاننے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ سحر زدہ ہو جاتا ہے۔ موت ایک ایسا انجانا مظہر ہے، ایسا بھید ہے ــ زندگی سے زیادہ پراسرار، بھیدوں بھری! ذہین انسان کیسے خوفزدہ ہو سکتا ہے؟ اگر وہ زندگی میں انجانے راستے پر چلتے ہوئے نہیں ڈرا تو موت کے لمحے میں بھی وہ بے خوف ہی ہوگا۔ اب آخری لمحہ آ چکا ہے، وہ اندھیرے میں داخل ہو جائے گا، موت کی اندھیری سرنگ میں۔ یہ تو انسان کے سامنے آنے والا عظیم ترین ایڈونچر ہے۔ وہ سیکھ رہا ہوگا۔

حقیقی انسان کبھی یقین نہیں کرتا ہے، وہ تو سیکھ رہا ہوتا ہے۔ حقیقی انسان کبھی علم والا نہیں بنتا۔ وہ ہمیشہ کشادہ رہتا ہے، سچ کے لیے کشادہ۔ وہ ہمیشہ یاد رکھتا ہے، "ایسا نہیں ہے کہ سچ کو مجھ سے ہم آہنگ ہونا ہے بلکہ مجھے سچ سے ہم آہنگ ہونا ہے۔" یقین کرنے والا سچ کو اپنے سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تلاش کرنے والا خود کو سچ سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ اس فرق کو یاد رکھنا۔ فرق بہت بڑا ہے۔ جو شخص یقین کرتا ہے؛ وہ کہتا ہے: "سچ کو ایسا ہونا چاہیے، یہ میرا عقیدہ ہے۔"

یقین کرنے والا تو اپنے تجربے پر بھی اعتبار نہیں کرتا ہے۔ سچ منکشف بھی ہو جائے تو وہ اسے رد کر دے گا، جب تک وہ اس کے مطابق نہ ہو۔ وہ سچ سے زیادہ اہم ہوتا ہے ــ سچ کا فرض ہے کہ اس کے مطابق ہو۔ وہ کسوٹی ہے، وہ فیصلہ کن عامل ہے۔ اس قسم کا انسان کبھی سچ کو نہیں جان سکتا۔ وہ تو پہلے ہی سے تعصب زدہ ہے، زہر سے بھرا ہوا ہے۔

جو شخص سچ کو جاننا چاہتا ہو اسے سچ کے حوالے سے تمام تصورات کو رد کر دینے کا اہل ہونا چاہیے۔ سچ کے حوالے سے ہر شے ترک کر دینا ہوگی۔ صرف تبھی تم سچ کو جان سکتے ہو۔ خوب سمجھ لو کہ سچ کے بارے میں جاننا سچ کو نہ جاننا ہے۔ جو کچھ بھی تم جانتے ہو، ممکن ہے وہ سراسر بکواس ہو۔ درحقیقت لوگوں کو کسی بھی طرح کی بکواس پر یقین کرنے کی تربیت دی جا سکتی ہے، انہیں قائل کیا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی شے منطقی ہو تو اس پر یقین کرنے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ تم سورج پر یقین نہیں رکھتے، تم چاند پر یقین نہیں رکھتے۔ کچھ لوگ ہیں جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ زمین

اندر سے کھوکھلی ہے اور زمین کے اندر لوگ رہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسی بات کرے تو تم اسے رد کر سکتے نہ قبول کر سکتے ہو تاہم کم از کم تم اسے توجہ سے ضرور سنتے ہو، اور یہی ان لوگوں کا مقصد ہوتا ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے توجہ سے سنا جائے، اور ایک بات یقینی ہے کہ یہ شخص تم سے زیادہ جانتا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ زمین کھوکھلی ہے یا نہیں، یہ آدمی جانتا ہے۔ شاید وہ درست ہی کہتا ہو۔

سچ کو صرف مراقبے سے پایا جا سکتا ہے۔



کانٹے

طریقے کسی کام کے نہیں ہوتے تاہم وہ ایک مقصد پورا کر سکتے ہیں۔ مقصد منفی ہے۔ اگر تمہارے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہے تو تم اسے دوسرے کانٹے کی مدد سے نکال دیتے ہو۔ جب پہلا کانٹا پاؤں سے نکل گیا ہو تو احسان مندی میں دوسرے کانٹے کو پہلے کانٹے کے زخم میں مت گھسیڑو۔ دونوں کو پھینک دو! دوسرا کانٹا بھی پہلے کانٹے جیسا ہی ہے۔ ان کی صفات مختلف نہیں ہیں۔

چونکہ تمہارا ذہن کچرے سے بھرا ہوا ہے اس لیے اسے صاف کرنے کے لیے کسی شے کی ضرورت ہے۔ تاہم جو شے بھی کچرے کو نکالنے کے لیے استعمال ہوگی، وہ بھی کچرا ہی ہوگی۔ زہر کو زہر ہی مارتا ہے۔ دوسرے زہر سے مت چمٹو، یہ سوچ کر کہ وہ دوا ہے۔ دوسرے زہر کے نشئی مت بنو۔

طریقے خوبصورت نہ تھے اور نہ ہی ہیں۔ تاہم وہ ایک مقصد پورا کرتے ہیں۔ انسان حماقت میں جی رہا ہے، اور اسے یہاں سے نکالنا ہے۔ تمام طریقے سیڑھیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ جب تم سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والی منزل پر پہنچ چکے ہو تو تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اسے پھینکا جا سکتا ہے۔

درحقیقت جب تم سیڑھی چڑھ چکے ہوتے ہو تو تم اسے استعمال کر چکے ہوتے ہو اور زندگی کے ایک مختلف حصے میں پہنچ چکے ہوتے ہو۔ اب سیڑھی کو فوراً پھینک دو، ایسا نہ ہو کہ تم اس سے چمٹنے لگو۔

تمہیں ذہن کو اپنے نظام سے نکالنا ہوگا۔ جب تم علم کو اپنے نظام سے نکال دو گے تو دفعتاً تمہیں اس حقیقت کا پتا چلے گا کہ تم تو سُورگ میں ہو۔ اب چونکہ زہر تمہارے نظام سے نکل گیا ہے، اس لیے ڈراؤنا خواب ختم ہو گیا ہے۔

زیادہ آگاہ بنو، زیادہ چوکس بنو، زیادہ مشاہدہ کرنے والے بنو، ذہن فوراً غائب ہو جائے گا۔



شیخی مت بگھارو

روحانی تجربوں کے بارے میں بات نہیں کرنی چاہیے۔ اگر تم اس کے بارے میں بات کرنے کی بہت زیادہ ضرورت محسوس کرتے ہو تو تم اپنے گرو سے رابطہ کر سکتے ہو، تم اپنے گرو کے ساتھ معلومات کا تبادلہ کر سکتے ہو، تم اپنے گرو کو اپنے دل کی بات بتا سکتے ہو۔ اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے، کیونکہ گرو کو دل کی بات بتا دینا ہمیشہ فائدہ مند ہوتا ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تم گرو کے پاس جو کچھ بھی لاؤ گے وہ تمہیں احساس دلائے گا کہ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ کہے گا: ''احمق مت بنو۔ یہ تو محض کچرا ہے۔ بھلا دو اسے۔'' حد تو یہ ہے کہ اگر تم نروان بھی اس کے پاس لے جاؤ گے تو وہ کہے گا، یہ تو کچھ بھی نہیں ــــ پھینک دو اسے باہر! اسے وہاں پھینک دو جہاں تم نے جوتے اتارے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ نروان بھی!

یہ گرو پر چیلے کے کام کا ایک بھید ہے۔ وہ کبھی تمہاری پشت نہیں تھپکے گا، وہ کبھی نہیں کہے گا، ''شاباش! تم عظیم ہو، تم پا چکے ہو!''

دوسری بات یہ ہے کہ وہ تمہیں آگاہی عطا کرے گا کہ تجربے، خواہ وہ کتنے ہی خوبصورت ہوں، محض تجربے ہی ہیں۔ حقیقی وہ نہیں ہے جس کا تجربہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ ہے جو تجربہ کرتا ہے۔ گرو ہمیشہ مشاہدے پر زور دے گا، داخلیت پر، موضوعیت پر زور دے گا، خارجیت اور معروضیت پر نہیں۔

کوئی شخص عظیم روشنی کو دیکھتا ہے ــــ اور جب تم داخلی روشنی کو دیکھتے ہو تو وہ نہایت خوش کن لمحہ ہوتا ہے۔ خوشی سے تمہارے پاؤں زمین پر نہیں لگتے، تم اتنے خوش ہوتے ہو کہ

سارا وزن کھو دیتے ہو، کششِ ثقل تم پر اثر کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ تمہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر تم چاہو تو اڑ بھی سکتے ہو۔

تاہم اگر تم گرو کے پاس جاؤ تو وہ کہے گا: ''تو پھر کیا ہوا؟ ایسا تو ہر کسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ کوئی خاص بات تو نہیں ہے، دوسرے اس سے بھی بہتر کر رہے ہیں۔ یہ تو محض ایک تجربہ ہے اور تجربے کا مطلب ہے کوئی شے خارج میں ہے۔ تجربہ کرنے والے کو یاد رکھو۔ جو روشنی کے تجربے سے گزر رہا ہے، تم وہ نہیں ہو: تم اس کے شاہد ہو، اسے دیکھ رہے ہو۔ ہاں روشنی ہے، لیکن تم روشنی نہیں ہو۔ تم وہ ہو جس نے روشنی دیکھی ہے۔ دیکھنے والے کو یاد رکھو۔''

گرو ٹانگیں کھینچنے کے فن کے عظیم ماہر ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے تم سیدھے کھڑے ہو اور وہ تمہاری ٹانگیں کھینچ لیں اور تم زمین پر چت گرے ہوئے ہو۔ اگلی مرتبہ جب کوئی عظیم روحانی تجربہ رونما ہو گا تو تم گرو کے پاس جاتے ہوئے اور اس کے بارے میں بتاتے ہوئے بھی ڈرو گے۔ یہ بہت اہم بات ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر تم نے ان کے بارے میں باتیں کرنے لگو، اگر تم ان کی نمائش شروع کر دو تو جو توانائی ان کی نشوونما کے لیے ضروری ہوتی ہے، وہ ان کی نمائش میں استعمال ہونے لگتی ہے۔

بیج کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ مٹی میں چھپا ہوا ہو۔ اسے بار بار باہر نہیں لانا چاہیے، اگر تم اسے باہر لاؤ گے تو تم اسے فنا کر ڈالو گے۔ یہ روحانی تجربے بھی عظیم بیجوں جیسے ہوتے ہیں۔ چیلے کو راز کو راز رکھنے کا فن سیکھنا ہو گا۔ گرو کے ساتھ رہنے کا یہ ایک جوہری اصول ہے: راز کو راز میں رکھنے کی اہلیت۔

> ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک شخص کسی ایسے گرو کی تلاش میں تھا، جس نے حتمی راز کو پا لیا ہو۔ وہ کئی لوگوں سے ملا لیکن مایوس و مضطرب ہوا۔ آخر اس نے سنا کہ دور صحرا میں ایک ایسا انسان رہتا ہے، جو حتمی راز کو پا چکا ہے تاہم اسے قائل کرنا اور حتمی راز اس سے لینا بہت مشکل ہے۔ وہ کسی کو آسانی سے اپنا چیلا نہیں بناتا۔
>
> اس شخص نے اپنا سب ساز و سامان بیچا اور صحرا کی طرف چل پڑا۔ اسے

وہاں پہنچنے میں تین سال کا عرصہ لگا۔ بعض اوقات وہ بہت تھک جاتا، وہ اپنی تلاش سے اکتا جاتا، اس نے کئی بار گھر واپس چلے جانے کا فیصلہ کیا لیکن انا اس کو روک لیتی۔ یہ تلاش کرنے والے کی انا کے خلاف تھا۔۔۔ ''لوگ کیا کہیں گے؟ گھر واپس گئے تو وہ ہنسیں گے اور کہیں گے: ''ہم نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا نا!''

چنانچہ وہ چلتا رہا، چلتا رہا اور آخرِ کار پہنچ ہی گیا۔ بوڑھے آدمی کے پاس ضرور کچھ تھا، یہ اسے دیکھتے ہی پتا چلتا تھا، صاف عیاں تھا۔۔۔ وہ کئی گروؤں سے مل چکا تھا، لیکن سب جعلی تھے۔ اس آدمی کے پاس یقیناً کچھ تھا۔ اس نے بوڑھے آدمی کی آنکھوں میں دیکھا تو اسے ایسی گہرائی نظر آئی، جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

بوڑھا آدمی ایک درخت تلے بیٹھا تھا، اور درخت کے اِرد گرد ایک ایسی فضا تھی کہ متلاشی کا عجیب حال ہو گیا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ نشے میں ہو۔ وہ بوڑھے کے قدموں میں گر پڑا اور بولا: ''میں حتمی راز کو جاننے کے لیے آیا ہوں۔ بھگوان کے واسطے مجھے اس راز سے آگاہ کر دیجئے۔''

گرو نے کہا: ''اس کے لیے تمہیں تین سال خاموش رہنا ہوگا، ایک لفظ بھی نہیں بولنا ہوگا۔ تین سال تک مطلق خاموشی کے ساتھ میری خدمت کرو۔ اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو پھر میں تمہیں راز بتا دوں گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ راز کو راز میں رکھنا ہوتا ہے۔ اگر تم تین سال تک خاموش رہنے میں کامیاب رہے تو یہ اس امر کی علامت ہوگی کہ تم کوئی شے اپنے اندر رکھنے کے اہل ہو۔''

متلاشی متفق ہو گیا۔ وہ تین سال تو بہت ہی لمبے ہو گئے تھے، ایسا لگتا تھا کہ تین جنم ہوں...... صحرا، آدم نہ آدم زاد، صرف وہ بوڑھا اور خاموشی ۔۔۔ صحرا کی خاموشی، بوڑھے کی خاموشی اور تین سال۔ ایسا لگتا تھا جیسے

بے شمار سال گزر گئے ہوں۔ جب تین سال پورے ہو گئے تو متلاشی نے کہا: ''جناب! تین سال گزر گئے ہیں۔ اب تو مجھے راز سے آگاہ کیجئے۔''

گرو نے کہا: ''تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ تم کسی کو یہ راز نہیں بتاؤ گے۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔ مجھ سا پکا وعدہ کرو۔''

متلاشی نے کہا: ''میں وعدہ کرتا ہوں! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں، بھگوان سے وعدہ کرتا ہوں۔ میں دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں کبھی کسی کو اس راز سے آگاہ نہیں کروں گا۔''

بوڑھا ہنسنے لگا۔ اس نے کہا: ''ٹھیک ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے اگر تم اس راز کو ساری زندگی راز میں رکھ سکتے ہو تو کیا میں نہیں رکھ سکتا؟ میں نے بھی اپنے گرو سے یہی وعدہ کیا تھا۔ میں راز نہیں بتا سکتا! تاہم میں تمہیں ایک بات بتاؤں گا۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میں تین سال تک خاموش رہا تھا، اور وہ تین سال میرے لیے بھی اُتنے ہی طویل تھے جتنے کہ تمہارے لیے۔ پھر وہ دن آ گیا اور میں بہت خوش تھا کہ میں تین سال خاموش رہنے میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ تاہم میرے ساتھ بھی یہی ہوا! میں نے اس سے راز کے بارے میں پوچھا اور اس نے کہا: ''وعدہ کرو کہ تم راز کبھی کسی پر افشا نہیں کرو گے۔'' میں نے وعدہ کیا، اور وہ اسی طرح ہنسا جیسے میں ابھی ہنسا تھا۔ وہ بولا: ''تمہارا کیا خیال ہے، اگر تم راز کو راز میں رکھ سکتے ہو، تو کیا میں نہیں رکھ سکتا؟'' پس حقیقت یہ ہے کہ راز کوئی نہیں ہے۔ سارا ہنر راز کو راز میں ''رکھنے'' کا ہے۔ سوال راز کا نہیں ہے۔ میرا اپنا فہم یہ ہے کہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے میرے گرو کے ساتھ بھی یہی ہوا ہوگا، اس کے گرو کے ساتھ بھی، اور یہ سلسلہ دور تک جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ راز کوئی نہیں ہے، لیکن ہم نے اسے راز میں رکھنا بہت سیکھ لیا ہے!''

نکتہ سمجھو: تم راز کو راز میں رکھ سکتے ہو کہ نہیں___ سوال یہ نہیں ہے کہ راز کیا ہے؟ وہ راز میں رکھے جانے کے قابل ہے کہ نہیں؟ نکتہ یہ نہیں ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ تمہیں راز کو راز میں رکھنا سیکھنا ہے۔ ہوسکتا ہے گرو تمہارے کان میں سرگوشی کرے: ''دو جمع دو چار ہوتے ہیں۔ اسے راز میں رکھنا۔'' سوال یہ نہیں ہے کہ راز کیا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا تم کوئی شے اپنے اندر رکھ سکتے ہو؟

ابھی کل رات ہی میں رادھا سے کہہ رہا تھا: ''اب تم نے اسے راز میں رکھنا ہے۔'' میں نے اسے کوئی راز نہیں بتایا تھا لیکن اس نے وعدہ کر لیا۔ اس نے کہا: ''ٹھیک ہے، میں اسے راز میں رکھوں گی۔'' میں نے اسے کہا: ''تم کمیون میں سب سے بڑی گپی ہو لہٰذا تم نے اسے راز میں رکھنا ہے۔'' میں نہیں جانتا کہ اس نے کس راز کو راز میں رکھنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن اب اسے راز میں رکھنا ہوگا! راز میں رکھنا ہی فن ہے!

شیخی مت بگھارو!

نمائش مت کرو۔ ذہن کا ایک فطری رجحان نمائش کرنا ہے۔ اگر تم کسی خاص شے کے حامل ہو___ مثلاً تم کسی کے خیالات پڑھ سکتے ہو___ تو یہ فطری ہوگا کہ اسے تم لوگوں کو دکھاؤ۔

ایک مسلمان میرے ساتھ کئی برس رہا۔ وہ بڑا ہی مستقل مزاج تھا۔ میں نے اسے جو کچھ کرنے کو کہا، اس نے کر ڈالا۔ پھر یوں ہوا کہ وہ لوگوں کے خیالات کو پڑھنے پر قادر ہو گیا۔ میرے لیے اسے اس حوالے سے بات کرنے سے روکنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

میں نے اسے اپنے تک رکھنے کا کہا تھا، اس پر کبھی عمل نہ کرنے کا کہا تھا۔ اس نے میری بات مان لی۔ راز میں رکھنے اور نمائش نہ کرنے اور اس پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس میں ایک اور صلاحیت پیدا ہو گئی۔ اب وہ کسی کے علم میں لائے بغیر کوئی بھی خیال اس کے ذہن میں ڈالنے کا اہل ہو گیا تھا۔ یہ سب اتفاقاً ہوا تھا۔ میں نے اسے ایک روز کہیں سفر پر بھیجا۔ سفر کے دوران بس میں بیٹھے بیٹھے اسے خیال آیا کہ اگر وہ لوگوں کے خیالات پڑھ سکتا ہے تو کیا وہ کسی کے ذہن میں کوئی خیال ڈال بھی سکتا ہے؟

چونکہ میں نے اُسے اِس حوالے سے کوئی ہدایت نہیں دی تھی لہٰذا اس نے ایسا کیا۔

اس نے اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص پر کوشش کی ''اپنی سیٹ سے گر جاؤ''___ اور وہ آدمی نیچے گر گیا! میرا چیلا دم بخود رہ گیا۔ اس نے سوچا کہ ممکن ہے یہ اتفاق ہو، وہ آدمی ویسے گرنے والا ہوگا۔ چنانچہ اس نے ایک اور شخص پر کوشش کی اور دوبارہ ویسا ہی ہوا۔ وہ بہت خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ یوں تو میں بس کو بھی پہاڑی سے گروا سکتا ہوں۔ وہ خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے ڈرائیور سے کہہ کر بس رکوائی اور منزل سے پہلے ہی بس سے اتر گیا۔

اس نے واپس آ کر مجھے بتایا۔ اس نے کہا: ''یہ تو بہت خطرناک ہے۔ میں نے دو آدمیوں پر کوشش کی اور میری کوششوں کا نتیجہ نکلا۔ تب میرے ذہن میں خیال آیا کہ یوں تو بس کو بھی گرایا جا سکتا ہے......''

اگر تم مراقبے کے جہان میں داخل ہو گے تو یہ وہاں وقوع پذیر ہونے والی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ ان سے بچو، انہیں کبھی استعمال نہ کرو، ان کی کبھی نمائش مت کرو، اور ان کے بارے میں بات مت کرو___ کیونکہ اگر تم بات کرو گے تو لوگ کہیں گے ''ہمیں اس کا ثبوت دو۔'' اگر تم لوگوں سے بات کرو گے تو وہ ثبوت مانگیں گے۔ تب تم ان پر عمل کرنے لگو گے اور جلد ہی تم توانائی کھو بیٹھو گے۔

توانائی داخلی نشوونما کے لیے ضروری ہے۔ اسے خارج میں بالکل استعمال مت کرو۔ آغاز کا بہترین طریقہ: شیخی مت بگھارو۔



حسد کی آگ میں مت جلو!

اتیشا کہتا ہے کہ تم شیخی مت بگھارو لیکن ہوسکتا ہے دوسرے شیخی بگھاریں۔ یوں حسد ابھرے گا۔ ہوسکتا ہے دوسرے اپنی روحانی قوتوں کی نمائش شروع کر دیں اور ہوسکتا ہے کہ لوگ ان کی روحانی قوتوں کی نمائش پر ان کی پوجا کرنے لگیں اور انہیں عظیم سادھو سنت مانا جانے لگے۔ تم نے اپنے دل میں ایک راز چھپا رکھا ہے اور تم جانتے ہو کہ تم اس شخص سے بڑے معجزے دکھا سکتے ہو۔ انہیں تو لوگ پوج رہے ہیں جبکہ تمہیں کوئی بھی نہیں جانتا۔ تم تو محض لاشخص ہو۔ ہوسکتا ہے یہ سوچ کر حسد ابھرے۔ حسد شیخی بگھارنے کا منفی رُخ ہے۔ تب تم جلد یا بدیر شیخی بگھارنے لگو گے۔

ایک نکتہ سمجھنا ضروری ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی مراقبہ کرنے والا پہلی بار تھوڑی بہت نفسیاتی توانائی حاصل کر لیتا ہے تو فطری طور پر وہ اس کی نمائش بھی کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ نمائش کرنے سے وہ جلد یا بدیر اس توانائی کو کھو بیٹھتا ہے۔ تب ایک بڑا مسئلہ جنم لیتا ہے، اور وہ یہ کہ وہ کچھ کر نہیں سکتا جبکہ لوگ اس کا بہت احترام کرنے لگتے ہیں۔ لوگ اس کی پوجا کرتے ہیں اور اس سے معجزوں کی توقع رکھتے ہیں۔ اب وہ کیا کرے گا؟ وہ جادو کا رُخ کرلے گا، وہ شعبدے سیکھنا شروع کر دے گا تا کہ اپنی عزت بچا سکے۔

ستیہ سائیں بابا اور اس جیسے دوسرے لوگوں کے ساتھ یہی کچھ تو ہوا ہے۔ پہلے کام جو انہوں نے کیے وہ حقیقی تھے، ان کے کیے ہوئے پہلے تجربے جعلی نہیں تھے۔ تاہم جب توانائی ختم ہوگئی ہو اور اب تک تم مشہور ہو گئے ہو اور لوگ اکٹھے ہونا شروع ہو گئے ہیں ــــ احمق

لوگ، بیوقوف لوگ ــــ اور انہوں نے تم سے توقعات وابستہ کر لی ہیں، تو تمہاری انا کا سارا انحصار صرف نمائش پر ہوتا ہے۔

دوسرا ممکن متبادل صرف یہی ہے کہ تم جادو اور شعبدے بازی سیکھنا شروع کر دو تا کہ تم اپنی عزت بچا سکو۔ اگر تم شیخی بگھارو گے تو جلد یا بدیر تم جادوئی شعبدوں کے شکار ہو جاؤ گے۔ تمہیں لوگوں کو دھوکا دینا سیکھنا اور دھوکا دینا ہوگا۔

حسد مت کرو کیونکہ اگر تم حسد کرو گے تو تمہارے لیے راز کو دیر تک راز میں رکھنا ناممکن ہو جائے گا۔



دوسروں کو غصہ مت دلاؤ

لوگوں سے زیادہ مقدس ہونے کا دکھاوا کر کے انہیں غصہ نہ دلاؤ۔ خاص ہونے کا دکھاوا کر کے لوگوں کو غصہ مت دلاؤ۔

لوگوں کو غصہ مت دلاؤ۔ ایسا مت کرو۔

کیوں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ مشکلات تو خود بخود پیدا ہوتی رہتی ہیں لہٰذا ان میں اضافہ مت کرو۔

تمہارا تو ہونا ہی تمہارے لیے مشکلات کھڑی کرتا ہے لہٰذا کم از کم لوگوں کو غصہ نہ دلانے کی ہر ممکن کوشش کرو۔ اگر تم ان سے زیادہ مقدس ہونے کا اظہار کرو گے تو تم مقابل تخلیق کر ڈالو گے۔ اگر تم ظاہر کرو گے کہ تم خاص ہو، تب دوسرے ایسے ہوں گے کہ جو اس بات کو رد کریں گے۔ بحثیں جنم لیں گی، غیر ضروری تنازعے اٹھیں گے، دشمنیاں جنم لیں گی۔

اتیشا نے ایسا ایک انتہائی خاص وجہ سے کہا ہے۔ خاص وجہ یہ ہے کہ جو شخص کوئی روحانی صفت رکھتا ہے، اس کی صرف موجودگی ہی اس کے لیے مشکلات کو پیدا کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے کیونکہ اندھے لوگ بینائی رکھنے والے لوگوں کو پسند نہیں کرتے۔ جو لوگ ہمیشہ اندھیرے میں رہ چکے ہوں، وہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتے جو انہیں روشنی میں لے آئیں۔ وہ ان سے نفرت کرتے ہیں ــ اس کی وجہ یہ ہے کہ روشنی والے انسان کی موجودگی ہی توہین آمیز ہوتی ہے، اس سے انہیں کمتری کا احساس ہوتا ہے۔

ایسا خود بخود ہوتا ہے، لہٰذا پلیز کسی طور ان میں اضافہ مت کرو۔ خواہ تم راز کو راز میں رکھے رہو، پھر بھی چند لوگوں کو اس کا پتا چل جاتا ہے۔ اس کی موجودگی ہی ایسی ہوتی ہے کہ چند لوگ تمہیں پہچان لیں، یہ لازم ہوتا ہے ــ خواہ تم ہمالیہ کو فرار ہو جاؤ، چند لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لازماً تمہیں ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ متلاشی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جو کہ بہت حساس ہیں، ایسے لوگ ہیں جو کہ کئی جنموں سے اپنی زندگیوں میں کسی شے کے رونما ہونے کے منتظر ہیں۔ لہٰذا تم جانے جاؤ گے۔ شیخی بگھارنے کی ضرورت نہیں، حسد کرنے کی ضروت نہیں۔ جتنا ممکن ہو اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرو۔ اس کے باوجود تم جان لیے جاؤ گے۔

تم روشنی کو کسی جھاڑی میں چھپا نہیں سکتے، وہ دکھائی دے جائے گی۔ تم روشنی کو چھپا نہیں سکتے، وہ نظر آ جاتی ہے۔

اور جب متلاشی تمہارے اِرد گرد اکٹھا ہونے لگتے ہیں، جب چیلے اور عقیدت مند آنے لگتے ہیں تو معاشرہ تم سے ناراض ہونے لگتا ہے، معاشرہ تم پر غصہ کرنے لگتا ہے۔ معاشرہ تمہیں اور تمہارے پورے کام اور تمہارے کمیون کو برباد کرنے کی کوشش کرے گا۔

کیوں؟

اس لیے کہ تم معاشرے کی جڑیں کاٹ رہے ہوتے ہو۔ معاشرہ آگے بڑھنے کی خواہش میں جیتا ہے جبکہ تم آگے بڑھنے کی خواہش سے خالی زندگی کا درس رہے ہو۔ وہ میکاولین طریقے سے، سیاسی طریقے سے، شاطرانہ طریقے سے جی رہا ہے جبکہ تم بدھ کے طریقے سکھا رہے ہو۔ وہ حسد کے، تشدد کے، ملکیت پسند کے وسیلے جی رہا ہے، جبکہ تم محبت کا درس دے رہے ہو۔ تم تو اس کی بنیادوں ہی کو منہدم کر رہے ہو، تم تو اس کی جڑوں ہی کو کاٹ رہے ہو۔ وہ تمہیں معاف نہیں کر سکتا، وہ تم سے انتقام لے گا۔ پس نہایت محتاط رہنا ضروری ہے۔



شکریے کی توقع مت کرو

ایسا محسوس ہونا فطری ہے کہ جب تم بھگوان کے قریب سے قریب تر ہوتے ہو تو لوگ تمہارے شکر گزار ہوں۔ تم ان کو ایک تحفہ دے رہے ہو، عظیم ترین تحفہ، بھگوان کا تحفہ۔ ایسا محسوس کرنا بالکل فطری ہے کہ لوگ تمہارے شکر گزار ہوں۔

اس کی توقع مت کرو۔ بلکہ اس کے بالکل الٹ کی توقع کرو، یہ کہ لوگ کبھی تمہیں معاف نہیں کریں گے۔ تم ان کے لیے جتنا بڑا تحفہ لاؤ گے، اتنا ہی زیادہ انہیں غصہ ہوگا۔ وہ تمہیں صلیب پر چڑھا دیں گے، وہ تمہیں زہر دے دیں گے ___ ایسی ہی باتوں کی توقع کرو۔

حد تو یہ ہے کہ یسوع کو بھی توقع نہیں تھی کہ انہیں اس قدر اذیت دی جائے گی، ان پر اس قدر عذاب توڑے جائیں گے۔ انہوں نے صلیب سے پکار کر خداوند سے کہا تھا: ”کیا تم نے مجھے بھلا دیا؟ کیوں؟ میرے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے؟“

اتیشا اپنے چیلوں کو واضح ہدایت دیتا ہے:

شکریے کی توقع مت کرو۔

اس کے برعکس یہ توقع کرو کہ لوگ تم پر غصہ کریں گے، تم سے انتقام لیں گے۔ وہ تم کو سخت اذیتیں دیں گے۔ بہترین کی امید کرو اور بدترین کی توقع۔ اگر وہ تمہیں قتل نہ کریں تو ان کے شکر گزار ہوؤ۔

بدھ کا ایک چیلا ان کی تعلیمات کا پرچار کرنے جا رہا تھا۔ بدھ نے اس سے پوچھا: ”تم کہاں جا رہے ہو، کس سمت میں، کس علاقے کو جا رہے ہو؟“

اس نے بتایا کہ وہ بہار کے ایک دور دراز علاقے میں جا رہا ہے۔ اس علاقے کو ”سُکھا“ کہتے تھے۔ چیلے نے کہا: ”میں وہاں اس لیے جا رہا ہوں کہ آج تک آپ کا کوئی چیلا وہاں نہیں گیا۔“

بدھ نے اس سے کہا: ”فیصلہ کرنے سے پہلے میرے تین سوالوں کے جواب دو۔ پہلا سوال یہ ہے، کیا تمہیں پتا ہے کہ اس علاقے کے لوگ انتہائی تشدد پسند، جلد غصے میں آ جانے والے اور قاتل ہیں؟ وہاں جانا خطرناک ہے۔ میرے دوسرے چیلے اسی لیے وہاں نہیں گئے بلکہ انہوں نے وہاں جانے کا سوچا بھی نہیں۔ اگر وہ تمہاری بے عزتی کریں ___ اور یقیناً وہ تمہاری بے عزتی کریں گے ___ تو تم کس طرح انہیں جواب دو گے؟ تمہارے دل پر کیا گزرے گی؟

چیلے نے کہا: ”آپ کو خوب پتا ہے کہ میرے دل پر کیا گزرے گی، کیونکہ آپ میرے دل کو جانتے ہیں، کیونکہ آپ میرا دل ہیں، آخر آپ ایسے سوال کیوں پوچھ رہے ہیں؟ خیر چونکہ آپ نے پوچھا ہے اس لیے مجھے جواب دینا ہوں گے۔ اگر وہ میری بے عزتی کریں گے تو میں دل کی گہرائیوں سے ان کا شکر گزار ہوں گا کہ انہوں نے میری صرف بے عزتی کی، وہ مجھے مار بھی سکتے تھے۔“

بدھ نے کہا: ”دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر وہ تمہیں ماریں پیٹیں گے تو تم کیا سوچو گے؟“

چیلے نے کہا: ”آپ بخوبی جانتے ہیں کہ میں ان کا شکر گزار ہوں گا کیونکہ میں سوچوں گا کہ انہوں نے مجھے صرف مارا پیٹا ہے، حالانکہ وہ مجھے قتل بھی کر سکتے تھے۔“

بدھ نے کہا: ''تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر وہ تمہیں قتل کر دیں تو تم اپنے دل میں کیا سوچو گے؟''

چیلے نے کہا: ''آپ کو مکمل پتا ہے کہ اگر انہوں نے مجھے قتل کر دیا تو بھی میں ان کا شکرگزار ہوں گا کیونکہ اس طرح وہ مجھے ایک خوبصورت موقع، ایک عظیم ترین چیلنج دے چکے ہوں گے۔'' کیا تم ان لوگوں کے شکرگزار ہو سکتے ہو جو تمہیں قتل کرنے والے ہوں؟ عظیم ترین چیلنج!

''میں ان کا شکرگزار ہوں گا کیونکہ وہ مجھے قتل کر رہے ہیں اور میری زندگی کو مجھ سے چھین رہے ہیں ___ وہ زندگی جس میں ممکن ہے میں کئی غلطیاں کر چکا ہوں۔ اب کوئی امکان نہیں ہے۔ اب میں کبھی کوئی غلطی نہیں کروں گا۔ ایک ایسی زندگی جس میں شاید میں اپنی آگہی سے پرے چلا جاتا...... اب وہ مجھ سے میری زندگی کو چھین رہے ہیں، میں اپنی آگہی سے مزید پرے نہیں ہو سکتا۔ میں تو ان کا شکرگزار ہوں گا، سراپا شکرگزار، کیونکہ جب کسی شخص کو قتل کیا جا رہا ہو، اور اس وقت وہ چوکس رہے تو یہ اس کا آخری جنم ہو گا، وہ دوبارہ اس زمین پر نہیں آئے گا۔ میں تو انہیں اپنے دوست تصور کروں گا، وہ تو مجھے غلامی سے نکال رہے ہیں۔ میں ہمیشہ اپنے دل میں انہیں انتہائی شکرگزاری کے ساتھ یاد رکھوں گا۔''

بدھ نے کہا: ''ٹھیک ہے، تم جہاں چاہو جا سکتے ہو کیونکہ تم جہاں کہیں بھی جاؤ گے میری توانائی کو پھیلانے کے اہل ہو گے۔ تم میری محبت اور میری ہمدردی کو پھیلانے کے اہل ہو گے اور تم لوگوں کو چوکس اور آگاہ بنانے کے اہل ہو گے۔ تم تیار ہو۔''

اتیشا کہتا ہے: شکریے کی توقع مت کرو۔ اس کے برعکس اگر تمہارے ساتھ برا سلوک کیا جائے تو شکرگزار بنو۔ ایسا فطری ہے۔ تمہیں اس بات کا بخوبی علم ہونا چاہیے۔ تمہیں اس کا متوقع ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو یہ ایک معجزہ ہو گا۔ اگر یسوع کو مصلوب نہ کیا جاتا،

اگر سقراط کو زہر نہ دیا جاتا، اگر مہاویر کو بار بار پیٹا نہ جاتا، اگر بدھ کو قتل کرنے کی متعدد کوششیں نہ کی گئی ہوتیں تو یہ انتہائی حیران کن بات ہوتی۔ ایسی باتوں کی تو توقع ہونی چاہیے۔ نوع انسان کا بہت بڑا حصہ اسی طرح جیتا ہے ___ تاریکی میں، ایسی تاریکی میں، ان کی تاریکی سے تم مزید توقع کر سکتے ہو۔



سارے سوال، سارے جواب

تمام سوال احمقانہ نہ ہوتے ہیں اور نتیجتاً تمام جواب بھی۔ سوال ذہن میں یوں اُگتے ہیں جیسے درختوں پر پتے اُگتے ہیں۔ سوال ذہن کا حصہ ہوتے ہیں، جنہیں ترک کر دینا چاہیے۔ سوال ذہن کو پھلنے پھولنے دیتے ہیں۔

سوال درحقیقت خوراک کی تلاش ہوتی ہے۔ جواب خوراک ہے۔ سوال ٹٹولنا، ٹامک ٹوئیاں مارنا ہے۔ ذہن کو بھوک محسوس ہو رہی ہے، وہ بھوک مٹانا چاہتا ہے، وہ کھانا چاہتا ہے، وہ مضبوط ہونا چاہتا ہے۔ وہ خوراک کو ڈھونڈتا ہے۔ وہ ہر کہیں بھوک مٹانے کا سامان ڈھونڈتا ہے ــــ کوئی جواب جو ذہن کو علم والا بنا دے، جو ذہن کو ''اب میں جانتا ہوں'' کا احساس دے، خوراک کا کام دیتا ہے۔ ذہن سوال مسلسل پوچھ سکتا ہے، جواب اکٹھے کرتا رہتا ہے، علم والا بنے جاتا ہے۔

ذہن جتنا علم والا ہوتا ہے اسے ترک کرنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ حالانکہ اسے ترک کرنا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک تم میں سوال موجود ہیں تم خاموش نہیں ہو سکتے۔ جب تک سوال کرنے کا عمل مکمل طور پر رک نہیں جاتا تم وہ خاموشی، ٹھہراؤ، اور سکون نہیں پا سکتے جو کہ تمہیں اس امر سے آگاہ کر سکتے ہیں کہ تم کون ہو، اور یہ حقیقت کیا ہے۔

یاد رکھو حقیقت تم میں کسی جواب کے روپ میں نہیں آئے گی۔ اس طرح کبھی ایسا نہیں ہوا، نہ کبھی اس طرح ایسا ہوگا۔ اس طرح سے ہو بھی نہیں سکتا۔ یہ اشیا کی فطرت ہی نہیں ہے۔ حقیقت تم تک تب آتی ہے جب کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔ حقیقت آگہی کی سوال نہ

کرنے والی حالت میں آتی ہے۔

پس یاد رکھنے کی پہلی بات یہ ہے کہ سارے سوال احمقانہ ہیں، اور سارے جواب بھی۔ اس پر تم ذرا الجھن کا شکار ہو گے ــــ اگر ایسا ہے تو مَیں تمہارے سوالوں کے جواب کیوں دیئے چلا جا رہا ہوں؟ اگر تم میرے جوابوں کی گہرائی میں دیکھو تو تم دیکھو گے کہ وہ جواب نہیں ہیں۔ وہ تمہارے ذہن کو نشوونما نہیں دیتے، وہ تو تمہارے ذہن کو تباہ کر دیتے ہیں، وہ تو تمہیں بکھیر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہ جواب نہیں، یہ تو جھٹکے (Shocks) ہیں۔ میرے جواب دینے کا مقصد تو تمہارے ذہن پر ہتھوڑے برسانا ہے ــــ یہ تو ہتھوڑے برسانے کا عمل ہے، جواب دینے کا عمل نہیں ہے۔

شروع میں جب تم یہاں آتے ہو اور تم مجھے اور میرے مقصد کو نہیں جانتے ہو تو ممکن ہے تم سوچو کہ میں تمہیں جواب دے رہا ہوں۔ جتنا عرصہ تم یہاں گزارو گے، اتنا گہرا تم مجھ سے ہم آہنگ ہو جاؤ گے، اتنا زیادہ تم یہ جان لو گے کہ میرے جواب دینے کا عمل تمہیں جواب دینا نہیں ہے۔ یہ تمہیں زیادہ علم والا بنانا نہیں ہے ــــ بلکہ اس کے الٹ ہے۔ یہ تو تمہارا علم چھیننا ہے، تمہیں بغیر علم والا بنانا ہے، تمہیں لاعلم بنانا ہے ــــ دوبارہ لاعلم، دوبارہ معصوم ــــ تاکہ سوال کرنے کا علم ختم ہو کر رہ جائے۔

اور جب سوال نہیں کیے جاتے تو پھر تمہارا شعور ایک بالکل نئی کیفیت پا لیتا ہے۔ اس کیفیت کو حیرت کہتے ہیں۔ حیران کرنا سوال کرنا نہیں ہے، یہ تو ہستی کے اسرار میں رنگے جانا ہے۔ سوال کرنا ہستی کے اسرار کو، ہستی کے بھید کو کھولنے کے مترادف ہے۔ یہ زندگی کے اسرار کو قبول نہ کرنے کی ایک کوشش ہے۔ چنانچہ ہم ہر اسرار کو ایک سوال میں محدود کر دیتے ہیں۔ سوال کا مطلب یہ ہے کہ اسرار صرف ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جسے حل کرنا ہے، اور جب حل ہو گیا تو کوئی اسرار نہیں رہے گا۔

تمہیں جواب دیتے ہوئے میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہستی کے اسرار کو ختم نہ کروں بلکہ اس کے اسرار میں اضافہ کروں۔ میں مستقلاً ایک سا نہیں ہو سکتا، میں تمہیں جواب نہیں دے رہا ہوں۔ میں مستقلاً ایک سا نہیں ہو سکتا کیونکہ میں یہاں تمہیں علم والا بنانے کے لیے نہیں ہوں۔ اگر میں مستقلاً ایک سا ہو جاؤں گا تو تمہیں علم ملے گا ــــ نہایت اطمینان بخش، نشوونما

دینے والا، مضبوطی دینے والا، آسودگی دینے والا۔

میں ارادتاً ایک سا نہیں رہتا ہوں، تضاد بھرا رہتا ہوں، تاکہ تم مجھ سے علم حاصل نہ کرسکو۔ چنانچہ اگر ایک روز تم کچھ جمع کرنے لگتے ہو تو اگلے دن میں وہ تم سے لے لیتا ہوں۔ میں تمہیں کچھ جمع نہیں کرنے دیتا۔ جلد یا بدیر تمہیں اس حقیقت کی آگہی ہونا ہے کہ یہاں کوئی بالکل مختلف شے وجود پا رہی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ میں تمہیں چند بے روح ضابطے دے رہا ہوں کہ جن پر تمہیں یقین کرنا ہے، کوئی فلسفہ کہ جس کے مطابق جینا ہے۔ نہیں، ایسا بالکل نہیں ہے۔ میں تو سراسر تباہ کار ہوں، میں تو تم سے ہر شے لے رہا ہوں۔

دھیرے دھیرے تمہارا ذہن سوال کرنا چھوڑ دے گا۔ کیا فائدہ ہے اس کا؟ جب کوئی جواب جواب نہیں دیتا، تب کیا فائدہ؟ جس روز تم سوال کرنا چھوڑتے ہو، وہی بے پناہ مسرت کا دن ہوتا ہے کیونکہ تب حیرت کا آغاز ہوتا ہے۔ تم ایک بالکل نئی جہت میں داخل ہو چکے ہوتے ہو۔ تم دوبارہ بچے بن جاتے ہو۔

یسوع کہتے ہیں: ''جب تک تم چھوٹے بچوں جیسے نہیں ہو جاؤ گے، تم خداوند کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو گے۔'' ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تم دوبارہ لاعلم نہیں بن جاتے، دوبارہ معصوم نہیں بن جاتے، سوال نہ کرنے والے اور حیرت کرنے والے۔

بچے کے سوال اور بالغ کے سوال میں فرق ہے۔ فرق کیفیت کا ہے۔ بچہ پوچھتا ہے، جواب نہ پانے کے لیے۔ وہ تو محض اپنی حیرت کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔ پس اگر تم بچے کو جواب نہیں دیتے تو وہ اپنے سوال کو بھلا دیتا ہے اور دوسرا سوال پوچھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کا مقصد جواب پانا نہیں ہوتا، اس کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ وہ خود سے باتیں کرے۔ وہ اپنی حیرت کا اظہار کر رہا ہوتا ہے، وہ حیرت کو، اسرار کو بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ اسے جواب کی آرزو نہیں ہوتی، پس اسے کوئی جواب تشفی نہیں دیتا۔ اگر تم اسے جواب دو گے تو وہ جواب کے حوالے سے ایک اور سوال پوچھے گا۔ اس کی حیرت مسلسل ہوتی ہے۔

جب کوئی بالغ شخص ــــ تعلیم یافتہ، مہذب، صاحبِ مطالعہ، اچھی معلومات رکھنے والا ــــ سوال پوچھتا ہے تو وہ اسے علم کے زور پر پوچھتا ہے، مزید علم حاصل کرنے کے لیے پوچھتا ہے۔ ذہن ہمیشہ مزید اور مزید کا متمنی رہتا ہے۔ اگر تمہارے پاس دولت ہے تو وہ مزید

دولت کا متمنی ہوگا، اگر تم عزت و وقار کے حامل ہو تو وہ مزید عزت و وقار کا متمنی ہوگا، اگر تم علم رکھتے ہو تو وہ مزید علم کا متمنی ہوگا۔ ذہن ''مزید'' میں جیتا ہے۔

اس طرح تم حقیقت سے دور ہوتے چلے جاتے ہو۔ حقیقت ایک بھید ہے، ایک اسرار ہے۔ یہ پوچھے جانے والا سوال نہیں ہے۔ یہ تو جئے جانے والا اسرار ہے، یہ تو ایسا ہے کہ جس کا تجربہ کیا جانا ہوتا ہے، ایک ایسا اسرار جس سے محبت کی جانی ہوتی ہے، ایک اسرار جس میں تحلیل ہونا ہوتا ہے، ڈوبنا ہوتا ہے۔

مین تمہیں جواب دے رہا ہوں، جواب دینے کے لیے نہیں بلکہ سوال کو تباہ کرنے کے لیے۔ میں کوئی استاد نہیں ہوں۔ استاد تمہیں پڑھاتا ہے۔ گرو تمہیں پڑھاتا نہیں ہے، وہ تو تمہیں ''بے پڑھا'' ہونے میں مدد دیتا ہے۔

ذہن کبھی پُر یقین (Sure) نہیں ہوتا ہے۔ ذہن ہمیشہ بے یقین (Unsure) رہتا ہے۔ وہ بے یقینی میں جیتا ہے۔ ذہن کنفیوژن میں جیتا ہے۔ وہ کبھی واضح نہیں ہوتا۔ وضاحت ذہن کا جزو نہیں ہے۔ وضاحت ذہن کی عدم موجودگی ہے، کنفیوژن ذہن کی موجودگی ہے۔ کنفیوژن اور ذہن مترادف ہیں۔

تم واضح ذہن کے حامل نہیں ہو سکتے، اگر تم وضاحت کے حامل ہو تو تم ذہن کے حامل نہیں ہو سکتے۔ اگر تم ذہن کے حامل ہو تو تم وضاحت کے حامل نہیں ہو سکتے۔ ذہن ہمیشہ اپنے خلاف رہتا ہے۔ وہ تنازعے میں جیتا ہے۔ تقسیم اس کی فطرت ہے۔ لہٰذا جو لوگ ذہن میں جیتے ہیں، وہ کبھی فرد نہیں بن سکتے، تقسیم نہ ہونے والے نہیں بن سکتے۔ وہ بٹے ہوئے رہتے ہیں، منقسم: ایک حصہ یہ چاہتا ہے، دوسرا حصہ وہ چاہتا ہے۔

ذہن بہت سی خواہشوں کا ہجوم ہوتا ہے ــــ یہ ایک خواہش نہیں ہوتا۔ ذہن کے کئی حصے ہوتے ہیں، اور ہر حصہ الگ سمت میں پڑا ہوتا ہے۔ جانے ہم خود کو یکجا کیسے رکھتے ہیں، یہ ایک معجزہ ہے۔ خود کو یکجا رکھنے میں انسان کو بڑی سخت کوشش کرنا پڑتی ہے۔ ہم کسی نہ کسی طرح اسے ممکن بنا لیتے ہیں تاہم یکجائی سطح تک ہی رہتی ہے۔ اندر گہرائی میں ہڑبونگ مچی ہوتی ہے۔

تم کسی عورت سے محبت کرتے ہو۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہیں اس سے محبت ہے؟

حقیقتاً یقین ہے؟ میں آج تک کسی ایک بھی ایسے محبت کرنے والے سے نہیں ملا جسے حقیقتاً یقین ہو۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری شادی بھی ہو جائے، تاہم سوال وہی ہے کہ کیا تم پُر یقین تھے؟ ہوسکتا ہے کہ تمہارے بچے ہو جائیں لیکن کیا تم پُر یقین تھے کہ تم حقیقتاً بچے چاہتے ہو؟

یوں جی رہے ہو تم: کچھ بھی یقینی نہیں ہے۔ تاہم انسان کو خود کو مصروف رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوتا ہے۔ پس تم خود کو مصروف رکھے رہتے ہو۔ تاہم تیقن ذہنی نہیں ہوتا، ہو بھی نہیں سکتا۔ ہر سطح پر یہی مسئلہ ابھر آتا ہے۔ تمہیں دوبارہ اسی مسئلے کا سامنا ہوتا ہے۔

تمام فیصلے دل کرتا ہے، ذہن کبھی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اگر تم ذہن کے ذریعے فیصلہ کرنا چاہو تو ایسا کبھی ممکن نہیں ہوگا۔ میں گیان اور بھگوان کے وجود یا حیات بعدالموت جیسے معاملات کی بات نہیں کر رہا۔ میں عظیم معاملات کی بات نہیں کر رہا، میں تو چھوٹی چھوٹی چیزوں کے حوالے سے بات کر رہا ہوں۔ مثلاً یہ صابن خریدا جائے یا نہیں، یہ ٹوتھ پیسٹ خریدا جائے یا نہیں، اور تمہیں فیصلہ نہ کر پانے کا مسئلہ درپیش ہوگا۔

چنانچہ میں تاکید کرتا ہوں کہ تم ذہن سے نکل آؤ اور جینا شروع کرو۔ ذہن صرف سوچتا ہے، جیتا بالکل نہیں ہے۔ وہ خوبصورت باتیں سوچتا ہے، لیکن وہ محض خیال ہوتے ہیں، خواب ہوتے ہیں۔

اگر تم جینا چاہتے ہو تو ذہن سے نکل آؤ۔ اگر تم لمحۂ موجود کو جینا چاہتے ہو تو ذہن سے نکل آؤ۔ ذہن لمحۂ موجود میں نہیں جیتا، کیونکہ پہلے اسے فیصلہ کرنا ہوتا ہے، جبکہ سوچنے میں لمحہ گزر جاتا ہے۔ جب تک ذہن فیصلہ کرے ـــ اگر اس کے لیے فیصلہ ممکن ہو ـــ تو وہ لمحہ گزر چکا ہوتا ہے۔ تم ہمیشہ پیچھے پیچھے گھسٹتے رہتے ہو۔ ذہن ہمیشہ زندگی کے پیچھے بھاگتا ہے، اور اس کے پیچھے پیچھے گھسٹتا رہتا ہے اور اسے مسلسل کھوئے جاتا ہے۔

آنند میتریہ مسلسل یہ خواب دیکھتا ہے کہ وہ ایک ٹرین پر سوار ہونے جاتا ہے لیکن ٹرین ہمیشہ روانہ ہو چکی ہوتی ہے۔ تم میں سے بہت سے ایسے خواب ضرور دیکھتے ہوں گے۔ بہت سے لوگ، میں تو کہتا ہوں ہر شخص اسی طرح کے خواب دیکھتا ہے ـــ کہ تم فلاں کام کرنے ہی والے تھے لیکن تم نہ کر سکے۔ جب تک تم پلیٹ فارم پر پہنچو ٹرین نکل چکی ہوتی ہے۔ تم اسے جاتے ہوئے دیکھتے ہو، لیکن بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ تم اس پر سوار نہیں ہو سکتے۔

آنند میتریہ کا خواب بہت اہم ہے اور آفاقی نوعیت کا ہے۔ سادہ سی بات ہے ذہن ایسے ہی کام کرتا ہے۔ یہ خواب ذہن کا عکاس ہے۔ ذہن ہمیشہ ٹرین پر سوار ہونے سے رہ جاتا ہے۔ ایسا ہونا ہی ہوتا ہے کیونکہ ذہن سوچنے کے لیے وقت لیتا ہے، جبکہ وقت تمہارے لیے رکتا نہیں ہے وقت چلتا رہتا ہے اور تمہارے ہاتھوں سے پھسلتا رہتا ہے۔

تم کبھی دو لمحے اپنے ہاتھ میں اکٹھے نہیں پا سکتے، صرف ایک لمحہ۔ لمحہ اتنا مختصر ہوتا ہے کہ سوچنے کی مہلت بالکل نہیں ہوتی۔ یا تو تمہیں اسے جینا ہے یا پھر تم سوچتے رہو۔ اسے جینا گیانی ہونا ہے، سوچنا، کھونا ہے۔

گیان کوئی مقصد و منزل نہیں ہے کہ تمہیں فیصلہ کرنا پڑے۔ گیان تو یہ انکشاف و ادراک ہوتا ہے کہ جینے کو صرف لمحۂ موجود ہے۔ اگلا لمحہ یقینی نہیں ہے ـــ ہوسکتا ہے وہ آئے، ہوسکتا ہے وہ نہ آئے۔

درحقیقت آنے والی کل کبھی نہیں آتی۔ وہ ہمیشہ ''آنے والی'' ہی رہتی ہے، وہ آرہی ہوتی ہے، لیکن کبھی نہیں آتی۔ جبکہ ذہن آنے والی کل میں جیتا ہے ـــ حالانکہ زندگی صرف حال ہی میں ممکن ہے۔

''اب'' میں جینا گیان پانا ہے، ''یہاں'' میں جینا گیان پانا ہے۔



مابعدالطبیعیات، فلسفہ، شاعری

عورت مابعدالطبیعیات ہے، فلسفہ ہے، شاعری ہے اور مرد بھی۔ جب جیتی جاگتی مابعدالطبیعیات، جیتا جاگتا فلسفہ، جیتی جاگتی شاعری سامنے سے گزر رہی ہو تو یقیناً انسان مابعدالطبیعیات اور فلسفے کو بھول جاتا ہے۔ اسی سے یہ پتا چلتا ہے کہ تم زندہ ہو۔ حسن کو سراہنا، اس میں ڈوب جانا، اس کے نشے میں چُور ہو جانا نہایت قابلِ قدر بات ہے۔

اگر کسی حسین عورت کو دیکھ کر بھی تمہیں بھگود گیتا یاد رہے تو یہ جان لو کہ تم میں کوئی خرابی ہے۔ اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ تم میں کوئی نقص، کوئی خلل ہے۔ اگر تم بھول جاتے ہو تو اس سے پتا چلے گا کہ تم فطری ہو، انسان ہو۔

حساسیت کو بڑھنے دو۔ دھیرے دھیرے تم زیادہ حساس ہو جاؤ گے۔ تم اپنے اردگرد زیادہ حسن دیکھو گے۔ جتنا تمہاری بصیرت بڑھے گی، اتنا ہی حسن بڑھے گا۔ جب تم اس ساری ہستی کو ایک حیرت ناک رقص، ایک جشن کے طور پر دیکھو گے تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔

جشن ہی تو آزادی دیتا ہے، محبت ہی تو آزادی دیتی ہے، حسن ہی تو آزادی دیتا ہے___ مابعدالطبیعیات اور فلسفہ آزادی نہیں دیتے۔

میں تمہیں یہ نہیں کہہ رہا کہ اپنی کتابیں اٹھا کر پھینک دو کیونکہ دنیا میں خوبصورت کتابیں بھی ہیں، جو کہ عظیم تجربوں کی ضمنی پیداوار ہیں۔ ان میں کھو مت جاؤ، تاہم شیکسپیئر، یا کالی داس، یا بدھ، یا اتیشا کی کوئی شے پڑھ کر تم ایک مختلف دروازے سے اسی حسن کی دنیا میں داخل ہو سکتے ہو۔

بھگوان کے مندر کے بہت سے دروازے ہیں۔ ایک دروازہ حسن ہے، دوسرا دانش ہے۔ ایک اور دروازہ محبت ہے، دروازے بہت سے ہیں۔ موسیقی تمہیں وہاں لے جا سکتی ہے، شاعری لے جا سکتی ہے، ادب لے جا سکتا ہے۔ درختوں پر کھلے پھول خوبصورت ہیں___ عظیم نظموں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ شعور کے پھول ہیں۔

تمہیں اپنی کتابیں پھینکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ درحقیقت کتابوں کو پھینک کر تم یہ کہہ رہے ہو گے کہ تم ہنوز ان سے جڑے ہوئے ہو۔ محبت کے سر کے بل کھڑے ہونے کا نام نفرت ہے۔ محبت اور نفرت الگ الگ نہیں ہیں۔ یہ ایک ہیں۔ درحقیقت ہمیں ان دو الفاظ کو الگ الگ استعمال کرنا ترک کر دینا چاہیے۔ ہمیں ایک لفظ بنا لینا چاہیے: محبت نفرت۔ یہ گرم اور سرد کی طرح ایک ہی توانائی ہیں، گرمی اور سردی کی طرح، زندگی اور موت کی طرح، اندھیرے اور روشنی کی طرح۔

تمہیں اپنی کتابوں کو پھینکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان سے لطف اٹھاؤ! کسی حسین عورت کے جسم سے لطف اٹھانا مت چھوڑو، کیونکہ وہ بھی الوہی ہے۔ زندگی سے اس کی ہر جہت میں لطف اندوز ہوؤ۔ یہ ایک جہت ہونے کا خبط کیا ہے؟ یہ یا وہ۔ کیوں؟ دونوں کیوں نہیں؟ "یا" میں کیوں جیا جائے؟ دونوں میں اور "اور" میں کیوں نہ جیا جائے؟ میری سوچ تو یہ ہے کہ دونوں میں اور "اور" میں جیو، "یا" میں جینا چھوڑ دو۔

سورین کیر کے گارڈ نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا عنوان Either/or ہے۔ وہ اپنی ساری زندگی Either/or ہی میں جیا۔ وہ جس عورت سے بے پناہ محبت کرتا تھا، اس سے شادی کرنے کا فیصلہ بھی نہ کر سکا۔ آخر اس عورت نے کسی اور شخص کے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ برسوں فیصلہ نہ کر سکا۔

اس کی کتاب بہت مشہور ہوئی۔ وہ بھی اتنا مشہور ہو گیا کہ جب وہ کوپن ہیگن کی گلیوں سے گزرتا تھا تو گلی کے بچے اور لوگ پیچھے سے آوازے کستے تھے "وہ دیکھو، وہ جا رہا ہے Either/or۔"

بچوں تک کو پتا چل گیا تھا کہ وہ دوراہے میں کھڑا سوچتا رہتا ہے "کدھر جاؤں؟ اِدھر کہ اُدھر۔" وہ گھنٹوں کھڑا سوچتا رہتا تھا کہ "دونوں سڑکیں ایک ہی منزل کو جا رہی ہیں،

دونوں سٹیشن کی طرف جا رہی ہیں، لیکن کس سڑک سے جایا جائے؟"

وہ صرف خیال میں جیتا تھا۔ وہ حقیقتاً ایک مابعدالطبیعیاتی تھا۔ اس کا باپ اس کے لیے ورثے میں بہت دولت چھوڑ گیا تھا لہٰذا اسے کام کاج کی فکر نہیں تھی۔ وہ سارا سارا دن، چوبیس گھنٹے سوچتا رہتا تھا۔ جب اس نے آخری پیسے بینک سے نکلوائے تو وہ گھر جاتے ہوئے راستے میں گر کر مر گیا۔ اس نے اچھا کیا، ورنہ وہ بہت مشکل میں ہوتا۔

انتخاب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بے انتخاب کیوں نہ جیا جائے؟ کیوں نہ وہ سب جیا جائے جو کہ زندگی نے تمہیں فراہم کیا ہے؟ نہ روحانیت پرست بنو اور نہ مادیت پرست: دونوں بنو ___ نہ زوربا بنو اور نہ بدھ: دونوں بنو ___ زوربا بدھ بنو۔ بھگوان نے تم پر جو کچھ نچھاور کیا ہے، سب سے لطف اٹھاؤ۔

یہ ہے میرے سنیاسیوں کو میرا پیغام۔ اگر تم کاملیت میں جینا شروع کر دو، سب کچھ قبول کرتے ہوئے، ہر لمحے کو اس کا حق دیتے ہوئے، ہر شے کا احترام کرتے ہوئے، اور جب کوئی حسین عورت تمہارے پاس سے گزرے تو دفعتاً تمہارے سارے بدن میں ایک خفی لرزش ہونی چاہیے جس سے پتا چلے کہ تم زندہ ہو، پتا چلے کہ تم ابھی مرے نہیں ہو۔

تاہم یہ محض جنسی لرزش نہیں ہونی چاہیے۔ یہ تو نہایت عام سی بات ہے۔ اس کو تو کچھ سوا ہونا چاہیے۔ اسے روحانی لرزش بھی ہونا چاہیے۔ میں جنس کے خلاف نہیں ہوں، لیکن صرف جنسی زندگی جینا زندگی کو کم سے کم جینا ہے۔ زندگی کو مکمل کیوں نہ جیا جائے؟ جنس سے سمادھی تک؟

جب کوئی حقیقتاً خوبصورت عورت تمہارے پاس سے گزرے اور تم میں صرف جنسی ہلچل مچے تو جان لو کہ صرف حیوان زندہ ہے، تم زندہ نہیں ہو۔ تاہم اگر تمہاری روحانیت میں بھی ارتعاش پیدا ہوتا ہے تو پھر تم اپنی کاملیت میں زندہ ہو۔

اور کاملیت میں جینا ہی بھگوان کو جانے والا راستہ ہے۔



شاعری

محبوب اوشو! چند دن پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں آپ کا لیکچر سن رہی ہوں۔ صبح جب میں جاگی تو مجھے اس جملے کے علاوہ سارا خواب بھول چکا تھا "شاعری سپردگی ہے۔"

اس وقت سے میں یہ سوچ رہی ہوں کہ شاعری کا سپردگی سے کیا سروکار ہے اور سپردگی کا شاعری سے۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی سوچ رہی ہوں کہ کیا شاعری محبت، پوجا اور مراقبے جیسا راستہ ہو سکتی ہے؟

دیوارِ یچا! شاعری میں سب کچھ شامل ہے: اس میں محبت بھی ہوتی ہے، اس میں پوجا بھی ہوتی ہے، اس میں مراقبہ بھی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت کچھ ہوتا ہے شاعری میں۔ وہ سب جو الوہی ہے، وہ سب جو خوبصورت ہے، وہ سب جو تمہیں ماورا کو لے جا سکتا ہے، شاعری میں ہوتا ہے۔

شاعری محض شاعری نہیں ہوتی۔ شاعری جوہری دھرم ہے۔ شاعری کا مطلب ہے ہستی کی ایسی حالت جس میں ذہن تمہارے اور ہستی کے بیچ مزید مداخلت نہیں کر رہا، کہ جب تم میں اور ہستی میں ملاپ ہو رہا ہو ___ بلاواسطہ، فوری، کہ جب دفعتاً کُل تم پر حاوی ہو جائے، جہاں تم ایک الگ وجود کی حیثیت سے غائب ہو جاؤ اور کُل تمہارے ذریعے باتیں کرنے

لگے، تمہارے ذریعے رقص کرنے لگے، جہاں تم ایک کھوکھلا بانس بن جاؤ اور کُل تمہیں ایک بانسری میں بدل دے۔

شاعری کُل کا جزو میں ظہور ہے، شبنم کے قطرے میں سمایا ہوا سمندر ہے۔ شاعری معجزہ ہے۔

اور جب میں لفظ شاعری استعمال کرتا ہوں تو میری انگلیاں شیکسپیئر کی طرف، کالی داس کی طرف اشارہ نہیں کرتیں۔ وہ تو محض جزوی شاعر ہیں۔ ہاں وہ شاعری کے کچھ خاص لمحوں کو جانتے تھے لیکن وہ شاعر نہیں تھے۔

جب نمعلوم کے دروازے اُن پر کھلے ہوئے تھے تب انہوں نے صرف چند جھلکیاں دیکھی تھیں، انہوں نے زندگی کے عمیق ترین سرچشموں تک تھوڑی بہت رسائی پائی تھی، تاہم وہ لمحے نامعلوم کی جانب سے تحفے تھے۔

وہ خود نہیں جانتے تھے کہ کُل نے اُن تک کیسے رسائی پائی۔ وہ تقریباً بے شعوری کی حالت میں تھے۔ یہ خواب میں ہوا تھا، جیسا کہ تمہارے ساتھ خواب میں ہوا ہے۔ وہ خواب دیکھنے والے تھے، خوابی (Dreamers) تھے۔

دنیا کے سارے نام نہاد عظیم شاعر، عظیم مصور، موسیقار، مجسمہ ساز، سب کے سب خوابی تھے۔ ہاں، انہوں نے اپنے خوابوں میں چند جھلکیاں دیکھی تھیں، کبھی کبھی روشنی کی کوئی کرن خواب کی رکاوٹ پار کر کے آ گئی تھی، اور صرف ایک کرن ہی شیکسپیئر یا کالی داس کو جنم دینے کے لیے کافی ہے۔ تاہم میں اس طرف اشارہ نہیں کر رہا ہوں۔

جب میں کہتا ہوں شاعری، تو میری مراد وہ شاعری ہوتی ہے جو بدھ کے وسیلے رواں ہوتی ہے۔ وہ سچی شاعری ہوتی ہے۔ بدھ خوابی نہیں تھا۔ اتیشا خوابی نہیں تھا۔ اگر وہ تھے تو آ گاہ لوگ تھے۔ خواب غائب ہو چکے تھے، بھاپ کی طرح اُڑ چکے تھے۔ ایسا نہیں ہے کہ سچ کی صرف ایک جھلک ان پر نا آ گہی میں حاوی ہو گئی تھی اور پھر انہیں کھوکھلا، استعمال شدہ، تھکا ہوا چھوڑ گئی تھی۔

عام شاعر تو لمحہ بھر ہی کو زمین سے اوپر اٹھتا ہے پھر لمحہ بھر بعد وہ دوبارہ زمین پر آ جاتا ہے۔

بدھ کے تو پَر ہوتے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ سب سے دور واقع ستارے تک کیسے جانا ہے۔ وہ نامعلوم تک پہنچنے والے راستے کو جانتا ہے، اس کے پاس بھید بھرے جہان کے دروازے کے قفل کھولنے والی چابی ہوتی ہے۔

وہ گرو ہوتا ہے۔ تب اس کے وسیلے کوئی شے بہنے لگتی ہے، جو کہ اس کی اپنی نہیں ہوتی۔ وہ صرف وسیلہ ہوتا ہے۔ تب وہ جو کچھ کہتا ہے شاعری ہوتی ہے۔ اگر وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی بھی شاعری ہوتی ہے۔ اس کی شاعری میں حیرتناک موسیقی ہوتی ہے۔ وہ بولے یا نہیں بولے، اس کی اہمیت نہیں ہوتی۔

وہ بولے تو شاعری بولتا ہے، وہ نہیں بولے تو بھی شاعری برقرار رہتی ہے۔ وہ شاعری سے گھرا ہوتا ہے۔ وہ شاعری میں چلتا ہے، وہ شاعری میں سوتا ہے۔ شاعری عین اس کی روح ہوتی ہے، شاعری اس کی جوہری ہستی ہوتی ہے۔

ایسی شاعری کس طرح رونما ہوتی ہے؟ یہ سپردگی میں رونما ہوتی ہے۔ یہ تب رونما ہوتی ہے جب جزو اتنی جرأت یکجا کر لیتا ہے کہ خود کو کُل کے سپرد کر دے، جب شبنم کا قطرہ سمندر میں پھسل جاتا ہے اور سمندر بن جاتا ہے۔

سپردگی ایک انتہائی تضاد بھری حالت ہوتی ہے۔ ایک طرف تو تم غائب ہو جاتے ہو، اور دوسری طرف تم اپنی لامحدود شان و شوکت میں پہلی بار رونما ہوتے ہو، اپنی کثیر جہاتی وجاہت میں۔ ہاں، شبنم کا قطرہ جا چکا ہے، ہمیشہ کے لیے جا چکا ہے، اسے دوبارہ پانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

شبنم کا قطرہ قطرے کے طور پر مر چکا ہے، لیکن درحقیقت شبنم کا قطرہ سمندر بن گیا ہے۔ وہ ہنوز موجود ہے، ایک محدود وجود کے طور پر نہیں بلکہ لامحدود، بے حد و بے کنار کی حیثیت سے۔

یہی قُقنس (Phoenix) کی دیومالا کا مفہوم ہے۔ وہ مر جاتا ہے، وہ جل کر راکھ ہو جاتا ہے، اور پھر دفعتاً راکھ سے دوبارہ جنم لیتا ہے۔ ققنس بدھ کے بطور انا مر جانے اور بطور کاملاً لاانائیت کے نیا جنم لینے کی عکاسی کرتی ہے۔

یہ ان سب کی عکاسی کرتا ہے، جو جان چکے ہیں۔ جاننے کا مطلب ہے ققنس ہونا۔

جیسے تم ہو مر جاؤ، تا کہ تم وہ ہو سکو جو کہ تم حقیقتاً ہو! اپنے پورے غیر مصدقہ پن میں، جعلی پن میں، ہستی سے علیحدگی میں مر جاؤ۔

ہم یہی یقین کیے ہوئے ہیں کہ ہم علیحدہ ہیں۔ ہم علیحدہ نہیں ہیں، ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔ تمہارے یقین کے برخلاف تم کُل سے ملے ہوئے ہو، ایک ہو۔ تاہم تمہارا یقین تمہارے لیے ڈراؤنے خوابوں کو جنم دے سکتا ہے، ایسا ہونا لازم ہے۔ اس یقین کا، کہ ''میں الگ ہوں'' مطلب ہے خوف کا جنم۔

اگر تم کُل سے الگ ہو تو تم خوف سے چھٹکارہ نہیں پا سکتے کیونکہ کُل بے حد وسیع ہے جبکہ تم بہت چھوٹے ہو، اور تمہیں مستقلاً کُل سے لڑنا پڑتا ہے تا کہ وہ تمہیں اپنے اندر جذب نہ کر لے۔ تمہیں مستقلاً چوکنا رہنا پڑتا ہے، کہ کہیں سمندر تمہیں اپنے میں سمو نہ لے۔ تمہیں اپنے آپ کو فصیلوں کے پیچھے چھپانا پڑتا ہے۔ یہ ساری کوشش خوف کے سوا کچھ نہیں۔ تمہیں یہ بھی پتا ہے کہ موت تم تک پہنچنے والی ہے اور موت تمہاری علیحدگی کو ختم کر دے گی۔ موت یہی ہے، موت جزو کو واپس لے جانے والا کُل ہے۔ تم خوفزدہ ہوتے ہو کہ موت آئے گی اور تم مر جاؤ گے۔

طویل مدت تک کیسے جیا جا سکتا ہے؟ موت سے کیسے محفوظ رہا جا سکتا ہے؟ انسان کئی طریقوں سے اس کی کوشش کرتا ہے۔ بچے پیدا کرنا ایک طریقہ ہے۔ اسی لیے بچے پیدا کرنے کی بے پناہ خواہش مستقلاً موجود رہتی ہے۔ بچے پیدا کرنے کی اس خواہش کی جڑ بہرحال بچے نہیں ہیں۔ یہ تو موت ہے۔

تم جانتے ہو کہ تم یہاں ہمیشہ رہنے پر قادر نہیں ہو۔ تم جانتے ہو کہ تم کتنی بھی کوشش کر لو، ناکام ہو جاؤ گے، کیونکہ کروڑوں لوگ ناکام ہو چکے ہیں جبکہ کامیاب کوئی ایک بھی نہیں ہوا۔ تم دوسرے راستے ڈھونڈتے ہو۔

ایک سب سے سادہ راستہ، سب سے پرانا راستہ ہے بچے پیدا کرنا۔ تم یہاں نہیں ہو گے، لیکن تمہارا کوئی پارٹیکل، تمہارا کوئی خلیہ (Cell) زندہ رہے گا۔ یہ لافانی ہونے کا ایک متبادل طریقہ ہے۔

اب سائنس زیادہ جدید طریقے ڈھونڈ رہی ہے۔ اب سائنس نے تمہارا ڈپلیکیٹ

تیار کرنے کا طریقہ ایجاد کر لیا ہے۔ تمہارے خلیوں کو محفوظ کر لیا جائے گا، جب تم مر جاؤ گے تب اُن محفوظ شدہ خلیوں سے تمہارا ڈپلیکیٹ بنا لیا جائے گا۔ وہ ڈپلیکیٹ بالکل تمہارے جیسا ہو گا، حد تو یہ ہے کہ جڑواں لوگ بھی اتنی مماثلت نہیں رکھتے ہوں گے۔ اگر تم اپنے ڈپلیکیٹ سے ملے تو حیران رہ جاؤ گے، وہ بالکل تمہارے جیسا ہو گا۔

اب وہ کہتے ہیں کہ تمہارا ڈپلیکیٹ تیار کر کے اسے فریزر میں رکھ دیا جائے گا تا کہ اگر کبھی کسی حادثے میں تم ہلاک ہو جاؤ تو فوراً تمہاری جگہ ڈپلیکیٹ لے لے۔ تمہاری بیوی بالکل نہیں جان پائے گی، تمہارے بچے بھی نہیں جان پائیں گے کہ یہ ڈیڈی تو محض نقل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بالکل تمہارے جیسا ہو گا۔

لوگوں نے دوسرے طریقوں کو بھی آزمایا ہے، اس سے کہیں زیادہ لطیف طریقوں کو، کتابیں لکھو، مصوری کرو، عظیم دھنیں ترتیب دو۔ تم چلے جاؤ گے لیکن موسیقی باقی رہے گی۔ تم چلے جاؤ لیکن کتاب پر تمہارے دستخط رہیں گے۔ تم چلے جاؤ گے لیکن تمہارا بنایا ہوا مجسمہ یہیں رہے گا۔ وہ لوگوں کو تمہاری یاد دلاتا رہے گا۔

تم ان کی یادوں میں باقی رہو گے۔ تم زمین پر چلنے کے اہل نہیں ہو گے لیکن لوگوں کی یادوں میں چلنے کے اہل ہو گے۔ کچھ نہ ہونے سے یہ بہتر ہے۔ مشہور ہو جاؤ، تاریخ کی کتابوں میں کوئی نشان چھوڑ جاؤ__ بلاشبہ وہ محض حاشیے ہوں گے تاہم کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔

انسان صدیوں سے لافانی ہونے کی کوششیں کر رہا ہے۔ موت کا خوف اتنا زیادہ ہے۔ یہ ساری زندگی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتا۔

جس لمحے تم علیحدگی کا تصور ترک کر دیتے ہو، موت کا خوف غائب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے مَیں سپردگی کی حالت کو انتہائی تضادوں بھری حالت قرار دیتا ہوں۔ تم اپنی خوشی سے مرتے ہو، اور یوں تم بہرحال مر نہیں سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کُل کبھی نہیں مرتا، صرف اس کے اجزا کی جگہ تبدیل ہوتی ہے۔ تاہم اگر تم کُل سے مل کر ایک ہو جاتے ہو تو تم ہمیشہ زندہ رہو گے۔ تم جنم اور موت سے ماورا ہو جاؤ گے۔

یہ ہے نروان، گیان، موکش کی جستجو، موت نہ ہونے کی حالت کی تلاش۔ تاہم شرط

جو پوری کرنی ہے بڑی ڈرا دینے والی ہے۔ شرط یہ ہے کہ پہلے تمہیں ایک الگ وجود کے طور پر مرنا ہو گا۔ سپردگی یہی کچھ تو ہے: ایک الگ وجود کے طور پر مرنا، ایک انا کے طور پر مرنا۔ درحقیقت اس میں ڈرنے والی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ تم الگ نہیں ہو۔ یہ محض ایک وہم ہے۔ پس صرف وہم مرتا ہے، تم نہیں۔

یہ ایسے ہے جیسے تم نے رات کے اندھیرے میں کوئی رسی دیکھی ہو اور اسے سانپ تصور کر لیا ہو، اور تم انتہائی خوف میں سانپ سے دور ہو رہے ہو۔ کانپتے ہوئے، پسینے سے نچڑے ہوئے۔ تب کوئی شخص تمہیں بتاتا ہے۔ "ڈرو مت! میں نے اسے دن میں دیکھا تھا۔ مجھے پوری طرح پتا ہے کہ یہ محض رسی ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں تو آؤ میرے ساتھ، میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ وہ صرف رسی ہے۔"

اور بدھ صدیوں سے یہی کچھ تو کر رہے ہیں: "آؤ میرے ساتھ! آؤ اور دیکھو!" وہ رسی کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر تمہیں دکھاتے ہیں کہ یہ صرف رسی ہے، سانپ تو یہاں تھا ہی نہیں۔ سارا خوف غائب ہو جاتا ہے، تم ہنسنے لگتے ہو۔ تم اپنے اوپر ہنسنے لگتے ہو کہ تم کتنے بیوقوف ہو۔

تم ایک ایسی چیز سے ڈر رہے تھے جو کہ تھی ہی نہیں! تاہم وہ تھی یا نہیں، پسینے کے قطرے حقیقی تھے، خوف، لرزہ، دل کی تیز ہو جانے والی دھڑکنیں، وہ پسینے کے قطرے حقیقی تھے — یہ سب چیزیں حقیقی تھیں۔

موت موجود نہیں ہے، موت غیر حقیقی ہے۔ تم ہی اسے تخلیق کرتے ہو، تم علیحدگی تخلیق کر کے اسے تخلیق کرتے ہو۔ سپردگی کا مطلب ہے علیحدگی کے تصور کو ترک کرنا۔ یوں موت خود بخود غائب ہو جاتی ہے۔

خوف نہیں رہتا اور تمہاری زندگی کا پورا ذائقہ ہی بدل جاتا ہے۔ تب ہر لمحہ ایک شفاف خالص پن ہوتا ہے، مسرت کا خالص پن، رحمت کا خالص پن۔ تب ہر لمحہ ابدیت ہوتی ہے۔ اس طرح سے جینا شاعری ہے۔ لمحہ بہ لمحہ، انا کے بغیر جینا شاعری ہے۔ انا کے بغیر جینا حسن ہے، موسیقی ہے، انا کے بغیر جینا، جینا ہے، حقیقتاً جینا ہے۔ میں ایسی زندگی کو شاعری کہتا ہوں: اس شخص کی زندگی جس نے اپنے آپ کو ہستی کے سپرد کر دیا ہو۔

یاد رکھو! جب تم ہستی کو سپرد کرتے ہو تو کوئی حقیقی شے سپرد نہیں کرتے ہو۔ تم محض ایک جھوٹے تصور کو سپرد کرتے ہو، تم صرف ایک وہم کو سپرد کرتے ہو، تم صرف مایا کو سپرد کرتے ہو۔ تم اس شے کو سپرد کرتے ہو، جو کہ کبھی تمہارے پاس تھی ہی نہیں۔ جو شے تمہارے پاس نہیں تھی، اسے سپرد کر کے تم اس شے کو پا لیتے ہو، جو تمہارے پاس ہے۔

اور یہ جاننا کہ "میں گھر میں ہوں، میں ہمیشہ گھر میں رہا ہوں اور میں ہمیشہ گھر میں رہوں گا" سکون و طمانیت کا ایک عظیم منبع ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ "میں اجنبی نہیں ہوں، میں اوپرا نہیں ہوں، میں جڑ سے اکھڑا ہوا نہیں ہوں" اور یہ کہ "میں ہستی سے متعلق ہوں اور ہستی مجھ سے متعلق ہے۔" مکمل سکون اور خاموشی اور ٹھہراؤ چھا جاتا ہے۔

لفظ سپردگی تمہیں بہت غلط تصور دیتا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے تم کوئی شے سپرد کر رہے ہو۔ تم کوئی شے سپرد نہیں کر رہے، تم تو فقط ایک خواب کو ترک کر رہے ہو، تم تو فقط ایک ایسی موہوم شے کو ترک کر رہے ہو جسے معاشرے نے گھڑا ہوا تھا۔

انا ضروری ہے، یہ معاشرے میں کچھ خاص کاموں کو انجام دینے کے لیے ضروری ہے۔ حد تو یہ ہے کہ جب کوئی شخص خود کو بھگوان کے سپرد کر رہا ہوتا ہے، وہ تب بھی لفظ "میں" استعمال کرتا ہے — لیکن اب یہ ایک افادی شے ہوتی ہے، وجودی نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ وہ نہیں ہے، وہ اس لفظ کو اس لیے استعمال کرتا ہے کیونکہ اس کے استعمال نہ کرنے سے دوسروں کے لیے غیر ضروری مشکلیں کھڑی ہو جائیں گی، گفتگو اور ابلاغ ناممکن ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ محض ایک آلہ ہے۔ اگر تم جانتے ہو کہ یہ ایک آلہ ہے، عارضی، افادی، فائدہ مند — یہ وجودی نہیں ہے — تو پھر یہ تمہارے لیے کبھی کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کرے گی۔

ریچا! تمہارے خواب نے تمہیں ایک جھلک دکھائی ہے، تمہارے خواب نے تمہیں ایسی شے دکھا دی ہے جو تم جاگتے میں ممکن ہے نہ دیکھ پاتیں۔ ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے۔ محتاط ذہن زیادہ انا پرست ہوتا ہے۔ معاشرہ صرف محتاط ہونا سکھاتا ہے۔

تم جتنے زیادہ چوکس ہو گے، جتنے زیادہ دیکھنے والے ہو گے، اتنا زیادہ تم معاشرے کی غلامی سے آزاد ہو گے۔ تب صرف تمہارے جسم کو نیند کی ضرورت ہو گی، اور تم نیند میں بھی آگہی سے سرشار رہو گے۔ تمہارے ذہن کو نیند کی ضرورت نہیں ہو گی۔ ذہن کو نیند کی ضرورت

ہوتی بھی نہیں ہے، یہ تو محض ایک ڈالی گئی عادت ہے۔

جب تمہارا ذہن صاف، شفاف اور آزاد ہوگا، تب تمہارے ذہن کو نیند کی ضرورت بہت کم ہوگی۔ اگر تم جسم کے سوجانے کے باوجود چوکس رہو تو ایک معجزہ ہوگا۔ تمہیں پہلی بار پتا چلے گا کہ تم جسم سے الگ ہو۔ جسم سوگیا ہے، تم جاگ رہے ہو۔ تم ایک کیسے ہو سکتے ہو؟ تم فرق دیکھ لو گے، فرق بہت واضح ہے۔

جسم کا تعلق زمین سے ہے۔ تمہارا تعلق آسمان سے ہے۔ جسم کا تعلق مادے سے ہے، تمہارا تعلق بھگوان سے ہے۔ جسم کثیف ہے، تم کثیف نہیں ہو۔ جسم کی حدود ہیں، یہ پیدا ہوا ہے اور مر جائے گا لیکن تم نہ تو پیدا ہوئے ہو اور نہ مرو گے۔

ریچا! تم کہتی ہو کہ تم خواب بھول گئی ہو، صرف یہ جملہ یاد ہے۔ ''شاعری سپردگی ہے۔'' یہی میری تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ دنیا کے لیے میرے پیغام کی سب سے بنیادی بات یہی ہے: شاعری سپردگی ہے، اور سپردگی شاعری ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ میرے سارے سنیاسی تخلیقی بن جائیں ___ شاعر، موسیقار، مجسمہ ساز۔ میں تمہیں زندگی کا اثبات سکھاتا ہوں۔ میں تمہیں زندگی کا احترام کرنے کا درس دیتا ہوں۔ میں تمہیں ترک کی نہیں بلکہ خوشی منانے کی تعلیم دیتا ہوں۔ شاعر بنو! جب میں کہتا ہوں، شاعر بنو، تو اس کا مطلب یہ بالکل نہیں ہوتا کہ تم سب نے شیکسپیئر، ملٹن اور ٹینی سن بننا ہے۔ اگر میرا سامنا شیکسپیئر، ملٹن اور ٹینی سن سے ہو تو میں انہیں بھی کہوں گا کہ شاعر بنو ___ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شاعری کے حوالے سے صرف خواب دیکھ رہے ہیں۔

حقیقی شاعری شعور کی چوتھی حالت میں رونما ہوتی ہے۔ سارے نام نہاد عظیم شاعر صرف خوابی (Dreamers) رہے ہیں، وہ شعور کی دوسری حالت تک محدود رہے ہیں۔ نثر شعور کی پہلی حالت تک محدود رہتی ہے۔

میں جس شاعری کی بات کر رہا ہوں، وہ صرف شعور کی چوتھی حالت میں ممکن ہے، کہ جب ذہن نہ ہو، جب تم صاف، شفاف، چوکس ہو۔ تب تم جو کچھ کرو گے، وہ شاعری ہو گی، تم جو کچھ کرو گے وہ موسیقی ہو گی۔ حتیٰ کہ تم کچھ بھی نہیں کرو گے تب بھی شاعری تمہیں گھیر لے گی۔ وہ تمہاری خوشبو ہوگی، وہ تمہاری موجودگی ہوگی۔

محبت ایک راستہ ہے، پوجا ایک راستہ ہے، مراقبہ ایک راستہ ہے۔ یہ سب شاعری کو جانے والے راستے ہیں۔ جو راستہ بھی تمہیں بھگوان تک لے جاتا ہے وہ تمہیں لازماً شاعری تک بھی لے جاتا ہے۔ بھگوان کا بندہ شاعر کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

میں تمہیں محبت، پوجا اور مراقبے کا درس صرف اس لیے دیتا ہوں کہ یہ سب تمہیں مرکز کی طرف لے جاتے ہیں، اور مرکز شاعری ہے۔ یہ سب شاعری کو جانے والے راستے ہیں۔ خود کو شاعری میں سمو دینا، بھگوان میں سمو دینا ہے ___ اور یقیناً سپردگی کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔



کنفیوژن

کنفیوژن ایک عظیم موقعہ ہوتا ہے۔ جو لوگ کنفیوز نہیں ہیں ان کا مسئلہ بہت بڑا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ وہ جانتے ہیں حالانکہ وہ نہیں جانتے۔ جن لوگوں کو یقین ہوتا ہے کہ وہ کنفیوز نہیں ہیں، وہ حقیقتاً بڑی مشکل میں ہوتے ہیں۔ ان کی کنفیوژن نہ ہونے کی کیفیت بڑی سطحی ہوتی ہے۔ درحقیقت وہ احمق ہوتے ہیں۔

احمق ذرا بھی کنفیوژن کا شکار نہیں ہوتے۔ وہ اتنے ذہین ہی نہیں ہوتے کہ کنفیوژن محسوس کریں۔ صرف ذہین آدمی کنفیوژن محسوس کرتے ہیں جبکہ میڈیا کر لوگ ہنستے مسکراتے روپیہ جمع کرتے، مزید اختیارات اور شہرت کے لیے جدوجہد کرتے زندگی گزار دیتے ہیں۔ اگر تم انہیں دیکھو گے تو حسد محسوس کرنے لگو گے، وہ بہت بااعتماد دکھائی دیں گے، حد تو یہ ہے کہ وہ خوش دکھائی دیں گے۔

اگر وہ کامیاب ہو رہے ہوں، اگر ان کی دولت میں اضافہ ہو رہا ہو، اگر ان کے اختیارات میں اضافہ ہو رہا ہو، ان کی شہرت بڑھ رہی ہو تو تم تھوڑا سا حسد محسوس کرو گے۔ تم بہت کنفیوزڈ ہو جبکہ وہ زندگی کے حوالے سے بہت واضح ہیں۔ ان کی ایک سمت ہے، ان کی ایک منزل ہے، وہ جانتے ہیں کہ اسے کیسے حاصل کرنا ہے۔ وہ کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں، آگے بڑھ رہے ہیں جبکہ تم وہیں کے وہیں ہو۔ کنفیوزڈ ہو کہ کیا کیا جائے، کیا نہ کیا جائے، درست کیا ہے، غلط کیا ہے۔ تاہم ہمیشہ ایسا رہا ہے۔ میڈیا کر پُر یقین ہوتے ہیں۔ صرف ذہین لوگ ہی کنفیوژن کا، انتشار کا شکار ہوتے ہیں۔

کنفیوژن ایک عظیم موقعہ ہے۔ یہ تمہیں بتاتا ہے کہ ذہن کے وسیلے راستہ کوئی نہیں ہے۔ اگر تم حقیقتاً کنفیوزڈ ہو تو تم پر رحمت ہوئی ہے۔ اب کچھ ممکن ہے، کچھ انتہائی قیمتی، تم دہلیز پر ہو۔ اگر تم مکمل طور پر کنفیوزڈ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ذہن ناکام ہو چکا ہے، اب ذہن تمہیں مزید کوئی تیقن مہیا نہیں کر سکتا۔ تم ذہن کی موت کے نزدیک تر آ رہے ہو۔

اور انسان کے لیے اس کی زندگی میں رونما ہونے والی یہ سب سے عظیم بات ہے، عظیم ترین رحمت ہے۔ کیونکہ جب تم دیکھ لو گے کہ ذہن کنفیوز ہے اور ذہن کے وسیلے راستہ ملنا ممکن نہیں ہے تو جلد یا بدیر تم ذہن کو ترک کر دو گے۔ اگر تم اسے ترک نہیں کرو گے تو وہ خود بخود تم سے چھوٹ جائے گا۔ جب ذہن نہیں رہتا ہے، تب کنفیوژن بھی نہیں رہتا۔

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم تیقن پا لو گے۔ نہیں، اور وہ اس لیے کہ اس لفظ کا اطلاق بھی ذہن اور ذہن کی دنیا پر ہوتا ہے۔ جب کنفیوژن ہوتا ہے، تب تو تیقن ہو سکتا ہے، لیکن جب کنفیوژن نہیں رہتا ہے، تب تیقن بھی غائب ہو جاتا ہے۔ تم صرف ''ہوتے'' ہو۔۔۔ صاف۔ نہ کنفیوژن ہوتا ہے، نہ تیقن۔ صرف ایک صاف پن ہوتا ہے، شفافیت ہوتی ہے۔ یہ شفافیت حسن کی حامل ہوتی ہے، وقار کی حامل ہوتی ہے، یہ نایاب جمال کی حامل ہوتی ہے۔

جب نہ تو کنفیوژن ہو اور نہ تیقن، تو یہ انسان کی زندگی کا سب سے خوبصورت لمحہ ہوتا ہے۔ انسان صرف ''ہوتا'' ہے، ایک آئینہ، جو ہے اس کو منعکس کرتا ہوا آئینہ، نہ کوئی سمت، کہیں کوئی بھی نہ جاتے ہوئے، کچھ بھی کرنے کے خیال کے بغیر، صرف لمحے میں، حیرت ناک حد تک لمحے میں۔

جب ذہن نہ ہو تو کوئی مستقبل بھی نہیں ہو سکتا، مستقبل کا کوئی پروگرام بھی نہیں ہو سکتا۔ تب لمحۂ موجود ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ لمحۂ موجود تمہاری ساری ہستی ہے۔ ساری ہستی لمحۂ موجود میں مجتمع ہونے لگتی ہے اور لمحہ انتہائی اہم ہو جاتا ہے۔ وہ گہرائی کا حامل ہوتا ہے، اونچائی کا حامل ہوتا ہے، وہ اسرار کا حامل ہوتا ہے، وہ شدت کا حامل ہوتا ہے، وہ آگ کا حامل ہوتا ہے، وہ تمہیں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے، وہ تم پر حاوی ہو جاتا ہے، وہ تمہاری کایا کلپ کر دیتا ہے۔

تاہم میں تمہیں تیقن نہیں دے سکتا۔ آئیڈیالوجی تیقن دیتی ہے۔ تیقن تمہارے

کنفیوژن کو محض وقتی طور پر کم کرتا ہے۔ تم کنفیوزڈ ہوتے ہو اور کوئی کہتا ہے "فکر مت کرو۔" وہ تمہیں بڑے حاکمانہ انداز میں قائل کرتا ہے، تمہارے کنفیوژن کو خوبصورت کمبل سے ڈھانپ دیتا ہے، اور تم اچھا محسوس کرتے ہو۔ تم نے کنفیوژن سے پیچھا نہیں چھڑا لیا ہوتا، وہ صرف دبا دیا گیا ہوتا ہے۔

اسی لیے لوگ گرجوں، پنتھوں، فلسفوں اور نظام ہائے خیال سے چمٹ جاتے ہیں۔ لوگ نظام ہائے خیال میں اتنا کیوں سرمایہ کھپاتے ہیں؟ لوگ ہندو یا عیسائی کیوں ہوتے ہیں؟ انسان کمیونسٹ کیوں ہوتا ہے؟ کس وجہ سے؟ اس کی ایک وجہ ہے، ایک بڑی وجہ ہے۔ ہر شخص کنفیوزڈ ہے، اور تمہیں تیقن دینے کے لیے کسی کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ پوپ بھی ہو سکتا ہے اور ماؤزے تنگ بھی، وہ کارل مارکس بھی ہو سکتا ہے اور منو بھی۔ کوئی بھی ہو، یہ ضرورت پوری کر دے گا۔ جب بھی بحران کا زمانہ ہوتا ہے تو کوئی بھی ایسا شخص جو چیخ چلا سکتا ہو، تمہارا لیڈر بن جاتا ہے۔ جوزف سٹالن، ایڈولف ہٹلر اور مسولینی اسی طرح اہم لوگ بن گئے تھے۔

لوگ ہمیشہ حیرت سے سوچتے ہیں کہ ایڈولف ہٹلر جرمن جیسی ذہین نسل کے لوگوں پر غالب آنے کا اہل کیسے ہوا؟ اس کی کیا وجہ تھی؟ یہ بظاہر ایک تضاد نظر آتا ہے کہ مارٹن ہائیڈیگر، اس زمانے کا سب سے ذہین فلسفی بھی ہٹلر کا مداح اور حامی تھا۔ عظیم جرمن یونیورسٹیوں کے عظیم پروفیسروں نے ہٹلر کی حمایت کی۔ کیوں؟ یہ کیسے ممکن ہوا تھا؟

ایڈولف ہٹلر محض ایک احمق، ناخواندہ، غیر مہذب انسان تھا۔ تاہم اس میں ایسی کوئی شے تھی جو کہ پروفیسروں میں نہیں تھی۔ اس میں ایسی کوئی شے تھی جو کہ ذہین لوگوں میں نہیں تھی۔ وہ مطلق تیقن کا مالک تھا۔ وہ احمق تھا، لیکن وہ بغیر اگر مگر کے بات کر سکتا تھا۔ وہ یوں بیان دیتا تھا جیسے وہ سب جانتا ہو۔ وہ پاگل تھا تاہم اس کا پاگل پن بہت اثر رکھتا تھا۔ اس نے انسانی تاریخ کا رُخ بدل دیا۔

اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ جرمن اس سے اتنے متاثر تھے۔ وہ ذہین لوگ تھے، ان میں سے چند تو دنیا کے ذہین ترین انسان تھے۔ جبکہ ذہانت ہمیشہ کنفیوژن لاتی ہے۔ یہی ایڈولف ہٹلر کی کامیابی کا راز تھا۔ ذہانت کنفیوژن لاتی اور کنفیوژن ارتعاش لاتا ہے، خوف لاتا ہے۔ ذہین انسان نہیں جانتا کہ جانا کدھر کو ہے، کرنا کیا ہے اور یوں انسان ایک لیڈر کو

ڈھونڈنے لگتا ہے۔ انسان کسی ایسے شخص کو ڈھونڈنے لگتا ہے جو قطعیت کے ساتھ بات کر سکے۔

حال ہی میں ہندوستان میں ایسا ہی ہوا ہے۔ یہ دنیا کا ایک قدیم ترین ملک ہے، فلسفہ اور گیان دھیان کی طویل ترین روایت کا حامل ملک ہے۔ کسی دوسرے ملک کے پاس اتنا وسیع فلسفیانہ ذخیرہ نہیں ہے۔ اور ایسا ملک مرار جی ڈیسائی جیسے آدمی کو وزیر اعظم منتخب کر لیتا ہے، مرار جی ڈیسائی۔ ایک گوبھی! تاہم وہ اپنے اندر کچھ رکھتا ہے ــــ ایک میڈیا کر ذہن کا اڑیل پن، حماقت کی مطلقیت۔

جب بھی لوگ کنفیوژن میں ہوتے ہیں تھرڈ ریٹ (پست) ذہنوں کے شکنجے میں پھنس جاتے ہیں۔ فرسٹ ریٹ (اعلیٰ ترین) ذہن تھرڈ ریٹ ذہنوں کے شکنجے میں اس لیے پھنس جاتے ہیں کیونکہ تھرڈ ریٹ ذہن کنفیوژن کا شکار نہیں ہوتا۔ تھرڈ ریٹ ذہن جانتا ہے کہ اپنا پیشاب پینے سے ساری بیماریاں ٹھیک ہو جاتی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ کینسر بھی اپنا پیشاب پینے سے ختم ہو جاتا ہے۔ یہ مان لینا صرف تبھی ممکن ہے کہ جب تم سو فیصد احمق ہو۔

ذہین انسان جھجکتا ہے، سوچتا ہے، تامل میں پڑتا ہے۔ احمق انسان کبھی سوچ میں نہیں پڑتا، کبھی نہیں جھجکتا۔ جہاں عقل مند انسان سرگوشی کرتا ہے، وہاں احمق آدمی گھر کی چھت پر چڑھ کر اعلان کرتا ہے۔

لاؤتزو کہتا ہے: "شاید میں دنیا کا واحد کنفیوزڈ انسان ہوں۔ ہر شخص پُریقین دکھائی دیتا ہے، سوائے میرے۔" وہ درست کہتا تھا۔ وہ ایسی حیرتناک ذہانت کا مالک تھا کہ کسی شے کے حوالے سے بھی پُریقین نہیں ہو سکتا تھا۔

اگر تم ذہن کو ترک کر دو تو میں تم سے تیقن کا وعدہ نہیں کرتا۔ میں صرف یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ تم واضح ہو گے۔ وضاحت ہو گی، شفافیت ہو گی، تم چیزوں کو جیسی وہ ہیں، دیکھنے کے اہل ہو گے۔ تم نہ تو کنفیوزڈ ہو گے نہ واضح۔ تیقن اور کنفیوژن ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔

تاہم تم ایک خوبصورت لمحے میں ہو، اور دنیا بھی ایک خوبصورت لمحے میں ہے۔ جب کبھی شناخت کا بحران ہوتا ہے، جب کبھی لوگ نہیں جانتے کہ وہ کون ہیں، جب کبھی

ماضی اپنی گرفت کھو بیٹھتا ہے، جب کبھی لوگ روایتی پن کی بندش سے آزاد ہوتے ہیں، جب کبھی ماضی متعلق و برمحل (Relevant) دکھائی نہیں دیتا، تب یہ بحران ابھرتا ہے، شناخت کا عظیم بحران__ ہم کون ہیں؟ ہمیں کیا کرنا ہے؟

یہ موقع لعنت بھی بن سکتا ہے۔ اگر تم کسی ایڈولف ہٹلر کے شکنجے میں پھنس جاؤ تو یہ موقع لعنت بن جائے گا۔ تاہم اگر تم خوش قسمتی سے کسی بدھ کے نزدیک ہوئے تو یہ لعنت نامعلوم کی طرف کھلنے والا ایک عظیم دروازہ بھی بن سکتی ہے۔ اگر تم اتنے خوش قسمت ہوئے کہ تمہیں بدھ سے محبت ہو جائے تو تمہاری زندگی کی کایا کلپ ہو سکتی ہے۔

جو لوگ ہنوز روایت میں جڑے اور گڑے ہوتے ہیں، اور سوچتے ہیں کہ انہیں درست اور غلط کا پتا ہے، وہ کبھی بدھ کی طرف نہیں آتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی جیتے رہیں گے__ روٹین کی زندگی، بے رنگ، مُردہ زندگی۔ وہ اپنے فرائض اسی طرح پورے کرتے رہیں گے جیسے ان کے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے۔ وہ صدیوں ایک ہی راستے پر چلتے رہے ہیں اور صدیوں اسی فرسودہ راستے پر چلتے رہیں گے۔ بلاشبہ جب تم کسی فرسودہ راستے پر چلتے ہو تو تم پُریقین ہوتے ہو__ اس راستے پر بے شمار لوگ چل چکے ہیں۔ تاہم جب تم کسی بدھ سے ملتے ہو اور تم نامعلوم میں سفر کرنے لگتے ہو تو وہاں کوئی ہائی وے نہیں ہوتا، کوئی فرسودہ راستہ نہیں ہوتا۔ تمہیں خود چل کر راستہ بنانا ہوتا ہے، راستہ بنا بنایا نہیں ملتا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ میرا ہر سنیاسی یہ نکتہ سمجھ لے۔ تم یہاں مجھ پر انحصار کرنے کے لیے نہیں ہو، تم یہاں میرے پیچھے پیچھے چلنے، میری پیروی کرنے کے لیے نہیں ہو، تم یہاں صرف مجھے قبول کرنے اور مجھ پر یقین کرنے کے لیے نہیں ہو۔ تم تو یہاں تجربہ کرنے کے لیے ہو۔ تمہیں خود چلنا ہے۔ میں خود چلنے کے لیے تمہاری حوصلہ افزائی کر سکتا ہوں۔ میں تم میں تحقیق و جستجو کے ایک عمل کی شروعات کر سکتا ہوں۔ تاہم میں تمہیں کوئی نظامِ خیال نہیں دوں گا، میں تمہیں کوئی تیقن نہیں دوں گا۔ میں تمہیں صرف زائری دوں گا__ ایک ایسی زائری جو کٹھن ہے، ایک ایسی زائری جس میں لاکھوں کروڑوں کھائیاں ہیں، ایک ایسی زائری جس میں تمہیں ہر روز زیادہ سے زیادہ خطرات کا سامنا ہوگا، ایک ایسی زائری جو تمہیں انسانی شعور کے عروج پر لے جائے گی، شعور کی چوتھی حالت تک لے جائے گی۔ تاہم جتنا اونچا تم جاؤ

گے، گرنے کا خطرہ اتنا زیادہ ہوگا۔

میں تم سے صرف ایک عظیم ایڈونچر کا وعدہ کر سکتا ہوں، خطروں سے بھرے ایڈونچر کا۔ میں تم سے یہ وعدہ بھی نہیں کروں گا کہ تم حاصل کر لو گے__ اس کی وجہ یہ ہے کہ نامعلوم کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی ہے۔

پس اگر تم میرے پاس اپنے کنفیوژن کے علاج کے لیے آئے ہو تو تم غلط انسان کے پاس آ گئے ہو۔ میں اس حوالے سے صحیح انسان نہیں ہوں۔ تاہم اگر تم کنفیوژن اور تیقن دونوں کو ترک کرنے آئے ہو، اور کنفیوژن اور تیقن دینے والے ذہن سے آزاد ہونے کے لیے آئے ہو، اگر تم بھگوان کی تلاش کے حتمی ایڈونچر پر جانے کے لیے آئے ہو، اگر تم انجانے اور بے کنار سمندر کی چنگھاڑتی لہروں میں سفر پر نکلنے کا چیلنج قبول کرنے کی ہمت کرنے آئے ہو تب تم درست انسان کے پاس آئے ہو۔ تب بہت کچھ ممکن ہے۔ میں صرف ''ممکن'' کہتا ہوں__ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مطلق طور پر یقینی ہے۔ یہ ہمیشہ ایک امکان ہوتا ہے: ممکن ہے تم اسے کر پاؤ، ممکن ہے نہ کر پاؤ۔ ضمانت کوئی نہیں ہے۔ یہ کوئی بیچنے خریدنے والی شے نہیں ہے کہ جس کی ضمانت دی جا سکے، یہ تو جُوا ہے۔

اور اگر تم جُوئے کے لیے تیار ہو، تو اس حلقۂ بدھ میں داخل ہو جاؤ۔ مزید انتظار کی ضرورت نہیں ہے__ تم پہلے ہی بہت انتظار کر چکے ہو، کئی جنم۔

سوال یہ نہیں ہے کہ میں تمہیں سنیاس دوں، سوال یہ ہے کہ تم سنیاس لو۔ اپنا دل کھولو! میں تو ہمیشہ دے رہا ہوتا ہوں۔ سوال تمہارا اسے قبول کرنے، وصول کرنے کا ہے۔ اسے خوش آمدید کہو۔



پاپی اور پنڈت

اچھا اور برا سب انسان کا بنایا ہوا ہے۔ پاپی اور پنڈت سب انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔

اور بہرحال یہ مختلف نہیں ہیں۔ فرق و اختلاف محض ظاہری ہے، سطح پر ہی ہے، سطح سے ذرا بھی نیچے نہیں ہے۔ ذرا سا کھرچو گے تو تمہارا پنڈت پاپی نکلے گا۔

فرق زیادہ نہیں ہے۔ بس ذرا سا کھرچو گے تو پنڈتوں میں پاپیوں کو پاؤ گے اور پاپیوں میں پنڈتوں کو۔ سب اچھا، سب برا محض اضافی ہے، انسان کا بنایا ہوا ہے۔

اگر تم اس حالت کو پا چکے ہو کہ اچھے اور برے کا وجود مٹ گیا ہے تو یہ بہت "اچھا" ہوا ہے! اب ایک اور جہت میں داخل ہو جاؤ، کہ جہاں کچھ برا نہیں ہے، کچھ اچھا نہیں ہے، جہاں جو کچھ ہے۔ جہاں جو کچھ نہیں ہے، نہیں ہے۔ اچھے اور برے کا کوئی سوال نہیں ہے، یا تو کوئی شے ہے، یا نہیں ہے۔ اچھا اور برا متبادل کے سوا کچھ نہیں، کہ جن میں انتخاب کیا جانا ہوتا ہے۔۔۔ یا یہ یا وہ۔ وہ تمہیں یا کی تقسیم میں رکھتے ہیں۔

جس لمحے تم سارے اچھے اور برے کی لایعنیت کو دیکھنا شروع کرتے ہو، جب تم یہ دیکھنے لگتے ہو کہ یہ تو سماجی اعتبار سے ڈھالی گئی چیزیں ہیں ...... بلاشبہ یہ فائدہ مند ہوتی ہیں، اور میں یہ نہیں کہہ رہا کہ بازار جاؤ اور کسی شے کو اچھا یا برا کے زمرے میں شامل نہ کرو۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ سڑک کے درمیان میں چلو، یہ کہتے ہوئے کہ انسان دائیں چلے یا بائیں اس کی کوئی افادیت نہیں ہے۔

یاد رکھو جب تم لوگوں میں ہوتے ہو تو ان کے لیے اچھا اور برا ہنوز وجود رکھتے ہیں۔ ان کا اور ان کے خوابوں کا احترام کرو۔ تمہیں کسی کے خوابوں کو چھیڑنا نہیں ہے۔ تم کون ہوتے ہو؟ تم کون ہوتے ہو دخل دینے والے؟ لوگوں کے ساتھ اور ان کی حماقتوں کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ، ان کے ساتھ اور ان کے کھیلوں کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔ تاہم اس دوران یاد رکھو، کہ گہرائی میں نہ کچھ اچھا ہے، نہ برا۔

ہستی تو فقط "ہے"۔ انتخاب کرنے کو کچھ نہیں۔ اور یاد رکھو! جب انتخاب کرنے کو کچھ نہیں ہوتا ہے تو تم غیر منقسم ہو جاتے ہو۔ جب انتخاب کرنے کو کچھ ہوتا ہے تو وہ تمہیں تقسیم کر دیتا ہے۔ تقسیم ایک دو دھاری تلوار ہے۔ یہ حقیقت کو باہر سے تقسیم کرتی ہے اور تمہیں اندر سے۔ اگر تم انتخاب کرتے ہو تو تم تقسیم کا انتخاب کرتے ہو، تم شیزوفرینیا کا انتخاب کرتے ہو۔ اگر تم انتخاب نہیں کرتے ہو، اگر تم جانتے ہو کہ نہ کچھ اچھا ہے، نہ کچھ برا، تو تم ہوش مندی کا انتخاب کرتے ہو۔

کسی شے کا انتخاب نہ کرنا، ہوش مندی کا انتخاب کرنا ہے۔ انتخاب نہ کرنا ہوش مندی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب باہر تقسیم نہیں رہی، پس تم اندر سے کیسے تقسیم ہو سکتے ہو؟ اندر اور باہر، داخل اور خارج ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ تم ناقابلِ تقسیم بن جاتے ہو، تم ایک فرد بن جاتے ہو۔ یہ ہے فرد بننے کا عمل۔ نہ کچھ اچھا، نہ کچھ برا۔ جب یہ سورج تمہارے شعور میں طلوع ہوتا ہے تو دفعتاً تم یکجا ہو جاتے ہو، سب ٹکڑے ایک میں ضم ہو جاتے ہیں۔

یہ دنیا کو مشرقی شعور کا ایک عظیم ترین تحفہ ہے۔ مغربی دھرم ابھی تک اچھے اور برے کے تصور کے گرد منڈلا رہے ہیں، معلق ہیں۔ اسی وجہ سے عیسائیوں کے لیے اپنشد، لاؤتزو، چوانگ زو کو سمجھنا اتنا مشکل ہے، ان کے لیے انہیں سمجھنا ناممکن ہے۔ وہ ہمیشہ عیسائی ذہن سے غور کرتے ہیں "کہاں ہیں احکامات؟" جبکہ احکامات نہیں ہیں! اپنشد کبھی نہیں کہتے کہ فلاں شے اچھی ہے، فلاں شے بری ہے۔ وہ کبھی نہیں کہتے کہ فلاں کام کرنا ہے، فلاں کام نہیں کرنا۔ وہ حکم نہیں دیتے۔ وہ تو شاعری ہیں۔ وہ ہستی میں مست ہیں، مسرور و شادمان ہیں، چھلک رہے ہیں۔

یہ جان لینا کہ نہ کچھ برا ہے، نہ اچھا، ایک موڑ ہوتا ہے۔ تم اندر دیکھنا شروع کر

دیتے ہو۔ خارجی حقیقت معنویت کھو دیتی ہے۔ سماجی حقیقت ایک جھوٹ ہے، ایک خوبصورت ڈراما ہے۔ تم اس میں حصہ لے سکتے ہو، تاہم تب تم اسے سنجیدگی سے نہیں لو گے۔ وہ محض ایک کردار ہوگا جو تم نے نبھانا ہوگا۔ اس کردار کو خوبصورت سے، خوش اسلوبی سے، ممکنہ حد تک عمدگی سے نبھاؤ۔ تاہم اسے سنجیدگی سے مت لو۔ اس میں حتمی پن بالکل بھی نہیں ہے۔

حتمی اندر ہوتا ہے، ناقابلِ تقسیم روح اسے جانتی ہے۔ اس روح کی طرف آنا ایک اہم تبدیلی ہے۔



ہمدردی

مراقبہ سرچشمہ ہے، ہمدردی اس سرچشمے سے پھوٹنے والی ندی ہے۔ غیر مراقباتی انسان محبت کرنے کی توانائی سے محروم ہوتا ہے، وہ ہمدردی برتنے، خوشی منانے کی توانائی سے محروم ہوتا ہے۔

غیر مراقباتی انسان توانائی کے اپنے ہی سرچشمے سے کٹا ہوا ہوتا ہے، وہ سمندر سے جڑا ہوا نہیں ہوتا۔ اس کے پاس تھوڑی بہت توانائی ہوتی ہے، جو کہ خوراک کی، ہوا کی، مادے کی پیدا کردہ ہوتی ہے ___ وہ طبیعی توانائی پر جیتا ہے۔

طبیعی توانائی محدود ہوتی ہے۔ وہ وقت کے ایک خاص لمحے میں پیدا ہوتی ہے اور وقت کے ایک دوسرے لمحے میں مر جاتی ہے۔ جنم اور موت کے درمیان وہ وجود پذیر ہوتی ہے۔ وہ ایک دیے جیسی ہوتی ہے جو اس لیے جلتا ہے کہ اس میں تیل ہوتا ہے۔ جب تیل ختم ہو جاتا ہے تو شعلہ بجھ جاتا ہے۔

مراقباتی آدمی ایک لامحدود شے سے واقف ہوتا ہے، وہ توانائی کے ختم نہ ہونے والے سرچشمے سے جُڑا ہوتا ہے۔ اس کا شعلہ ہمیشہ فروزاں رہتا ہے، اس کا شعلہ کسی تعطل سے واقف نہیں ہوتا۔ وہ معدوم نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ظاہر ہی نہیں ہوا ہوتا۔ وہ مر نہیں سکتا کیونکہ وہ نازائیدہ ہوتا ہے، وہ پیدا ہی نہیں ہوا ہوتا۔

انسان خود کو زندگی کے، فراوانی کے، ثروت کے اس ختم نہ ہونے والے سرچشمے سے کیسے جوڑ سکتا ہے؟ تم اس ختم نہ ہونے والے سرچشمے کو بھگوان کہہ سکتے ہو، سچ کہہ سکتے ہو یا جو

تم چاہو کہہ سکتے ہو۔ تاہم ایک بات مطلقاً یقینی ہے کہ انسان ایک لامحدود شے کی لہر ہے۔

اگر لہر خود کو دیکھے تو وہ لامحدود کو پالے گی۔ اگر وہ باہر ہی کو دیکھتی رہے گی تو الگ تھلگ ہی رہے گی ـــ اپنی ہی سلطنت سے الگ تھلگ، اپنی ہی فطرت سے الگ تھلگ۔

مراقبہ کچھ نہیں سوائے تمہیں اندر لے جانے والے پُل کے۔ جب مراقبہ رونما ہو چکا ہوتا ہے تب سوائے ہمدردی کے رونما ہونے کو کچھ نہیں بچتا۔

بدھ کہتا ہے کہ جب تک ہمدردی رونما نہ ہو صرف مراقبے پر قناعت مت کرو۔ ابھی تم نے صرف آدھا راستہ طے کیا ہے، ابھی تمہیں تھوڑا مزید آگے جانا ہے۔ اگر مراقبہ سچا ہو تو وہ لازماً ہمدردی کی صورت میں چھلکتا ہے۔

بالکل ایسے ہی جیسے کہ دیا جلتے ہی روشنی پھیلا دیتا ہے، وہ فوراً اندھیرے کو دور کر دیتا ہے۔ جب اندر کا دیا جلتا ہے تو ہمدردی اس کی روشنی ہوتی ہے۔

ہمدردی اس امر کا ثبوت ہے کہ مراقبہ رونما ہو چکا ہے۔ محبت ایسی خوشبو ہے جو یہ ثابت کرتی ہے کہ تمہاری ہستی کے انتہائی داخلی مرکز میں ایک ہزار پتیوں والا کنول کا پھول کھل چکا ہے، بہار آ چکی ہے، تم وہ شخص نہیں رہے جو کہ تم ہوا کرتے تھے، وہ شخصیت ختم ہو چکی ہے اور فردیت جنم لے چکی ہے، اب تم اندھیرے میں نہیں جی رہے بلکہ اب تم روشنی ہو۔

اتیشا فلسفی نہیں ہے، نہ ہی کوئی دانا انسان فلسفی ہوتا ہے۔ وہ سوچنے والا نہیں ہے۔ سوچنا صرف میڈیا کر کے لیے ہے، احمق کے لیے ہے۔ دانا انسان سوچتا نہیں ہے، دانا انسان جانتا ہے۔ سوچنا جاننے کی ایک کوشش ہے، یہ اندازے لگانا ہے، اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنا ہے، اندھیرے میں تیر چلانا ہے۔

دانش جاننے کو کہتے ہیں۔ جب تم جانتے ہو تو اندازے کی ضرورت نہیں رہتی۔ تم یہ اندازہ نہیں لگاتے کہ صبح ہو چکی ہے اور پرندے چہچہا رہے ہیں اور درخت دھوپ میں نہائے ہوئے ہیں۔ تم یہ اندازہ نہیں لگاتے ہو، تم سوچتے نہیں ہو کہ ایسا ہے۔

اگر کوئی ایسا سوچتا ہے تو ضرور وہ نابینا ہو گا یا کم از کم نشے میں ہو گا۔ یہ تو ایک تجربہ ہے اور ہر تجربہ اپنا ثبوت ہوتا ہے۔

جب تم منطق کی کوئی کتاب پڑھتے ہو تو تم اسے مختلف ذہن سے پڑھتے ہو۔ جب

تم شاعری پڑھتے ہو تو تم اسے مختلف ذہن سے پڑھتے ہو۔ منطق میں "چنانچہ" ہوتا ہے۔ شاعری میں کوئی چنانچہ نہیں ہوتا۔ شاعری کوانٹم جستیں بھرتی ہے۔ شاعری منطقی عمل نہیں، وژن ہوتی ہے۔

جب تم پہنچ جاؤ گے تب تم اپنے ہر قدم کے منطقی پن کا مشاہدہ کرو گے لیکن اس سے پہلے نہیں۔ تم دیکھو گے کہ تمہیں چھلانگ کیوں لگانا پڑی، کوئی خاص قدم کیوں اٹھانا پڑا۔ جب تم وہ قدم اٹھا رہے تھے تو کچھ واضح نہیں تھا، کچھ بھی یقینی یا ضمانت یافتہ نہیں تھا۔ تم نے وہ قدم اپنے احساس کے مطابق اٹھایا تھا، اپنی سوچ کے مطابق نہیں۔ تاہم بعد میں سوچ بحال ہو سکتی ہے۔

لوگوں کے لیے پاگل ہو جانا آسان ہوتا ہے۔ دنیا کے کروڑوں لوگ پاگل کیوں ہو گئے ہیں؟ اس کی وجہ بہت سادہ ہے، اور وہ یہ کہ پاگل ہو کر تم سارے تجربوں سے بچ سکتے ہو، پاگل ہو کر تم خود سوچنے سے، خود محسوس کرنے سے بچ جاتے ہو۔ پاگل ہو کر تم اپنی ذمہ داری دوسرے پر ڈال دیتے ہو۔

یاد رکھو! تم نے اپنی ذمہ داری خود پوری کرنی ہے، یہ کسی کو سونپی نہیں جا سکتی، اسے کسی پر ڈالا نہیں جا سکتا۔ تمہاری ذمہ داری مطلقاً تمہاری ہے۔ تمہی کو سوچنا ہو گا، تمہی کو محسوس کرنا ہو گا، تمہی کو مراقبہ کرنا ہو گا، تمہی کو چلنا ہو گا ـــ خود۔

جو لوگ پہنچے ہوئے ہوتے ہیں وہ ضدی اور اڑیل نہیں ہوتے بلکہ کھلے دل کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ نہیں کہتے: "راستہ صرف یہی ہے۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بلندی سے دیکھ سکتے ہیں کہ راستے بہت سے ہیں۔ وہ دیکھ سکتے ہیں کہ زائر آ رہے ہیں، مختلف راستوں سے آ رہے ہیں ـــ اور ہر راستے کا اپنا جہان ہے۔

اتیشا کہتا ہے کہ جب تم سانس اندر کھینچو تو اسے اپنا مراقبہ بننے دو۔ یوں سمجھو کہ دنیا کے تمام جانداروں کے سارے دکھ اس آتے ہوئے سانس پر سوار ہیں اور تمہارے دل تک پہنچ رہے ہیں۔ اس سارے دکھ، درد اور عذاب و الم کو جذب کر لو، اور ایک معجزہ رونما ہوتا دیکھو۔

جب بھی تم کسی کے دکھ، درد اور عذاب و الم کو جذب کرتے ہو، اس کی کایا کلپ ہو جاتی ہے۔ فطری رجحان اس سے بچ نکلنے کا، گریز کا ہے۔ فطری رجحان خود کو دکھ سے بچانے کا

ہے۔ فطری رجحان الگ تھلگ رہنے کا ہے، ہمدرد نہ بننے کا ہے۔ لوگ جب ہمدرد بنے ہوتے ہیں تب بھی وہ محض رسماً ہی ہمدرد بن رہے ہوتے ہیں۔ وہ صرف باتیں کرتے ہیں، عمل نہیں۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے مل کر تمہیں بوجھ اترنے کا احساس ہوتا ہے۔ جب وہ چلے جاتے ہیں تو تم خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتے ہو، تم روانی محسوس کرتے ہو، تم خود کو زیادہ زندہ محسوس کرتے ہو___

جیسے وہ تمہارے سینے پر، سر پر لدا ہوا بے پناہ بوجھ اتار کر لے گئے ہوں، جیسے انہوں نے کچھ نقطار تمہاری ہستی میں انڈیل دیا ہو۔ جب وہ چلے جاتے ہیں تو تم یوں محسوس کرتے ہو جیسے تمہارا دل رقص کر رہا ہے۔ تم ان کے بار بار آنے کی تمنا کرتے ہو، تم ان کی صحبت و قربت کے متمنی رہتے ہو، تم ان کی قربت میں خوش ہوتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ تم ان کی موجودگی میں نشوونما پاتے ہو۔

ان سے متضاد قسم کے لوگ بھی موجود ہیں۔ اگر وہ تم سے ملیں تو ان کے جانے کے بعد تمہیں پہلے سے زیادہ بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ وہ تمہیں مایوس چھوڑ کر جاتے ہیں۔ تمہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تم بے جان ہو گئے ہو، جیسے تمہاری توانائی کم ہو گئی ہے۔ وہ تمہاری توانائی میں سے کچھ لے جاتے ہیں جبکہ تمہیں دے کر کچھ نہیں جاتے۔

اگر لوگ تم سے گریزاں رہتے ہوں تو یاد رکھو اس کے ذمہ دار وہ نہیں ہیں۔ تم میں کچھ ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ تم سے گریز کرتے ہیں۔ اگر لوگ تم سے ملنا نہیں چاہتے، اگر وہ بہانے کر کے تم سے دور ہو جاتے ہیں تو یاد رکھو وہ ذمہ دار نہیں ہیں۔ ضرور تم ان کی توانائی کے ساتھ کوئی منفی عمل کر رہے ہو گے۔

داخلی نشوونما کا ایک بنیادی اصول یاد رکھو۔ تم اس وقت تک دوسروں کے کام نہیں آسکتے جب تک کہ اپنے کام نہیں آتے۔ اگر تم اپنے آپ کو دُکھ دیتے ہو تو دوسروں کو بھی دو گے۔ تم صرف اس وقت دوسروں کے لیے رحمت ہو گے، جب اپنے لیے رحمت ہو گے۔

تم دوسروں کے ساتھ جو کچھ کرتے ہو، ضرور تم نے وہی کچھ پہلے اپنے ساتھ کیا ہو گا۔ تم صرف وہی چیز دوسروں کو دے سکتے ہو، جو کہ تمہارے پاس ہو۔

ساری دنیا کے دکھوں کو جذب کرنے سے آغاز مت کرو۔ اپنے دکھ سے آغاز کرو۔

گہرے سمندر میں اتنی تیزی سے مت اترو، پہلے کم گہرے پانی میں تیرنا سیکھ لو۔ اگر تم فی الفور ساری ہستی کا دکھ جذب کرنے سے آغاز کرو گے تو یہ عمل حقیقی نہیں ہو گا، محض لفظی ہو گا۔

تم خود سے کہہ سکتے ہو "ہاں! میں ساری دنیا کا دکھ لے رہا ہوں" ___ لیکن تم جانتے ہی کیا ہو ساری دنیا کے دکھ کو؟ تم نے تو اپنے دکھ کا بھی تجربہ نہیں کیا۔

ہم اپنے دکھ سے گریز کرتے ہیں۔ اگر تم دکھی ہو تو تم ریڈیو یا ٹی وی چلا لیتے ہو اور اس میں محو ہو جاتے ہو۔ تم اخبار پڑھنا شروع کر دیتے ہو تا کہ تم اپنے دکھ کو بھلا سکو، یا پھر تم فلمیں دیکھنے چلے جاتے ہو یا اپنے مرد، اپنی عورت کی طرف چلے جاتے ہو، خود کو اپنے آپ سے دور رکھنے کے لیے تا کہ تم زخم کو نہ دیکھ سکو، تا کہ تم نہ دیکھ سکو کہ زخم کتنا گہرا ہے۔

لوگ تو اپنے آپ سے گریز کرتے ہیں۔ انہیں دکھ کا کیا پتا؟ وہ ساری دنیا کے دکھ کے بارے میں کیسے جان سکتے ہیں؟ پہلے تمہیں اپنے آپ سے آغاز کرنا ہو گا۔ اگر تم دکھی ہو تو دکھ کو اپنا مراقبہ بنا لو۔ خاموش بیٹھ جاؤ، دروازے بند کر دو۔ جتنا شدت سے ممکن ہو دکھ کو محسوس کرو۔

اگر کسی نے تمہاری بے عزتی کی ہو تو گریز کا بہترین طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی بے عزتی کی جائے۔ تاہم اگر کسی نے تمہاری بے عزتی کی ہو تو اس کے شکرگزار بنو کہ اس نے تمہیں ایک گہرا زخم محسوس کرنے کا موقعہ دیا۔

اب اس پر مراقبہ کرو۔ اپنے کمرے میں آنکھیں بند کر کے خاموش بیٹھ جاؤ۔ اس شخص پر بالکل غصہ مت کرو لیکن بے عزتی کا، مسترد کیے جانے کا احساس شدت سے محسوس کرو۔ پھر تم حیران رہ جاؤ گے، نہ صرف وہ شخص بلکہ زندگی میں جس جس مرد اور عورت نے تمہاری بے عزتی کی ہے، سب تمہیں یاد آ جائیں گے۔

درد محسوس کرو۔ اس سے گریز مت کرو۔ کیا تم نے کبھی مشاہدہ کیا ہے؟ جب بھی تم نروس ہوتے ہو تو تم سگریٹ نوشی شروع کر دیتے ہو۔ یہ نروس پن (Nervousness) سے بچنے کا ایک طریقہ ہے۔ تم سگریٹ نوشی میں محو ہو جاتے ہو۔ حقیقت میں یہ واپسی ہوتی ہے۔ سگریٹ نوشی تمہیں احساس دلاتی ہے کہ تم بچے ہو___

بے فکر، ذمہ داریوں سے آزاد۔ سگریٹ نوشی ماں کی چھاتی سے بچے کے دودھ

پینے کے عمل سے مشابہہ ہے۔ اندر جاتا ہوتا ہوا گرم دھواں تمہیں ان دنوں میں واپس لے جاتا ہے کہ جب تم ماں کی چھاتی سے دودھ پیتے تھے اور گرم دودھ اندر جاتا تھا۔ سگریٹ ماں کی چھاتی بن جاتی ہے۔ سگریٹ ایک علامتی چھاتی ہے۔

واپسی کے اس عمل سے تم بالغ ہونے کی ذمہ داریوں اور دردوں سے بچ جاتے ہو۔ ایسا بے شمار منشیات کی مدد سے کیا جارہا ہے۔ جدید انسان جتنا نشئی ہے، اتنا پہلے کبھی نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید انسان بہت زیادہ دکھ کا شکار ہے۔ منشیات تمہیں اتنا حساس ہی نہیں ہونے دیتیں کہ تم اپنے درد سے واقف ہوسکو۔

پہلا کام یہ ہے کہ اپنے دروازے بند کرلو اور ہر طرح کی فراری مصروفیت ترک کر دو ــ ٹی وی دیکھنا، ریڈیو سننا، کتابیں پڑھنا۔ ہر مصروفیت ترک کر دو کیونکہ یہ بھی ایک لطیف نشہ ہے۔ بس خاموش بیٹھ جاؤ، بالکل تنہا۔ پوجا بھی نہ کرو کیونکہ یہ بھی ایک نشہ ہے۔ پوجا میں بھی تو تم مصروف ہوجاتے ہو! تم اپنے آپ سے فرار ہوجاتے ہو۔

اتیشا کہتا ہے! تم جو ہو، وہی بنو۔ اس میں جتنا دکھ ہو، جتنا درد ہو، سو ہو۔ پہلے اس کی مکمل شدت میں اس کا تجربہ کرو۔ یہ عمل مشکل ہوگا۔ درد تمہارے دل سے نکل کر سارے جسم میں محسوس ہونے لگے گا۔ تم سخت اذیت میں ہوگے۔

اگر تمہیں ایسا محسوس ہو تو اس کی بہت اہمیت ہے۔ اب اسے جذب کرو۔ اسے دھتکارو مت۔ یہ ایک انتہائی قیمتی توانائی ہے، اسے دھتکارو مت۔ اسے پی لو، اسے قبول کرو، اس کو خوش آمدید کہو، اس کے احسان مند ہوؤ، اور خود سے کہو: ''اس مرتبہ میں اس سے گریز نہیں کروں گا، اس مرتبہ میں اسے مسترد نہیں کروں گا، اس مرتبہ میں اسے نہیں دھتکاروں گا۔ اس مرتبہ میں اسے پی جاؤں گا، اور ایک مہمان کے طور پر اسے خوش آمدید کہوں گا۔ اس مرتبہ میں اسے ہضم کروں گا۔''

ہوسکتا ہے تمہیں اس کو ہضم کرنے کے قابل ہونے میں کچھ دن لگ جائیں، تاہم جس دن ایسا ہوگیا، تم ایک ایسے دروازے پر پہنچ جاؤ گے جو حقیقتاً تمہیں دور بہت دور لے جائے گا۔ تمہاری زندگی میں ایک نیا سفر شروع ہوجائے گا، تم ایک نئی قسم کی ہستی میں سفر کرو گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس لمحے تم درد کو قبول کرتے ہو فی الفور اس کی توانائی اور اس کی

کیفیت تبدیل ہوجاتی ہے۔ درد، درد نہیں رہتا۔ انسان یقین ہی نہیں کرسکتا کہ دکھ خوشی میں تبدیل ہوسکتا ہے، درد راحت میں بدل سکتا ہے۔

تاہم تم جانتے ہو کہ روزمرہ کی زندگی میں متخالف ہمیشہ ایک ساتھ ہوتے ہیں، تم جانتے ہو کہ وہ متخالف نہیں ہوتے بلکہ لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ تم خوب جانتے ہو کہ تمہاری محبت کسی بھی لمحے نفرت بن سکتی ہے اور تمہاری نفرت کسی بھی لمحے محبت بن سکتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر تم بہت زیادہ نفرت کرو، شدت سے اور کاملاً تو اس کا محبت میں ڈھلنا لازم ہے۔

جب بھی کوئی شے مکمل ہوتی ہے وہ اپنے متخالف میں ڈھل جاتی ہے۔ یہ ایک عظیم راز ہے، جسے یاد رکھنا۔ جب کبھی کوئی شے کامل ہوتی ہے، اپنے متخالف میں ڈھل جاتی ہے کیونکہ مزید آگے جانے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

کسی پرانے پینڈولم والے کلاک کو دیکھو۔ وہ ہمیشہ چلتا رہتا ہے: پینڈولم بائیں کو جاتا ہے، انتہائی بائیں طرف پہنچتا ہے، اور پھر ایک ایسا نقطہ آتا ہے کہ جس سے آگے وہ نہیں جاسکتا، تب وہ دائیں طرف آنے لگتا ہے۔

متخالف لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ اگر تم اپنے دکھ کو اس کی کاملیت میں بھوگ سکو، اس کی بھرپور شدت میں بھوگ سکو تو تم حیران رہ جاؤ گے۔ دکھ سکھ بن جائے گا۔ جب پہلی بار ایسا ہوتا ہے تو تم یقین نہیں کرسکتے۔

تمہارا دکھ ایک عظیم رحمت بن جاتا ہے۔ جو توانائی نفرت بنتی ہے، وہی محبت بن جاتی ہے، جو توانائی درد بنتی ہے، وہی چین بن جاتی ہے، جو توانائی دکھ بنتی ہے، وہی رحمت بن جاتی ہے۔

تاہم آغاز اپنے آپ سے کرو۔

اپنے دردوں، دکھوں اور عذابوں پر چھوٹا سا تجربہ کرو۔ جب ایک بار تم چابی پالیتے ہو تب تم اسے ساری ہستی کے لیے استعمال کرسکتے ہو۔ تب تم ساری دنیا یا ساری دنیاؤں کے دکھ لے سکتے ہو۔

اپنے اندر آتے ہوئے سانس پر سوار ہوجاؤ، تمہارا چھوٹا سا دل پوری کائنات سے بڑا ہوجائے گا۔ پھر اپنی رحمتیں باہر انڈیل دو۔ یہ وہی توانائی ہے جو تمہارے دل سے گزر کر

رحمت بن گئی ہے۔ پھر رحمت کو باہر جاتے ہوئے سانس پر سوار ہو کر ہستی کے ہر گوشے تک جانے دو۔

اتیشا کہتا ہے: یہ ہمدردی ہے۔ ہمدردی کو ہستی میں ایک کایا کلپ کر دینے والی قوت بننا ہوتا ہے ___ بدصورت کو خوبصورت میں بدلنے والی، مینڈک کو چوم کر شہزادہ بنا دینے والی، اندھیرے کو روشنی بنا دینے والی۔

کایا کلپ کا یہ وسیلہ ہمدردی ہے۔



بُرائی کا دوسرا رُخ

یہ بدھ کی کیمیا ہے: سب برائیوں کو بودھی پتھ میں، بدھ بن جانے کے راستے میں، بدلا جا سکتا ہے۔ برائی تمہاری مخالف نہیں ہے۔ دراصل تم اسے استعمال کرنا نہیں جانتے۔ زہر تمہارا دشمن نہیں ہے۔ تم اس سے دوا بنانا نہیں جانتے ہو۔ دانا ہاتھوں میں دوا زہر بن جاتی ہے۔ سارا دارومدار تم پر ہے، تمہاری ہنرمندی پر ہے۔

کیا تم نے کبھی لفظ Evil پر غور کیا ہے؟ اسے الٹ کر پڑھو۔ یہ Live ہے۔ Evil Live بن سکتا ہے، Live' Evil' بن سکتا ہے۔ انحصار سارا اس بات پر ہے کہ تم اسے کیسے پڑھتے ہو۔

برائی کی مزاحمت مت کرو۔ برائی کو اپنے دل میں جذب کرو اور اس کی کایا کلپ کر دو۔ اگر اس کی مزاحمت کرو گے تو اس کی کایا کلپ کیسے کر سکو گے؟ اسے قبول کرو۔

یسوع کہتے ہیں: ''اپنے دشمنوں سے ایسے محبت کرو، جیسے تم اپنے آپ سے محبت کرتے ہو۔'' بدھ مت کا فلسفہ بھی یہ ہے کہ برائی کو قبول کرو۔ اس کی مزاحمت مت کرو، اس سے لڑو مت، اس سے غصے مت ہوؤ بلکہ اسے جذب کرو کیونکہ اسے نیکی میں بدلا جا سکتا ہے۔

دکھ، درد، برائی کو نیکی میں تبدیل کرنے کا ہنر متخالف کو دیکھنے کا ہنر ہے۔ روشنی صرف تبھی وجود پذیر ہو سکتی ہے کہ جب اندھیرا وجود رکھتا ہو، تو پھر اندھیرے سے کیسی نفرت؟ اندھیرے بغیر روشنی نہیں ہوگی۔ لہٰذا جو لوگ روشنی سے محبت اور اندھیرے سے نفرت کرتے ہیں وہ سخت مغالطے میں ہیں۔

زندگی موت کے بغیر وجود پذیر نہیں ہو سکتی۔ تو پھر موت سے کیسی نفرت؟ یہ موت

ہی ہے، جو زندگی کے لیے جگہ تخلیق کرتی ہے۔ یہ ایک عظیم صداقت ہے۔ موت پس منظر ہے، بلیک بورڈ ہے جس پر زندگی سفید چاک سے لکھی گئی ہے۔ موت رات کا اندھیرا ہے جس میں زندگی ستاروں کی طرح دمکتی ہے۔ اگر تم رات کے اندھیرے کو مٹا دو گے تو ستارے غائب ہو جائیں گے۔ دن میں یہی کچھ تو ہوتا ہے۔ ستارے ہنوز موجود ہوتے ہیں ـــ تمہارا کیا خیال ہے وہ معدوم ہو چکے ہوتے ہیں؟ نہیں، وہ وہیں موجود ہوتے ہیں لیکن چونکہ روشنی بہت زیادہ ہوتی ہے اس لیے تم انہیں دیکھ نہیں سکتے ہو۔ انہیں صرف اندھیرے میں دیکھا جا سکتا ہے، تضاد میں۔

پنڈت صرف پاپی کی وجہ سے ممکن ہے۔ لہٰذا بدھ کہتا ہے پاپی سے نفرت مت کرو، اسی کی وجہ سے تو پنڈت کا وجود ممکن ہوا ہے۔ وہ ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔

یہ جان کر انسان نہ تو نیکی سے جُدا رہ سکتا ہے اور نہ بدی سے الگ تھلگ رہ سکتا ہے۔ انسان دونوں کو زندگی کا لازمی جُزو سمجھ کر قبول کر لیتا ہے۔ اسی قبولیت میں تم چیزوں کی کایا کلپ کر دیتے ہو۔ صرف اسی قبولیت سے کایا کلپ ممکن ہے۔

اور اس سے پہلے کہ تم دکھ کی کایا کلپ کر سکو، تمہیں ایک مشاہدہ کرنے والا بننا ہوگا۔ یہ ہے تیسرا نکتہ۔

پہلا نکتہ ہے: برائی کی مزاحمت نہ کرو۔

دوسرا نکتہ ہے: یہ جانو کہ متخالف متخالف نہیں بلکہ لازم وملزوم ہیں، ناگزیر طور پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، پس انتخاب ممکن نہیں ہے۔

تیسرا نکتہ ہے: مشاہدہ کرنے والے بنو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم اپنے دکھ کا مشاہدہ کرنے والے ہو گے تو تم اسے جذب کرنے کے اہل ہو گے۔

اگر تم دُکھ سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرو گے تو یہ عمل سخت تکلیف دہ ہوگا۔ اگر تم مشاہدہ کرنیوالے بن جاؤ گے تو دکھ سارے کانٹے کھو دے گا، سارے ڈنک کھو دے گا۔ یوں ایک دکھ ہوگا جبکہ تم اس کا مشاہدہ کرنے والے ہو گے۔ تم صرف ایک آئینہ ہو، دُکھ کا تم سے کوئی سروکار نہیں۔ خوشی آتی ہے، چلی جاتی ہے۔ ناخوشی آتی ہے، چلی جاتی ہے۔ یہ ایک رواں تماشا ہے، تم وہیں ہو، ایک آئینے کی طرح اسے منعکس کرتے ہوئے، زندگی آتی ہے،

چلی جاتی ہے۔ موت آتی ہے، چلی جاتی ہے۔ آئینہ ان سے متاثر نہیں ہوتا۔ آئینہ منعکس تو کرتا ہے لیکن کوئی اثر قبول نہیں کرتا، آئینے پر ان میں سے کسی کا نقش قائم نہیں ہوتا۔

جب تم مشاہدہ کرتے ہو تو ایک عظیم فاصلہ ابھرتا ہے۔ صرف اس مشاہدے میں تم عام سی دھات کو سونے میں ڈھالنے کے اہل ہو سکتے ہو۔ صرف اس مشاہدے میں تم داخل کے سائنس دان بن جاتے ہو، ایک الگ تھلگ شاہد۔ اب تم جانتے ہو کہ متخالف متخالف نہیں ہے، پس ان دونوں کو آپس میں بدلا جا سکتا ہے۔ یوں برائی کو دنیا سے مٹانے کا سوال نہیں رہتا، بلکہ برائی کو کسی فائدہ مند شے میں بدلنے کا سوال ہوتا ہے، زہر کو نقطار میں بدلنے کا سوال ہوتا ہے۔



دوسرا

عام ذہن ہمیشہ کسی دوسرے پر ذمہ داری ڈال دیتا ہے۔ وہ ہمیشہ دوسرا ہوتا ہے جو تمہیں دُکھ دیتا ہے۔ تمہاری بیوی تمہیں دکھ دے رہی ہے، تمہارا شوہر تمہیں دکھ دے رہا ہے، تمہارے ماں باپ تمہیں دکھ دے رہے ہیں، تمہارے بچے تمہیں دکھ دے رہے ہیں، معاشرے کا مالی نظام تمہیں دُکھ دے رہا ہے، سرمایہ داری نظام، کمیونزم، فاشزم، غالب سیاسی آئیڈیالوجی، معاشرتی ڈھانچہ، قسمت، کرم، بھگوان...... جو چاہے اسے کہہ لو۔

لوگوں کے پاس ذمہ داری سے گریز کے لاکھوں بہانے ہیں۔ تاہم جس لمحے تم کہتے ہو کہ کوئی ___ الف، ب، ج ___ تمہیں دُکھ دے رہا ہے، تب تم اسے بدلنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے ہو۔ تم کر ہی کیا سکتے ہو؟ جب معاشرہ بدلے گا اور کمیونزم آئے گا اور دنیا غیر طبقاتی ہو جائے گی، تب ہر شخص خوش ہو گا۔ اس سے پہلے؟ اس سے پہلے ایسا ممکن نہیں ہے۔ تم ایک ایسے معاشرے میں کیسے خوش ہو سکتے ہو جو غریب ہے؟ تم اس معاشرے میں کیسے خوش ہو سکتے ہو جس پر سرمایہ داروں کا غلبہ ہے؟ تم اس معاشرے میں کیسے خوش ہو سکتے ہو جو کہ بیوروکریٹک ہے؟ تم اس معاشرے میں کیسے خوش ہو سکتے ہو جو تمہیں آزادی نہیں دیتا؟

بہانے ہی بہانے ___ صرف ایک دانائی کے نکتے سے گریز کے بہانے کہ "اپنا ذمہ دار میں ہوں۔ کوئی دوسرا میرا ذمہ دار نہیں ہے۔ یہ صرف اور صرف قطعاً میری ذمہ داری ہے۔ میں جو کچھ بھی ہوں، اپنی تخلیق ہوں۔"

یہ نکتہ یاد رکھو! "میں اپنی زندگی کا ذمہ دار ہوں ___ اپنے سارے دکھوں کا، اپنے درد

کا، اس سب کا جو میرے ساتھ ہو چکا ہے، اور ہو رہا ہے ___ میں نے ہی اس کا انتخاب کیا تھا۔ یہ بیج میں نے ہی بوئے تھے اور اب میں ہی فصل کاٹ رہا ہوں۔ میں ذمہ دار ہوں۔" جب ایک بار تم اس نکتے کو ایک فطری فہم بنا لو گے تب ہر شے صاف، سادہ ہو جائے گی۔ تب زندگی ایک نیا موڑ مڑنے لگے گی، ایک نئی سمت میں حرکت کرنے لگے گی۔ یہ سمت ایک انقلاب ہوتی ہے۔ کیونکہ جب میں جان لیتا ہوں کہ میں ذمہ دار ہوں، تو میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں اسے کسی بھی لمحے ترک کر سکتا ہوں۔ کوئی شخص اسے ترک کرنے سے مجھے روک نہیں سکتا۔

کیا کوئی شخص تمہیں اپنے دُکھ سے چھٹکارا پانے سے روک سکتا ہے، اپنے دُکھ کو رحمت میں بدلنے سے روک سکتا ہے؟ حد تو یہ ہے کہ اگر تم جیل میں بھی ہو، بیڑیوں میں جکڑے ہوئے، تب بھی تمہیں کوئی قید نہیں کر سکتا۔

کیا کوئی شخص تمہیں اپنے دُکھ سے چھٹکارا پانے سے روک سکتا ہے، اپنے دُکھ کو رحمت میں بدلنے سے روک سکتا ہے؟ حد تو یہ ہے کہ اگر تم جیل میں بھی ہو، بیڑیوں میں جکڑے ہوئے، تب بھی تمہیں کوئی قید نہیں کر سکتا۔ تمہاری روح ہنوز آزاد ہوتی ہے۔

بلاشبہ تمہاری صورتحال بہت محدود ہے لیکن اس محدود صورتحال میں بھی تم ایک گیت گا سکتے ہو۔ تم یا تو بے بسی میں رو سکتے ہو یا پھر گیت گا سکتے ہو۔ تم پیروں میں زنجیریں بندھی ہونے کے باوجود رقص کر سکتے ہو، تب زنجیروں کی جھنکار میں بھی ایک اپنا ہی آہنگ ہو گا۔

اتیشا بہت عظیم انسان ہے۔ پہلے وہ کہتا ہے کہ ساری ذمہ داری خود پر لے لو۔ پھر وہ کہتا ہے کہ ہر شخص کے شکر گزار بنو اس لیے کہ ہر شخص تمہیں اپنی کایا کلپ کا موقع فراہم کر رہا ہے۔ وہ بھی جو یہ سوچ رہے ہیں کہ وہ تمہارے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں، وہ بھی جنہیں تم اپنے دشمن تصور کرتے ہو۔ تمہارے دوست، تمہارے دشمن، اچھے لوگ، برے لوگ، موافق حالات، غیر موافق حالات ___ سب مل کر وہ تناظر تشکیل دے رہے ہیں جن میں تم تبدیل ہو سکتے ہو اور بدھ بن سکتے ہو۔ سب کے شکر گزار بنو۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے بدھ کے چہرے پر تھوک دیا۔ اس کے چیلے بہت مشتعل ہوئے۔ اس کے عزیز ترین چیلے آنند نے سخت غصے میں کہا: "بس بہت ہو چکی۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس شخص کو اس کے کیے کی سزا دوں۔" بدھ نے اپنا چہرا صاف کیا اور اس

شخص سے بولا: "جناب آپ کا شکریہ۔ آپ نے وہ تناظر پیدا کیا جس میں مَیں دیکھ سکتا ہوں کہ مجھے اب بھی غصہ آسکتا ہے یا نہیں۔ مجھے غصہ نہیں آیا اور اس بات سے میں بہت خوش ہوں۔ آپ نے آنند کے لیے بھی ایک تناظر پیدا کیا۔ اب وہ دیکھ سکتا ہے کہ اسے غصہ آسکتا ہے۔ بہت بہت شکریہ۔ ہم آپ کے ممنون ہیں! براہِ مہربانی کبھی کبھی آجایا کریں۔ جب بھی آپ کسی پر تھوکنا چاہیں، تو یہاں آجایا کریں۔"

اس بات سے اُس شخص کو سخت دھچکا لگا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا کہ ہو کیا رہا ہے۔ وہ تو اس توقع کے ساتھ آیا تھا کہ بدھ کو غصہ دلا دے گا لیکن وہ ناکام ہو گیا تھا۔ وہ ساری رات سو نہیں سکا، وہی منظر بار بار دکھائی دیتا رہا۔ اس کا بدھ کے چہرے پر تھوکنا___ ایک انتہائی تحقیری عمل___ اور بدھ کا پرسکون رہنا، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہو، بدھ کا چہرہ صاف کر کے اسے کہنا: "شکریہ جناب! آپ کا جب جی چاہے، آکر، ہم پر تھوک لیا کیجئے۔"

اسے بار بار یہ یاد آتا رہا۔ وہ چہرا، وہ پرسکون چہرا، وہ مہربان و مشفق آنکھیں۔ اور جب اس نے شکریہ کہا تو محض رسماً نہیں کہا، وہ حقیقتاً ممنون تھا۔ اس کا سارا وجود کہہ رہا تھا کہ وہ ممنون ہے۔ اس نے دیکھا تھا کہ آنند غصے میں تھا لیکن بدھ پرسکون تھا، بہت محبت والا، بہت ہمدردی والا۔ وہ شخص اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس نے یہ کیا کیا ہے؟ ایسے شخص پر تھوکا ہے___ بدھ جیسے انسان پر تھوکا ہے!

وہ اگلے دن صبح سویرے بدھ کے پاس گیا۔ اس کے پیروں میں گر گیا اور بولا: "جناب مجھے معاف کر دیں۔ میں ساری رات سو نہیں سکا۔"

بدھ نے کہا: "سب کچھ بھلا دو۔ جو ہو چکا سو ہو چکا، اس پر معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔" بدھ اس وقت گنگا کنارے درخت تلے بیٹھا تھا۔ اس نے کہا: "دیکھو! ہر لمحے کتنا پانی بہے جا رہا ہے! چوبیس گھنٹے بہتا رہتا ہے۔ تم کیوں اسے اٹھائے ہوئے ہو۔ وہ شے جو کہ وجودی رہی ہی نہیں؟ بھلا دو اُسے۔

"اور میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں تم سے ناراض ہی نہیں ہوں۔ اگر میں ناراض ہوتا تو تمہیں معاف کرتا۔ اگر تمہیں حقیقتاً معافی چاہیے تو آنند سے مانگو۔ اس کے پیروں میں گرو___ وہ اس سے خوش ہوگا!"

سب کے شکرگزار بنو۔

ان کے جنہوں نے مدد کی، ان کے جنہوں نے راہ روکی، ان کے جو غیر جانبدار رہے۔ سب کے شکرگزار بنو کیونکہ وہ سب اس تناظر کو جنم دے رہے ہیں جس میں بدھ پیدا ہوتے ہیں، جس میں تم بدھ بن سکتے ہو۔



چار جسم

اتیشا چار جسموں کی بات کرتا ہے۔ وہ پہلے جسم کو دھرم کایا، حتمی قانون والا جسم کہتا ہے ـــ اور حتمی قانون کیا ہے؟ خالی پن حتمی قانون ہے: سب خالی ہے۔

اگر تم حقیقتاً نشوونما پانا چاہتے ہو تو تمہیں یہ بات اپنے دل میں بٹھا لینا ہوگی کہ سب خالی ہے۔ زندگی خالی ہے، موت خالی ہے، سب مظاہر خالی ہیں ـــ اس کی وجہ یہ ہے کہ رہتا کوئی نہیں ہے، ہر شے گزر جاتی ہے، سب خواب ہے۔ اگر یہ بات سمجھ لی جائے تو تم محفوظ رہتے ہو۔ تمہاری بے عزتی کیسے کی جا سکتی ہے کہ جب ہر شے خالی ہے؟ تم دکھی کیسے ہو سکتے ہو کہ جب ہر شے خالی ہے؟ درد کیسے ہو سکتا ہے کہ جب ہر شے خالی ہے؟ تم خالی ہو، دوسرا خالی ہے۔ پس تم نے ضرور کوئی خواب دیکھا ہوگا کہ دوسرا تمہاری بے عزتی کر رہا ہے، کہ دوسرے نے تم پر تھوکا ہے۔

اگر تم حقیقتاً اپنی آگہی کی حفاظت کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اپنے اردگرد اس پہلے جسم کو پروان چڑھانا ہے، خالی پن کا جسم، خالی پن کی فضا، سب خالی ہے۔

بدھ اپنے چیلوں کو جلتی ہوئی چتاؤں پر مراقبہ کرنے بھیجا کرتا تھا۔ نئے چیلوں کو تین ماہ یہ مراقبہ کرنا ہوتا تھا۔ جہاں لاشیں جل رہی ہوتیں، انہیں وہاں بیٹھ کر بس دیکھنا ہوتا تھا، دن رات۔ لوگوں کو لایا جاتا، جلایا جاتا اور پھر دوست چلے جاتے۔ یہ کیسی زندگی ہے؟ یہ کیا حاصل کرتی ہے؟ ابھی ایک دن پہلے ہی وہ شخص سخت مغرور، سخت انا پرست ہوتا تھا۔ اگر تم اسے کوئی غلط بات کہتے تو وہ تم پر اچھل اچھل کر آتا۔ اور اب وہ کہاں ہے؟ شعلوں میں معدوم ہوتا ہوا۔

یہ ہے زندگی۔ "جلد یا بدیر میں بھی چتا پر ہوں گا اور مجھے بھی جلا دیا جائے گا۔ تو پھر پریشانی کس بات کی ہے، کیوں اتنی افراتفری مچائی ہوئی ہے؟ یہ محض چند روزہ خواب ہے۔ یہ چند دن وقت کی ابدیت میں بہت زیادہ نہیں ہیں، یہ تو محض لمحے ہیں۔"

خالی پن کے اس جسم کو اپنے گرد پروان چڑھنے دو، یہ تمہاری حفاظت کرے گا۔

دوسرا جسم ہے نرمان کایا یعنی ہمدردی کا پہلا ظہور۔ جب سب خالی ہوتا ہے، جب ہر شخص چتا پر ہے، تب ہمدردی ابھرتی ہے۔ یاد رکھو اسے پیدا نہیں کرنا پڑتا، یہ پہلے جسم سے ابھرتی ہے۔ اگر تم اسے پیدا کرتے ہو تو سمجھو کہ تم ہنوز انا پر یقین رکھتے ہو۔ اگر تم اسے پیدا کرتے ہو تو ہنوز کردار پر یقین رکھتے ہو۔ اور اگر انا ہی نہ ہو تو نیکی کیا ہے؟ اگر انا ہی نہ ہو تو کردار کیا ہے؟ اگر انا ہی نہ ہو تو اچھائی کیا ہے؟

پہلے بے جسمی میں قائم ہو جاؤ، تب دوسرا جسم خود بخود ابھرے گا۔ نرمان کایا کا مطلب تخلیق کا جسم۔ یہ انوکھی بات ہے ـــ پہلا جسم خالی پن کا ہے، اور دوسرا جسم تخلیق کا جسم ہے۔ تاہم یہ سارے عظیم بدھوں کی بصیرت ہے کہ اگر تم بے جسم بن جاتے ہو تو تم میں سے ایک عظیم تخلیق رونما ہوتی ہے۔ کُل تم میں سے بہنے لگتا ہے، تم کُل کے لیے وسیلہ بن جاتے ہو، راستہ بن جاتے ہو، ذریعہ بن جاتے ہو، آواز بن جاتے۔ اور دوسرے جسم کے ابھرتے ہی عظیم ہمدردی کا پہلا تجربہ ہوگا۔ بلاشبہ شروع شروع میں یہ جزدی ہوگا، مشروط ہوگا، دوسرے کے دکھوں کے سبب ہوگا۔ تم کسی بوڑھے کو سڑک پر مرتے دیکھو گے اور ہمدردی ابھرے گی، تم کسی کو فاقے کرتے دیکھو گے اور ہمدردی ابھرے گی ـــ اس کا سبب خارج میں ہوتا ہے۔ اگر بے جسم مر رہا ہو، فاقے کر رہا ہو تو کوئی ہمدردی نہیں ابھرتی۔ دوسرے جسم میں ہمدردی پیدا ہوتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ وہ کچھ خاص صورتِ حالات میں ابھرتی ہے اور کچھ دوسری صورتِ حالات میں غائب ہو جاتی ہے۔

دوسرے جسم سے تیسرا جسم پیدا ہوتا ہے۔ تیسرے جسم کو سمبھوگ کایا کہا جاتا ہے یعنی رحمت والا جسم۔ تیسرے جسم میں ہمدردی غیر مشروط ہوتی ہے۔ یہ نہ تو ابھرتی ہے اور نہ غائب ہوتی ہے، یہ برقرار رہتی ہے۔ سوال یہ نہیں ہوتا کہ کوئی شخص دکھ میں ہے یا نہیں ہے۔ تیسرے جسم میں انسان بس ہمدردی کرتا ہے۔ دوسرے جسم میں ہمدردی ایک تعلق ہوتی ہے

یعنی جب ضرورت ہوتی ہے، تو یہ ابھر آتی ہے۔ تیسرے جسم میں ہمدردی تمہاری ہستی کی حالت بن جاتی ہے۔ ضرورت ہو یا نہ ہو، یہ ہوتی ہے۔ یہ رات کو جلتے ہوئے دیئے کے مثل ہوتی ہے۔ کمرے میں کوئی ہو یا نہیں ہو دیا جلتا رہتا ہے۔ کسی کو روشنی کی ضرورت ہو یا نہ ہو، دیا جلتا رہتا ہے۔

تیسرے جسم میں، رحمت والے جسم میں ہمدردی ایک فطری مظہر ہوتی ہے۔ بالکل ایسے جیسے تم سانس لیتے ہو۔ اگر تم سو جاؤ تب بھی سانس لیتے رہتے ہو۔ بدھ سو بھی جائے تو ہمدرد ہوتا ہے۔ اب ہمدردی ایک لہر نہیں ہوتی کہ پیدا ہوگی اور چلی جائے گی۔ اب ہمدردی سمندر بن چکی ہے۔

اور چوتھا جسم سوبھو کایا کہلاتا ہے یعنی حتمی فطرت والا جسم، بے ساختگی والا جسم، جیسی تمہاری انتہائی داخلی ہستی ہے، اس کا جسم۔ چوتھے جسم میں تمام فرق مٹ جاتے ہیں۔ انسان محض ہوتا ہے، بغیر کسی فرق و اختلاف کے، بغیر زُمروں کے، بغیر کسی تقسیم کے۔ یہ وجودیاتی جسم ہوتا ہے، یہ حقیقی شے ہے کہ جسے پانا چاہیے۔

سچ کا ہر متلاشی ان چاروں جسموں سے گزرتا ہے۔

ان چار جسموں کو کیسے پایا جائے؟ اس کے چار مرحلے ہیں۔ پہلا ہے: مشاہدہ۔ مشاہدہ کرو بغیر قدر پیمائی کے، ہر شے کا مشاہدہ کرو۔ مشاہدے کے کسی موقعے کو ضائع مت کرو ___ کیونکہ سوال یہ نہیں ہے کہ تم کیا دیکھ رہے ہو، سوال یہ ہے کہ کیا مشاہدہ نشوونما پا رہا ہے؟ ہر شے کا مشاہدہ کرو ___ درختوں کا، پرندوں کا، جانوروں کا، لوگوں کا، ٹریفک کا، اپنے ذہن کا اور اس کی ٹریفک کا، اپنے ردِعمل کا، دوسروں کے ردِعمل کا۔ ہر صورتحال کا مشاہدہ کرو تا کہ مشاہدہ تم میں گہری جڑیں قائم کرلے۔

دوسرا مرحلہ ہے: تجزیہ، لیکن صرف مشاہدہ کرنے کے بعد ___ انہیں آپس میں ملاؤ مت۔ پہلے مرحلے میں مشاہدہ محض مشاہدہ ہونا چاہیے، کوئی تجزیہ نہ ہو، کوئی فیصلہ نہ ہو، کوئی قدر پیمائی نہ ہو۔ جب تم مشاہدہ کر چکو تب تجزیہ کرو، تب تفصیل میں جاؤ، تب اجزا کو الگ الگ کرو، تب اس کے سب حصوں کو دیکھو، کیونکہ ہر تجزیہ بہت پیچیدہ ہوتا ہے۔ اگر تم حقیقتاً اسے سمجھنا چاہتے ہو تو تمہیں اس کو الگ الگ حصوں میں بانٹنا ہوگا۔

تیسرا مرحلہ ہے: اس کا انتخاب کرو جو تمہارے لیے زیادہ سے زیادہ رحمت، خاموشی، سکون اور اطمینان لائے۔

چوتھا مرحلہ ہے: مراقبہ۔

ان چار مرحلوں سے گزرو، تم میں چار جسم ابھر آئیں گے۔



مراقبہ کیا ہے؟

اور یاد رکھو ہر صورتحال کو مراقبے کا ایک موقعہ بنا چاہیے۔ مراقبہ کیا ہے؟ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے آگاہ ہونا، جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے، اس سے آگاہ ہونا۔

کوئی شخص تمہاری بے عزتی کرتا ہے: اس سے آگاہ ہوؤ۔ جب تمہاری بے عزتی کی جاتی ہے تو تم پر کیا گزرتی ہے؟ اس پر مراقبہ کرو۔ اس سے پورا گیسٹالٹ تبدیل ہو جاتا ہے۔ جب کوئی تمہاری بے عزتی کرتا ہے تو تم اس شخص پر توجہ مرکوز کر دیتے ہو ــــ "اس نے میری بے عزتی کیوں کی؟ وہ ہوتا کون ہے ایسا کرنے والا؟ میں اس سے انتقام کیسے لوں؟" اگر وہ بہت طاقتور ہو تو تم دُم دبا کر منہ پھیر لیتے ہو۔ اگر وہ زیادہ طاقتور نہ ہو اور تم اسے کمزور پاتے ہو تو تم اس پر چڑھ دوڑتے ہو۔ تاہم اس دوران تم اپنے آپ کو مکمل طور پر بھلا دیتے ہو، دوسرا محور و مرکز بن جاتا ہے۔ یہ مراقبے کے ایک موقعے کو ضائع کرنا ہے۔ جب کوئی شخص تمہاری بے عزتی کرے تو مراقبہ کرو۔

گرجیف نے لکھا ہے: "جب میرا باپ مر رہا تھا تب میں صرف نو سال کا تھا۔ اس نے مجھے اپنے بستر کے پاس بلایا اور میرے کان میں بہت دھیمی آواز میں کہا، 'میرے بیٹے! میں تمہارے لیے بہت کچھ نہیں چھوڑ کر جا رہا، کوئی زیادہ دنیاوی چیزیں چھوڑ کر نہیں جا رہا، تاہم میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں، جو کہ میرے باپ نے بسترِ مرگ پر مجھے بتائی تھی۔ اس نے میری حیرت ناک مدد کی، وہ میرا خزانہ ہے۔ تم ابھی بہت چھوٹے ہو، ہو سکتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اسے سمجھ نہ سکو تاہم اسے یاد رکھنا۔ ایک دن تم بڑے ہو جاؤ گے اور تب ممکن ہے تمہیں سمجھ آ جائے۔ یہ ایک کلید ہے: یہ بڑے بڑے خزانوں کے دروازے کھول دیتی

ہے۔'"

بلاشبہ گرجیف اس لمحے وہ بات سمجھ نہیں سکا تھا لیکن اسی بات نے اس کی ساری زندگی کو بدل دیا تھا۔ اس کے باپ نے اسے ایک بڑی سادہ سی بات بتائی تھی۔ اس نے کہا تھا: "میرے بیٹے! جب کبھی کوئی شخص تمہاری بے عزتی کرے تو اسے کہنا کہ تم چوبیس گھنٹے اس پر مراقبہ کرو گے اور پھر آ کر اس کا جواب دو گے۔"

گرجیف کو یقین نہیں آیا تھا کہ یہ ایک عظیم کلید ہے۔ اسے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ بات اتنی قیمتی ہے کہ مجھے اسے یاد رکھنا ہے۔ ہم اس ناسمجھی پر ایک نو سالہ بچے کو معاف کر سکتے ہیں۔

تاہم چونکہ یہ بات گرجیف کے باپ نے مرتے دم اسے بتائی تھی اور اسے اپنے باپ سے بے حد محبت تھی اس لیے یہ بات اس کے دل پر نقش ہو گئی۔ وہ اسے بھلا نہیں سکا۔ جب بھی اسے اپنا باپ یاد آتا، اسے یہ بات بھی یاد آتی۔

پوری طرح سمجھے بغیر اس نے اس بات پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اگر کوئی شخص اس کی بے عزتی کرتا تو وہ کہتا: "سر! مجھے اس پر چوبیس گھنٹے مراقبہ کرنا ہے ــــ ایسا میرے باپ نے مجھے کہا تھا۔ وہ فوت ہو گیا ہے لیکن میں اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ پس مجھے معاف کیجئے میں چوبیس گھنٹے بعد آ کر آپ کو جواب دوں گا۔"

اور وہ کہتا ہے: "چوبیس گھنٹے اس پر مراقبہ کرنے سے مجھے ہستی کی عظیم بصیرت حاصل ہوئی۔ مراقبے کے دوران مجھے پتا چلا کہ بے عزتی درست ہوئی تھی، میں تھا ہی ایسا۔ پس میں نے اس شخص سے مل کر اسے کہا، 'سر، تھینک یو! آپ درست تھے۔ وہ بے عزتی نہیں تھی، وہ تو فقط حقیقت کا بیان تھا۔ آپ نے مجھے احمق کہا تھا، واقعی میں احمق ہوں۔'"

وہ مزید کہتا ہے: "بعض اوقات مراقبے کے دوران مجھے پتا چلتا کہ کہنے والے نے جھوٹ کہا ہے لیکن جب کوئی بات جھوٹ ہو تو پھر اس پر غصہ کیسا؟ پس میں یہ بھی کہنے نہ جاتا کہ وہ تو جھوٹ تھا۔ جھوٹ تو جھوٹ ہوتا ہے، اس پر پریشان ہونا کیسا؟"

وہ مشاہدہ کرنے سے، مراقبہ کرنے سے دھیرے دھیرے دوسروں کے عملوں کی بجائے اپنے ردِعملوں سے زیادہ آگاہ ہو گیا۔

یہی اتیشا کہتا ہے: جو کچھ بھی ہو ___ اچھا، برا، کامیابی، ناکامی ___ فوراً اس سے آگاہ ہوؤ۔ ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو۔ پیچھے پیچھے مت گھسٹو ___ اس کے لیے حاضر ہوؤ، اور تم حیران رہ جاؤ گے، تمہاری زندگی سے غلطیاں غائب ہونے لگیں گی۔ پھر تم جو کچھ بھی کرو گے درست ہو گا۔

لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ درست کیا ہے اور غلط کیا۔ میں انہیں جواب دیتا ہوں کہ اگر کوئی شے تمہاری آگہی سے ابھرتی ہے تو وہ درست ہے۔ اگر کوئی شے تمہاری ناآگہی سے ابھرتی ہے تو وہ غلط ہے۔ درست اور غلط کا سوال اس کا نہیں ہے جو تم کرتے ہو بلکہ اس کا ہے کہ تم ایسا کیسے کرتے ہو۔ یہ کیا کیا سوال نہیں ہے، بلکہ کیسے کا ہے ___ مراقباتی طور پر یا غیر مراقباتی طور پر، چوکس، جاگتے ہوئے یا ایسے کام کرتے ہوئے کہ جیسے تم نیند میں چلنے والے ہو۔



پانچ قوتیں

پہلی قوت ہے شدت، کاملیت۔ اگر تم حقیقتاً چاہتے ہو کہ تمہاری زندگی مکمل طور پر تبدیل ہو جائے، اگر تم حقیقتاً اپنے لیے روشنی بننا چاہتے ہو، اگر تم ہستی کے حتمی اسرار کو جاننا چاہتے ہو، اگر تم زندگی ہونے کی حتمی مستی کو جاننا چاہتے ہو تو پھر پہلی قوت ہے شدت، کاملیت۔ تم جو کچھ بھی کرو اسے شدت سے کرو، کاملیت سے کرو۔ طفیلئے مت بنو، سست مت بنو، الگ تھلگ مت رہو۔ اسے پورے دل سے کرو، اسے پوری طرح جذب کر لو۔

اگر تم رقص کرو تو اتنی شدت سے کرو کہ رقاص غائب ہو جائے اور صرف رقص ہی رہ جائے، اور یہ ایک کایا کلپ ہو گی۔ اگر تم محبت کرو تو کاملیت کے ساتھ کرو، اتنی کاملیت کے ساتھ کہ محبت کرنے والا باقی نہ رہے۔ اگر تم کاملیت کے ساتھ محبت میں، رقص میں، نغمے میں ہو تو یہ کہنے والا کون بچے گا کہ "میں محبت کرنے والا ہوں، میں رقاص ہوں؟" باقی کچھ نہیں رہتا، کاملیت کایا کلپ کرتی ہے۔

صرف سو درجے کی شدت میں ایسا ہوتا ہے کہ انسان مادی سے روحانی بن جاتا ہے، زمین سے آسمان کو پہنچ جاتا ہے، معمولی سے غیر معمولی بن جاتا ہے۔

دوسری قوت ہے شناسائی۔ کرو اور وہ کرو جو تم حقیقتاً کرنا چاہتے ہو اور "ہوؤ"۔ تم زندگی بنے بنائے سانچوں کے مطابق گزارتے ہو۔ اگر تم حقیقتاً کچھ بننا چاہتے ہو تو پھر خود کو اس سے شناسا کرو۔ اگر تم گٹار بجانا چاہتے ہو تو ریاض کرو۔ اگر تم رقص کرنا چاہتے ہو تو ریاض کرو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کوئی شے تمہاری زندگی میں رونما ہو تو اس میں ڈوب جاؤ اور جو کچھ اس

کے خلاف ہوا سے ترک کر دو۔

تیسری قوت ہے سفید بیجوں کی قوت۔ ''سفید بیج'' ایک استعارہ ہے۔ اتیشا اس سے مراد یہ لیتا ہے کہ وہ سب کچھ جو سیاہ ہے، اسے ترک کر دو۔ غصے، حسد، نفرت، ملکیت پسندی، غلبہ و تسلط کے سیاہ بیج مت کاشت کرتے چلے جاؤ۔ سارے سیاہ بیجوں کو پھینک دو۔ اگر وہ ابھریں تو ان کا مشاہدہ کرو اور انہیں اپنے دل میں جذب کرلو۔ وہ سفید بیجوں میں بدل جائیں گے۔

اور سفید بیج ہیں کیا؟ محبت، ہمدردی، خدمت، خلوص، حساسیت، آگہی — یہ ہیں سفید بیج۔ اگر کسی روز تم اپنی زندگی میں سفید پھولوں کی آرزو کرو تو تمہیں سفید بیج بونا ہوں گے۔

چوتھی قوت ہے انا پر استوار خیالات کو مکمل طور پر ترک کرنا۔

دیکھو: جو کچھ بھی انا سے ابھرے، فوراً اپنے آپ کو اس سے الگ کرو۔ ذرا سا تامل بھی خطرناک ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تامل سے اسے طاقت ملتی ہے۔ جس لمحے پتا چلے کہ یہ انا کی پیداوار ہے، اسی لمحے اس سے الگ ہو جاؤ۔

جیسے ہی غرور ابھرے، جیسے ہی انا سر ابھارے، ایک ہی وار سے اس کے سر کو کاٹ ڈالو۔

اور پانچویں قوت ہے ہر نیکی کو دوسروں کی فلاح کے لیے استعمال کرنا۔ جونہی تمہارے ساتھ کچھ اچھا ہو، فوراً اسے بانٹ دو۔ یہ بدھ مت کی سب سے بنیادی شے ہے۔ اسے ذخیرہ مت کرو، بخیل مت بنو۔ اگر محبت ابھرے تو اسے بانٹو، اس کی بارش برسا دو۔ اگر تم لوگوں کو نہیں پا سکتے تو اسے درختوں پر، چٹانوں پر ہی برسا دو لیکن برسا دو۔ اسے ذخیرہ مت کرو — کیونکہ اگر تم نے اسے ذخیرہ کیا تو یہ زہر بن جائے گی۔ اگر تم نے اسے ذخیرہ کیا تو یہ تلخ ہو جائے گی۔ اسے بانٹ دو۔

اور جتنا زیادہ تم بانٹتے ہو، اتنا ہی تمہیں نامعلوم سرچشموں سے زیادہ ملتا ہے۔ دھیرے دھیرے تم اندرونی معاشیات کو جان لو گے۔ بیرونی معاشیات ذخیرہ کرنے کی معاشیات ہے جبکہ اندرونی معاشیات ذخیرہ اندوزی کے الٹ ہے۔ دو، اور تم اسے پاؤ گے،

زیادہ دو، اور تم زیادہ پاؤ گے۔

یہ پانچوں قوتیں تبھی کارگر ہوں گی، اگر تم نے کے مطابق عمل کرو گے۔ اگر تم ان پر صرف غور کرتے، سوچتے رہو گے تو یہ بے معنی ہوں گی، یا بانجھ ہی رہیں گی۔ انہیں اپنی زندگی میں عملاً شامل کرو۔

انا جھوٹی ہے۔ اگر تم جھوٹی انا کے مطابق جیو گے تو تمہاری ساری زندگی جھوٹی رہے گی۔ اگر تم انا کے بغیر جیو گے تو تمہاری ساری زندگی حقیقت کی، سچ کی اور مصدقہ پن کی خوشبو سے بھری ہوگی۔

سوچو، مراقبہ کرو، عمل کرو۔



خود کو مٹانا مت!

خود کو خالی کرنے کے عمل اور خود کو مٹانے کے عمل میں کوئی شے مشترک نہیں ہے۔ نہ صرف یہ مختلف ہیں بلکہ ایک دوسرے سے قطعاً متضاد ہیں۔

خود کو خالی کرنے سے فردیت حاصل ہوتی ہے، زیادہ سے زیادہ فردیت۔ خود کو خالی کرنے کا مطلب خود کو ہر اس شے سے خالی کرنا ہے جو کہ شخصیت کی خصوصیت ہو۔

شخصیت ایک لایعنی پن ہے، شخصیت جعلی ہوتی ہے۔ شخصیت وہ کچھ ہے جو تمہیں معاشرے نے دیا ہے۔ شخصیت تم پر باہر سے مسلط کی گئی ہوتی ہے۔ یہ ایک نقاب ہوتی ہے۔ فردیت عین تمہاری ہستی ہے۔ فردیت وہ ہے جسے تم اس دنیا میں لائے ہو، فردیت بھگوان کا تحفہ ہے۔

شخصیت بدصورت ہوتی ہے کیونکہ یہ جعلی ہوتی ہے۔ جتنا زیادہ تم شخصیت کے حامل ہوتے ہو اتنا ہی فردیت کے نشوونما پانے کا امکان کم ہوتا ہے۔ شخصیت تمہارے پورے وجود پر قبضہ جما لیتی ہے۔ یہ کینسر جیسی ہوتی ہے۔ یہ تم پر پوری طرح قبضہ جما لیتی ہے۔ یہ فردیت کے لیے ذرا سی بھی جگہ نہیں چھوڑتی، حتیٰ کہ اس کا اپنا گوشہ بھی۔ شخصیت کو ترک کر دو، تاکہ فردیت وجود پذیر ہو سکے۔

فردیت ایک غیر انا پرستانہ مظہر ہے۔ یہ ''میں'' سے بالکل خالی ہوتی ہے۔ شخصیت ''میں'' کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ شخصیت جارح ہوتی ہے، متشدد ہوتی ہے، غلبہ پسند ہوتی ہے، سیاسی ہوتی ہے۔ فردیت خاموش ہوتی ہے، محبت کرنے والی ہوتی ہے، ہمدردی ہوتی ہے۔ وہ

مذہبی ہوتی ہے۔

خود کو خالی کرنے کا مطلب ہے ہر مواد سے خالی کرنا ـــ جیسے تم کمرے کو ہر کوڑے کچرے سے خالی کرتے ہو، جو کہ وہاں جمع ہو گیا ہوتا ہے۔ جب تم کمرے کو خالی کرتے ہو تم کمرے کو تباہ نہیں کرتے ہو۔ بالکل نہیں۔ تم تو اسے مزید کمرا پن دے دیتے ہو، مزید کشادگی دے دیتے ہو۔ جب سارا سامان نکل جاتا ہے تو کمرا اپنے آپ کو پا لیتا ہے، کمرا وجود پذیر ہوتا ہے۔

خود کو مٹانے کا مطلب کمرے کو ہی تباہ کر دینا ہے ـــ اپنی ہستی کو ہی تباہ کر دینا، اپنی ہستی کی یکتائی کو تباہ کر دینا، بھگوان کے تحفے کو تباہ کر دینا۔ خود کو مٹانے کا مطلب غلام بن جاتا ہے۔

فردیت تمہیں آقا بناتی ہے۔ وہ تمہیں زیادہ مصدقہ بناتی ہے۔ وہ تمہیں ٹھوس پن دیتی ہے، تم مزید خواب نہیں رہتے۔ وہ تمہیں وضاحت اور شفافیت دیتی ہے، وژن دیتی ہے۔ وہ تمہیں ہستی کے حسن سے آگاہ کرتی ہے، وہ تمہیں ہر شے کی خوبصورتی سے آگاہ کرتی ہے۔

خود کو مٹانا تمہیں تباہ کر دیتا ہے۔ یہ خودکشی ہے۔ تم اپنی شخصیت کو ترک نہیں کر رہے ہوتے ہو بلکہ تم تو عین اپنی یکتائیت کو ترک کر رہے ہوتے ہو۔ تم ٹھوس بننے کی بجائے پرچھائیں بن رہے ہوتے ہو۔ تم غلام بن رہے ہوتے ہو۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر تم خود کو مٹاتے ہو تو انا باقی رہتی ہے۔ اب یہ بہت لطیف انا بن جائے گی۔ اتنی لطیف کہ اس کا سراغ لگانا بھی تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔ اب وہ عاجزی کا، انکساری کا دعویٰ کرے گی لیکن وہ جھوٹا دعویٰ ہوگا۔ وہ کہے گی: ''دیکھو! میں نے خود کو مٹا لیا ہے۔ اب میں نہیں ہوں۔''

لیکن جب تم کہتے ہو ''اب میں نہیں ہوں'' ـــ تو تم ہوتے ہو، وگرنہ کون یہ کہہ رہا ہے ''اب میں نہیں ہوں۔''

ایک نام نہاد سادھو سے کسی نے پوچھا: ''کیا تم بھگوان ہو؟''

اس نے کہا: ''نہیں۔'' لیکن پھر فوراً بولا: ''صبح کے وقت سورج طلوع ہوتا ہے، لیکن وہ کبھی اعلان نہیں کرتا ہے کہ میں سورج ہوں۔''

وہ ایک دوسرے انداز میں یہ کہہ رہا تھا: ''میں بھگوان ہوں، لیکن میں سورج کے مانند ہوں جو ہر صبح طلوع ہوتا ہے لیکن اعلان نہیں کرتا کہ میں بھگوان ہوں۔''

جس آدمی نے مجھے یہ واقعہ سنایا تھا میں نے اس سے کہا: ''جاؤ اور اس نام نہاد سادھو سے کہو کہ سورج یہ بھی نہیں کہتا کہ میں سورج نہیں ہوں۔ ایسا سورج اس لیے نہیں کہتا ہے کہ وہ گیان پائے ہوئے ہوتا ہے بلکہ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ بول ہی نہیں سکتا! اگر وہ بول سکتا تو وہ ایک ہزار ایک طریقوں سے اس کا اعلان کرتا۔ درحقیقت وہ ایک ہزار ایک طریقوں سے اعلان کرتا ہے ''میں یہاں ہوں!'' وہ پھولوں میں اعلان کرتا ہے، پرندوں میں اعلان کرتا ہے، وہ ہر جگہ اعلان کرتا ہے: ''میں یہاں ہوں!''

ایک بار کرشنا مورتی سے پوچھا گیا: ''آپ کیوں بولتے رہتے ہیں؟''

اس نے کہا: ''بولنا تو میری فطرت ہے۔ میں ویسے ہی بولتا ہوں جیسے پھول خوشبو بکھیرتا ہے۔''

پھول بول نہیں سکتا۔ اس کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ خوشبو اس کی زبان ہے۔ سورج بول نہیں سکتا لیکن جو روشنی اس سے پھوٹتی ہے، وہ اس کا اس حقیقت کو بیان کرنے کا انداز ہے: ''میں یہاں ہوں، میں پہنچ چکا ہوں۔''

ایک جاپانی کہاوت ہے: ''پھول بولتے نہیں ہیں۔'' یہ کہاوت سراسر غلط ہے۔ پھول بولتے ہیں۔ بلاشبہ وہ اپنی ہی زبان میں بولتے ہیں۔ تبتی اپنی زبان بولتے ہیں، کیا تم کہو گے کہ وہ بولتے نہیں ہیں؟ چینی اپنی زبان بولتے ہیں کیا تم کہو گے کہ وہ بولتے نہیں ہیں؟ صرف اس لیے کہ تم سمجھ نہیں سکتے، تم کہتے ہو کہ وہ بول نہیں رہا ہے؟ چینیوں کی اپنی زبان ہے، اسی طرح سورج کی اپنی زبان ہے، پھولوں کی اپنی زبان ہے، جانوروں کی اپنی زبان ہے، پرندوں کی اپنی زبان ہے، چٹانوں کی اپنی زبان۔ ساری دنیا کروڑوں زبانوں میں اپنا اظہار کرتی ہے۔

تاہم منکسر المزاج شخص بات یوں شروع کرتا ہے: ''میں نہیں ہوں۔ میں ایک انا نہیں ہوں۔ میں اپنے آپ کو مٹا چکا ہوں۔'' مگر سوال یہ ہے کہ یہ باتیں کون کر رہا ہے؟ جو شخص خود کو خالی کر چکا ہو ایسی باتیں نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے: ''میں ہوں'' اور میں پہلی بار ہوں۔

تاہم اب میرے ''میں ہوں پن'' (I-am-ness) میں ''میں'' صرف لسانیاتی اعتبار سے آیا ہے، یہ تو بات کہنے کا ایک انداز ہے۔ وجودیاتی اعتبار سے صرف ''ہوں پن'' (am-ness) ہے۔

اسی کو کسوٹی بنا کر پرکھ لو کہ تم خود کو خالی کر رہے ہو یا مٹا رہے ہو۔ اگر تم خود کو خالی کر رہے ہو تو تم زیادہ سے زیادہ خوش ہو جاتے ہو، کیونکہ تم زیادہ سے زیادہ کشادہ ہو جاتے ہو۔ تم بھگوان کو زیادہ سے زیادہ مہیا ہو جاتے ہو۔ تم ہستی کے لیے کشادہ ہو جاتے ہو، اور اس کی ساری خوشیوں اور ساری رحمتوں کے لیے۔

تاہم اگر تم خود کو مٹا رہے ہو تو تم زیادہ سے زیادہ اداس ہو جاؤ گے، اور بھاری ہو جاؤ گے۔ تم زیادہ سے زیادہ بے جان اور مردہ ہو جاؤ گے۔ کیونکہ خود کو مٹانا آہستہ آہستہ خودکشی کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس سے خبردار رہو۔ تمہیں بہت چوکس رہنا ہو گا کیونکہ دونوں میں بہت مشابہت ہے۔

روحانی نشوونما میں حقیقی خطرہ ان چیزوں سے ہوتا ہے جو بالکل متضاد ہوتی ہیں لیکن ایک جیسی لگتی ہیں۔ حقیقی مسئلہ ان چیزوں سے نہیں ابھرتا جو بظاہر متضاد ہوتی ہیں، حقیقی مسئلہ ان چیزوں سے ابھرتا ہے جو بظاہر متضاد نہیں ہوتیں، حالانکہ وہ متضاد ہوتی ہیں۔

نفرت کا حقیقی متضاد محبت نہیں ہے۔ محبت کا حقیقی متضاد نفرت نہیں ہے۔ محبت کا حقیقی متضاد جھوٹی محبت ہے۔ ایسی محبت جو محبت ہونے کا دھوکا دیتی ہے، جبکہ وہ محبت نہیں ہوتی۔ انسان کو محتاط رہنا ہوتا ہے۔

ہمدردی کا حقیقی متضاد غصہ نہیں ہے ہمدردی کا حقیقی متضاد مصنوعی ہمدردی ہے۔ ایسی ہمدردی جو تم میں نہیں ہوتی بلکہ صرف تمہارے کردار میں ہوتی ہے، ایسی ہمدردی جس کو تم نے اپنی محیط پر پینٹ کر رکھا ہوتا ہے۔

تمہاری مسکراہٹوں کا حقیقی متضاد آنسو نہیں بلکہ وہ مسکراہٹیں ہیں جو پینٹ کی گئی ہوتی ہیں، ایسی مسکراہٹیں ہونٹوں سے گہری نہیں ہوتیں، وہ ہونٹوں کی ایکسرسائز کے سوا کچھ نہیں ہوتیں۔ کوئی دل ان سے جڑا نہیں ہوتا، کوئی احساس ان کے پیچھے نہیں ہوتا۔ مسکراہٹ کے پیچھے کوئی نہیں ہوتا، مسکراہٹ محض ایک باوقار حربہ ہوتی ہے۔ آنسو مسکراہٹوں کے متضاد نہیں ہیں، وہ تو لازم و ملزوم ہیں۔ البتہ جھوٹی مسکراہٹ حقیقی متضاد ہے۔

اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا کہ جھوٹا سچے کا دشمن ہے۔ اگر تمہاری مسکراہٹ سچی ہے اور اگر تمہارے آنسو سچے ہیں تو وہ دوست ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے کیونکہ دونوں تمہاری ہستی کے سچ کو مضبوطی دیں گے۔ اگر تمہارے آنسو جھوٹے ہیں اور تمہاری مسکراہٹیں جھوٹی ہیں، تب بھی وہ دوست ہیں۔ وہ تمہارے جھوٹے پن کو مضبوطی دیں گے، تمہاری شخصیت کو، تمہارے نقاب کو مضبوطی دیں گے۔

تنازعہ حقیقی اور غیر حقیقی یا دھوکے باز کے مابین ہے۔ خود کو خالی کرنا انتہائی قابلِ قدر ہے، لیکن خود کو مٹانا خطرناک ہے۔ خود کو مٹانا انا کا ایک باریک طریقہ ہے — انا عقبی دروازے سے آتی ہے۔

اور فطری بات ہے وہ تمہیں زیادہ سے زیادہ سنجیدہ بناتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمہارے نام نہاد پنڈت اتنے سنجیدہ دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی سنجیدگی کی ایک وجہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ ایسی عاجزی کو برقرار رکھے ہوئے ہیں جو حقیقتاً ہے نہیں۔ جو شے حقیقی نہ ہو اسے برقرار رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ انسان کو ہر وقت چوکنا رہنا پڑتا ہے۔ ذرا سی چوک ہوئی تو حقیقت اپنا اظہار کرے گی اور تم نے اتنے عرصے سے جو برقرار رکھا ہوا ہے، اسے تباہ کر دے گی۔ وہ تمہاری عزت کو تباہ کر دے گی۔

جو شے بھی برقرار رکھی جاتی ہے وہ تمہیں سنجیدہ اور اداس کر دیتی ہے۔ کہیں گہرائی میں تم رنگے ہاتھوں پکڑے جانے سے ڈرتے ہو، اپنا جھوٹ پکڑے جانے سے خوفزدہ ہوتے ہو۔ اگر تم اپنے اندر کوئی جھوٹ چھپائے ہوئے ہو تو تم لوگوں سے گریزاں رہو گے۔ تم کسی کو دوست بننے کی اجازت نہیں دو گے، اتنے قریب نہیں آنے دو گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قربت میں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ قریب رہنے والا دوسرا وہ کچھ دیکھ لے جو کہ اجنبیوں کو دکھائی نہیں دے سکتا۔ تم لوگوں کو ایک فاصلے پر رکھو گے، تم لوگوں سے دور بھاگو گے، تم صرف رسمی تعلقات رکھو گے، تم حقیقی تعلق قائم نہیں کرو گے کیونکہ حقیقی تعلق قائم کرنے کا مطلب ہوتا ہے اپنے آپ کو عیاں کر دینا۔

لہٰذا تمہارے نام نہاد پنڈت مندروں کو فرار ہو جاتے ہیں۔ وہ ایسا خوف کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اگر وہ بازار میں ہوں گے تو پکڑے جائیں گے، پتا چل جائے گا کہ وہ دھوکا

دے رہے ہیں، پتا چل جائے گا کہ وہ منافق ہیں۔ مندروں میں وہ اپنی منافقت کو برقرار رکھ سکتے ہیں اور کوئی شخص اس کا سراغ نہیں لگا پاتا۔ مزید یہ کہ دوسرے منافق بھی موجود ہوتے ہیں۔ وہ مل کر اپنی سازش کو زیادہ آسانی سے کامیاب کر سکتے ہیں۔ بہ نسبت اس کے کہ ہر منافق اکیلا سازش کرے۔

مندر فرار پسندوں کے لیے قائم کیے گئے ہیں۔ تم دنیا میں بھی یوں رہ سکتے جیسے نام نہاد پنڈت مندروں میں رہتے ہیں — لوگوں کو ہمیشہ ایک فاصلے پر رکھتے ہوئے، کسی کو بھی اپنی داخلی ہستی تک رسائی نہ پانے دیتے ہوئے، کبھی کشادہ نہ ہوتے ہوئے، کسی کو اپنے اندر جھانکنے کی اجازت نہ دیتے ہوئے کہ وہ یہ دیکھ لے کہ تم کون ہو، لوگوں کی آنکھوں میں کبھی نہ دیکھتے ہوئے، لوگوں کی نظروں سے بچتے ہوئے، اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اور ہمیشہ جلدی میں رہتے ہوئے تاکہ ہر شخص جان لے کہ تم اتنے مصروف ہو کہ تمہارے پاس سلام دعا کرنے کا بھی وقت نہیں ہے، کسی سے مصافحہ کرنے کا بھی وقت نہیں ہے، کسی کے ساتھ غیر رسمی طور پر بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔ تم اتنے مصروف ہوتے ہو کہ ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہو۔

تم انہیں بھی اپنے قریب نہیں آنے دیتے جو تمہارے قریب ترین عزیز ہوتے ہیں — خاوند، بیوی، بچے — تم ان کے ساتھ بھی ایک رسمی تعلق قائم رکھتے ہو، ایک روایتی، رواجی تعلق۔

اسی لیے شادی محض ایک رواج (Institution) بن گئی ہے۔ ایک نہایت خوبصورت رشتے کو رواج بنتے دیکھنا کتنا بدصورت ہے!! اگر لوگ اتنے مصیبت زدہ نظر آتے ہیں تو یہ فطری بات ہے۔ اگر تم رواجوں میں جیو گے تو تم مصیبت زدہ ہی ہو گے۔

خود کو مٹانا انا کا ایک حربہ ہے، ایک چال ہے، خود کو خالی کرنا دانائی والا عمل ہے۔ خود کو خالی کرنے میں تم ان کی چالوں کو سمجھتے ہو — اور اس سمجھنے میں انا خود بخود غائب ہو جاتی ہے۔ تم اسے ترک نہیں کرتے ہو، تمہیں اس کو ترک نہیں کرنا ہوتا ہے۔ تم اس سے لڑتے نہیں ہو۔ یہ تو پائی ہی نہیں جاتی۔ جب تم توجہ سے اندر دیکھتے ہو، آگہی کی روشنی کے ساتھ، تو تم وہاں کسی انا کو نہیں پا سکتے ہو۔ پس سوال یہ نہیں ابھرتا کہ خود کو کیسے یا کیوں مٹانا چاہیے؟ مٹانے کو کچھ ہے ہی نہیں! جو ہے، سو ہے، اسے مٹانے کی ضرورت ہی نہیں۔

خود کو خالی کرنے کا مطلب خود کو دیکھنا ہے۔ یوں بہت سی چیزیں ترک ہونے لگتی ہیں کیونکہ تم انہیں غیر ضروری طور پر اٹھائے ہوئے تھے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ موجود ہی نہیں ہیں۔ وہ تو آسیب ہیں، ڈراؤنے خواب ہیں۔ جب روشنی ہوتی ہے تو وہ خود بخود غائب ہو جاتے ہیں۔ خود کو خالی کرنا ایک مراقباتی عمل ہے۔ اندر دھیان جمائے ہوئے، گہرائی تک، بغیر کسی تعصب کے، بغیر کسی پہلے سے گھڑی ہوئی آئیڈیالوجی کے، نہ تو کسی کے حامی نہ کسی کے مخالف، محض اندر دھیان جمائے ہوئے، اور خالی پن وقوع پذیر ہونے لگتا ہے۔

اور جب تم سارا مواد نکال دیتے ہو ___ خیالات، خواہشیں، یادیں، واہمے، امیدیں ___ تو سب کچھ چلا جاتا ہے۔ پہلی بار تم خود کو پاتے ہو، وہ دوشیزہ خلا کو جو تمہارے اندر ہے۔ ہر شے کے بوجھ سے آزاد، وہ بے مواد شعور، جو کہ تم ہو! اسے دیکھتے ہوئے، اس کا ادراک پاتے ہوئے، انسان آزاد ہوتا ہے۔ انسان آزادی ہوتا، انسان مسرت ہوتا ہے، انسان رحمت ہوتا ہے۔

تاہم خود کو مٹانا خطرناک ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم قبول کر چکے ہو کہ انا موجود ہے اور اسے مٹایا جانا چاہیے۔ تم ایک واہمے کو قبول کر چکے ہو، اور اب اسے تباہ کرنا چاہتے ہو۔ تم نے تسلیم کر لیا ہے کہ سانپ رسی ہے، اور اب تم سانپ کو مارنے کی کوشش کر رہے ہو۔ تم بڑی مشکل میں ہو گے۔ تم کبھی سانپ کو مارنے کے قابل نہیں ہو گے۔ کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ سانپ نہیں ہے۔ تم رسی کو پیٹتے چلے جاؤ، لیکن سانپ کا کیا ہوگا۔ سانپ تو وہیں رہے گا۔

سانپ تو تمہارے واہمے میں موجود ہے۔ سانپ باہر وجود نہیں رکھتا ہے، بصورتِ دیگر تم اسے مار سکتے ہو۔ تم اس سانپ کو کیسے مار سکتے ہو جو ہے ہی نہیں ہے؟ تم تو ایک سائے سے لڑ رہے ہو اور تمہیں شکست ہونا لازم ہے۔

اس بنیادی اصول کو ہمیشہ یاد رکھو کہ اگر تم کسی جھوٹی شے سے لڑو گے تو تمہیں شکست ہو گی۔ جھوٹ کو شکست نہیں دی جا سکتی ہے کیونکہ وہ تو جھوٹ ہوتا ہے۔ تم کسی ایسی شے کو، جو کہ غیر وجودی ہے، کیسے شکست دے سکتے ہو؟ کوئی طریقہ نہیں ہے اس کا۔ واحد طریقہ ہے کہ روشنی لاؤ اور دیکھو۔

آؤ اور دیکھو! عین اس دیکھنے میں سانپ نہیں پایا جائے گا۔ رسی موجود ہو گی، سانپ غائب ہوگا۔ اب اپنے آپ کو مٹانے کی ضرورت نہیں ہے، لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لاکھوں لوگ ہیں جو منکسر المزاج بننے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن ان کی ساری کوشش ہے بکواس ہے، نری حماقت ہے۔

ایک بار ایک شخص نے مجھ سے پوچھا: ''آپ انا پرست ہیں یا منکسر المزاج انسان ہیں؟''

میں نے کہا: ''کچھ بھی نہیں۔ نیتی نیتی۔ نہ یہ، نہ وہ۔ میں ان دونوں میں سے کچھ بھی ہو ہی نہیں سکتا۔''

اس نے کہا: ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ انسان کو یا تو انا پرست بننا پڑتا ہے یا منکسر المزاج۔''

میں نے کہا: ''تم سمجھتے نہیں ہو۔ تمہیں کچھ پتا نہیں ہے۔ تم کبھی اپنے اندر نہیں گئے ہو۔ اگر تم منکسر المزاج ہو تو تم سر کے بل کھڑے ہوئے انا پرست ہو۔ انکسار انا کا ایک اظہار ہے۔ میں کچھ نہیں ہوں۔ میں جو کچھ ہوں، بس وہی ہوں، نہ منکسر المزاج، نہ انا پرست۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انا ہے ہی نہیں۔ پس انکسار کیسے ہو سکتا ہے؟''

انکسار انا کا دوسرا روپ ہے۔ تاہم جب انا ہی نہیں ہو گی تو اس کا دوسرا روپ کیسے ہو گا؟ اگر سانپ نہیں ہے تو تم سانپ کے زہریلے دانت کیسے الگ کر سکتے ہو؟ انکسار یہی کچھ تو ہے۔ سانپ سے الگ کر دئیے گئے زہریلے دانت۔ اب سانپ ڈس نہیں سکتا ہے، اب سانپ کاٹ نہیں سکتا ہے، اب سانپ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے لیکن سانپ تو ہے نا!

وہ دانت جھوٹے تھے، کیونکہ خود سانپ جھوٹا ہے۔

بدھ نہ تو انا پرست ہے نہ منکسر المزاج۔ سمجھ والے انسان کے لیے دونوں ناممکن ہیں۔ جاہل شخص انا پرست ہو سکتا ہے، منکسر المزاج ہو سکتا ہے ___ دونوں ہی جہالت کے دو رُخ ہیں۔ اور جاہل آدمی انا کو مٹانے کی کوشش کر سکتا ہے کیونکہ ان کا حامل نہ ہونا بہت محترم

مانا جاتا ہے۔ انسان انا کو مٹا کر پنڈت بن جاتا ہے۔ انسان بے پناہ عزت و احترام اور قوت حاصل کر لیتا ہے انا کو مٹا کر۔ تاہم یہ ہوتا ایک ہی کھیل ہے، کھیل تبدیل نہیں ہوتا۔

تمہارے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ پلیز خود کو مٹاؤ مت۔ اپنے ''ہوؤ''، اپنے اندر دیکھو، اور عین اس دیکھنے سے انا غائب ہو جائے گی۔ ''غائب'' کہنا بھی درست نہیں ہے۔ انا تخیل میں پائی جاتی ہے۔ یہ تو کبھی ہوتی ہی نہیں۔ اس کے وجود کا دارومدار تمہارے اپنے اندر نہ دیکھنے پر ہوتا ہے۔ دیکھو گے تو یہ نہیں ہو گی — یہ کبھی تھی ہی نہیں۔ یوں تم فردیت ہوتے ہو، یکتائیت ہوتے ہو۔ تب انتہائی مسرت ہوتی ہے۔ تم کھلنا شروع ہو جاتے ہو، بہار آ چکی ہوتی ہے۔ تم رقص کرنے لگتے ہو، تم گانے لگتے ہو۔ تم میں عظیم احسان مندی ابھرتی ہے کہ بھگوان نے تمہیں یکتا فرد بنایا ہے۔

تم جیسا کوئی ایک شخص بھی پہلے نہیں ہوا ہے، پوری دنیا میں تم جیسا کوئی شخص اب تک نہیں ہوا، اور نہ کبھی تم جیسا ہو گا۔ ذرا دیکھو تو سہی بھگوان نے تمہیں کتنی عزت عطا کی ہے۔ تم ایک شاہ کار ہو — جس کو دہرایا نہیں جانا، جس کا کوئی مقابل نہیں، نہایت یکتا۔ پتھر سے پتھر دل بھی احسان مندی سے پگھلنے لگتا ہے۔ آنسو بہنے لگتے ہیں، رحمت اور مسرت کے آنسو، آنسو جو نہیں ہوتے ہیں۔

لیکن پلیز یاد رکھنا، خود کو خالی کرنا، خود کو مٹانا مت!



سنیاس

محبوب اوشو! ان لوگوں کے بارے میں کیا کہیں گے جو یہاں پونا میں سنیاس صرف اس لیے لیتے ہیں کہ اپنے گھر کے ماحول میں اسے ترک کر دیں گے؟

آنند لائیونل! وہ ''گدھے کی آنت'' (Assholes) ہیں اور وہ اس لیے گدھے کی آنت نہیں ہیں کہ وہ سنیاس کو ترک کر دیتے ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ سنیاس لیتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ یہاں سنیاس لے کر وہ کوئی شے حاصل کر لیں گے، اور گھر جا کر اسے پھینک دیں گے۔

تاہم اگر شروع میں ہی یہ تصور ہو کہ ''میں گھر جا کر اسے ترک کر دوں گا'' تو سنیاس تمہارے لیے رحمت نہیں ہو گا۔ یہ اس طرح کے عیار ذہنوں کے لیے رحمت ہو بھی نہیں سکتا۔ تم سنیاسی بن کے بھی سنیاسی نہیں بنے ہو۔

مثال کے طور پر محبت تمہاری کایا کلپ کر سکتی ہے لیکن اگر تم صرف اداکاری کر رہے ہو، ڈھونگ رچا رہے ہو تو وہ تمہیں باثروت نہیں کرتی ہے۔ درحقیقت وہ تمہیں باثروت نہیں کر سکتی۔ درحقیقت وہ تمہیں مفلس کر سکتی ہے۔ اگر تم کسی عورت یا مرد سے محبت کرتے ہو — حقیقت میں محبت نہ کرتے ہوئے — تو وہ محبت عبث ہو گی، رائیگاں ہو گی، اکارت ہو گی۔ ہو سکتا ہے تمہاری ساری زندگی زہر سے بھر جائے۔ تم جب بھی محبت کرو گے، یہ عیاری اس میں ہو گی، یہ لہو میں گردش کرے گی، تمہاری ہستی میں ہو گی۔ تم شروع ہی سے جانتے ہو کہ یہ سب

دھوکا ہے۔ تم کبھی کسی شخص کے قریب نہیں ہوتے ہو ــــ جبکہ قربت کشف ہوتی ہے۔ سنیاس حتمی قربت ہے۔ اس لیے تم عیار نہیں ہو سکتے۔ اور اگر تم ہو تو صرف اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہو۔

دنیا "گدھے کی آنتوں" سے بھری ہوئی ہے۔ یہ فطری ہے۔ میں دس فیصد کی توقع رکھتا ہوں۔ دس فیصد کا دھوکے باز ہونا لازمی ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ صرف دس فیصد لوگ دھوکے باز ہیں۔

لوگ وعدے کی زبان بھول چکے ہیں۔ لوگ وعدے کی خوبصورتیوں سے واقف نہیں ہیں، وہ وفا کی مسرتوں سے واقف نہیں ہیں۔ وہ کسی شے سے کامل وفا کے معنی سے آگاہ نہیں ہیں۔ کسی شے سے کامل وفا کا مطلب اپنے اندر ایک روح کو جنم دینا ہے۔ یہ تمہیں جوڑتی ہے، یکجا کرتی ہے، یہ تمہیں ریڑھ کی ہڈی دیتی ہے۔ بصورتِ دیگر وہ لوگ ریڑھ کی ہڈی کے بغیر زندہ رہتے ہیں، وہ کیڑے ہوتے ہیں، جونک ہوتے ہیں۔ وہ حقیقتاً انسان نہیں ہوتے۔ وہ ابھی انسان ہونے کے شرف سے محروم ہوتے ہیں۔

انسان ہونے کا مطلب باوفا ہونا ہے، کسی تجربے کی انتہا کو جانے کو تیار ہونا ہے۔ دنیا کے لاکھوں کروڑوں لوگ نابالغ ہی رہتے ہیں۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ باوفا بننے کو تیار نہیں ہوتے۔ وہ بے جڑ ہی رہتے ہیں۔ جس درخت کی جڑیں نہ ہوں تم اس کے بارے میں اندازہ لگا سکتے ہو کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا۔ رفتہ رفتہ رس میں سے اس غائب ہو جائے گا کیونکہ وہ اس کے کسی سرچشمے سے جڑا ہوا جو نہیں ہوگا۔ وہ اپنا ہرا پن کھو دے گا، وہ زیادہ عرصہ جوان اور زندہ نہیں رہے گا۔ وہ شان و شوکت اور چمک دمک کھو دے گا۔ وہ کھلے گا نہیں۔ بہاریں آئیں گی اور چلی جائیں گی لیکن وہ ویسا ہی رہے گا، مردہ، خشک۔

کروڑوں لوگوں کے ساتھ یہی کچھ ہوا ہے۔ وہ اپنی مٹی کھو چکے ہیں۔ مَیں سنیاس کے ذریعے تمہیں تمہاری مٹی دینے کی کوشش کر رہا ہوں جو تمہیں نشوونما دے سکتی ہے، تاکہ رس تمہارے نظام میں بہنا شروع ہو جائے، تاکہ تم دوبارہ اس سے بھر جاؤ، تاکہ تم دوبارہ جوان ہو جاؤ، تازہ ہو جاؤ۔

انسان ایک صفت کھو چکا ہے ــــ ولولہ و جوش کی صفت۔ بغیر جوش کے، بغیر ولولے

کے زندگی کیا ہے؟ صرف موت کا انتظار۔ یہ کچھ اور بھی ہو سکتی ہے۔ تم صرف جوش کے ساتھ "زندہ" ہوتے ہو، بصورتِ دیگر تم "نباتات" ہوتے ہو۔

سنیاس ترک نہیں ہے۔ یہ تو زندگی کو اس کی کاملیت اور شدت میں جینے کا ایک طریقہ ہے۔ یہ زندگی کو اس کے سارے رخوں کے ساتھ جینے کا فن ہے۔ یہ زندگی کو اس کی ساری امارت کے ساتھ جینے کا فن ہے۔ میں راہب اور ننیں نہیں بنا رہا ہوں ــــ نہیں، بالکل نہیں۔ میں تو زندہ و جاندار لوگوں کو تخلیق کر رہا ہوں، جوش سے بھرے ہوئے، جوان اور تازہ، سچ کی تلاش میں ہر مہم پر جانے کو تیار، محبت کی تلاش میں ہر مہم پر جانے کو تیار، بھگوان کی تلاش میں ہر مہم پر جانے کو تیار۔

تم کچھ دیئے بغیر پہلے درجے کے شہری نہیں بن سکتے۔ زندگی میں تم کوئی شے اس کے لیے ادائیگی کیے بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر تم کچھ بغیر ادائیگی کیے پا لو گے تو تمہیں اس کی قدر نہیں ہوگی۔ قدر صرف تبھی ابھرتی ہے کہ جب تم اس کے لیے ادائیگی کرتے ہو۔ جتنا زیادہ تم ادا کرتے ہو، اتنا زیادہ وہ قیمتی ہو جاتی ہے۔ میرے قریب آنے کے لیے تمہیں کچھ کرنا ہو گا۔

میں اس ملک کے لاکھوں لوگوں سے خطاب کر چکا ہوں۔ پھر میں نے یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ میں نے ایک ایک جلسے میں پچاس پچاس ہزار افراد سے خطاب کیا ہے۔ میں پندرہ سال تک سارے ملک میں گھومتا رہا ہوں، ایک کونے سے دوسرے کونے تک۔ پھر میں اس سارے عمل سے اکتا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر روز مجھے اے بی سی سے شروع کرنا ہوتا تھا۔ خطاب ہمیشہ اے بی سی تک ہی رہتا۔ آخر مجھ پر واضح ہو گیا کہ میں کبھی ایکس وائی زیڈ تک نہیں پہنچ پاؤں گا۔ مجھے سفر ترک کرنا پڑا۔

اب میں اس آشرم کے گیٹ سے بھی باہر نہیں جاتا، کیونکہ وہاں مجھے پھر انہیں لوگوں سے ملنا پڑے گا جو اے بی سی میں زندہ ہیں۔ مجھے ان میں دلچسپی نہیں رہی۔ اگر انہیں دلچسپی ہے تو پھر انہیں یہاں آنا ہوگا، اور انہیں رکاوٹیں پار کرنا ہوں گی۔ رفتہ رفتہ وہ شریک ہو جائیں گے۔ انہیں سنیاسی بننا ہوگا۔

میں طالب علموں سے نہیں، صرف چیلوں سے بات کرتا ہوں۔ میں صرف اپنے

لوگوں لوگوں سے بات کرنا پسند کرتا ہوں۔

ابھی اگلے روز ہی میں انڈین ایکسپریس میں چھپنے والی ایک رپورٹ پڑھ رہا تھا۔ اس کا صحافی یہاں صرف دو تین دن کے لیے آیا تھا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ہزاروں لوگ اتنی خاموشی سے بیٹھے تھے کہ پرندوں کی چہچہاہٹ تک سنی جا سکتی تھی۔ وہ اس قدر خاموش تھے کہ لگتا تھا وہاں کوئی نہیں ہے۔

اور اس نے کیا نتیجہ اخذ کیا؟ اس نے اندازہ لگایا کہ یہ سب جان بوجھ کر کیا گیا تھا، کہ یہ محض اداکاری تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ بے چارے انڈین ایکسپریس کے صحافی کو متاثر کرنے کی کوشش تھی! اسے یقین اس لیے نہیں آیا کہ وہ ہندوستانیوں کو جانتا ہے، اور ہندوستانی جلسوں سے واقف ہے۔

میں بھی انہیں جانتا ہوں۔ ایک دفعہ میں ایک جلسے میں کرشن کے حوالے سے خطاب کر رہا تھا اور لوگ میری طرف کمر کیے بیٹھے تھے، ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے، گپیں لگا رہے تھے ـــ ان کے چہرے نہیں کمریں میری طرف تھیں! وہ آخری دن تھا، اونٹ کی کمر پر آخری تنکا۔ میں نے خطاب درمیان میں چھوڑ دیا۔ جلسے کے صدر نے پوچھا: ''آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' میں نے کہا: ''میں ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں! میں نے ان احمق لوگوں سے تعلقات منقطع کر دیئے ہیں۔ میں کرشن کے حوالے سے بات کر رہا ہوں، انہی نے مجھے خطاب کے لیے دعوت دے کر بلایا تھا اور اب ایسا لگتا ہے کہ کوئی سن ہی نہیں رہا۔''

اس ہندوستانی صحافی نے ایسے بہت سے جلسے دیکھ رکھے ہوں گے۔ پس یہاں تین ہزار لوگوں کو خاموش بیٹھے دیکھ کر اس کا یہ نتیجہ اخذ کرنا فطری ہی تھا کہ یہ سب اسے متاثر کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔

میں نے کبھی کسی کو مسترد نہیں کیا۔ تاہم اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ سب کو قبول کر لیا گیا ہے۔ کسی شخص کو کبھی رد نہیں کیا گیا لیکن اس کا مطلب یہ بالکل نہیں ہے کہ سب کو قبول کر لیا گیا ہے۔ صرف انہیں کو قبول کیا جاتا ہے جو سپردگی اختیار کرتے ہیں۔ صرف انہی کو قبول کیا جاتا ہے جو کاملاً باوفا ہوتے ہیں، جو مجھ سے محبت کرتے ہیں، جو بھروسہ کر سکتے ہیں، اور جن کا بھروسہ غیر مشروط اور مطلق ہوتا ہے۔ انہیں قبول کر لیا گیا ہے۔

سنیاس کسی کے لیے ممنوع نہیں ہے کیونکہ سنیاس تو ایک موقعہ ہے۔ چند ایک لوگ سنیاس لینے کے بعد سپردگی اختیار کرتے ہیں، چند لوگ کئی ماہ، کئی سال بعد سپردگی اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا سنیاس پر کوئی قدغن نہیں۔ یہ تو سپردگی کے لیے تناظر مہیا کرتا ہے۔

تاہم جسے حقیقتاً قبول کر لیا گیا ہے اس کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ اس کا اعلان نہیں کیا جاتا۔ صرف مجھے پتا ہوتا ہے۔ جس کو قبول کیا گیا ہوتا ہے اسے دھیرے دھیرے اس کا پتا چلنا شروع ہو جاتا ہے ـــ لیکن بہت دھیرے۔ بعض اوقات اس شخص کو کئی سال میں پتا چلتا ہے کہ اسے قبول کر لیا گیا ہے۔ کبھی کہا نہیں جاتا ہے، اس شخص سے بھی نہیں کہا جاتا کہ اسے قبول کر لیا گیا ہے۔ اس بات کو سمجھ لیا جائے۔ یہی اس کا حسن ہے۔ صرف تبھی یہ اہم ہوتی ہے۔

گرو انہیں نہیں ملتا جو سمجھتے ہیں کہ وہ کھو گئے ہیں۔ گرو تو انہیں ملتا ہے جو یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہاں ایک راستہ ہے، ایک کرن ہے، وہ کھو نہیں گئے۔ وہ اس شخص کو پا سکتے ہیں جو کہ ان کی مدد کرے گا، جو معاملات کو زیادہ واضح اور شفاف بنا دے گا۔



حقیقت آغاز وانجام سے ماورا ہے

حقیقت کی تعریف ممکن نہیں ہے۔ حقیقت تو ہوتی ہے، یہ کہنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ یہ کیا ہے۔ یہ "کیا" نہیں ہے، یہ "وہ" بھی نہیں ہے۔ یہ "یہ" ہے۔ یہ "یہ پن" ہے۔ تم اس کا تجربہ کر سکتے ہو، لیکن تم اس کی وضاحت نہیں کر سکتے۔

اور حقیقت آغاز وانجام سے ماورا ہے۔ ذہن کا ایک آغاز اور ایک انجام ہے، لہٰذا ذہن اور حقیقت مل نہیں سکتے۔ ذہن ابدیت کو سمجھ نہیں سکتا۔ ذہن وقت میں جیتا ہے۔ درحقیقت ذہن وقت ہی ہے۔ یہ ماضی میں اور مستقبل میں جیتا ہے۔ یاد رکھنا، وقت کے صرف دو زمانے (Tenses) ہیں: ماضی اور مستقبل۔ حال وقت کا حصہ نہیں ہے۔ حال تو ابدیت کا حصہ ہے۔

لہٰذا ذہن کبھی حال میں نہیں پایا جاتا۔ یہ ہمیشہ جھولتا رہتا ہے — کبھی ماضی کی طرف اور کبھی مستقبل کی طرف۔ وہ اس کی طرف جاتا ہے جو نہیں ہے یا پھر اس کی طرف جو ابھی تک نہیں ہے۔ اس کا سارا ہنر خواب دیکھنے پر مشتمل ہے۔ اس کی جڑیں غیر وجودیاتی میں ہوتی ہیں، اسی لیے یہ وجود کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہ اندھیرے کے جیسا ہوتا ہے۔ اندھیرا روشنی کو کیسے سمجھ سکتا ہے؟ موت زندگی کو کیسے سمجھ سکتی ہے؟ اگر موت زندگی کو سمجھ سکتی تو پھر موت بھی زندگی ہوتی۔ اگر اندھیرا، روشنی کو سمجھ لیتا تو پھر اندھیرا روشنی ہوتا۔

اور ذہن کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اگر ذہن حقیقت کو سمجھنا چاہتا ہو تو اسے ماضی اور مستقبل سے نکلنا ہوگا۔ تاہم ماضی اور مستقبل سے نکل کر وہ ذہن ہی نہیں رہے گا۔ اسی لیے

تمام دنیا کے گروؤں کا یہی کہنا ہے کہ حقیقت کا دروازہ لاذہن ہے۔

ذہن سے نکل آؤ گے تو تمہیں پتا چلے گا کہ حقیقت کیا ہے: آغاز وانجام سے ماورا۔ اگر ذہن میں بند رہو گے تو تم الجھ جاؤ گے: حقیقت ناقابلِ فہم ہی رہے گا۔

میں اسے تم پر واضح نہیں کر سکتا کیونکہ وضاحت کرتے ہوئے مجھے ذہن استعمال کرنا پڑے گا۔ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے تمہیں ذہن استعمال کرنا پڑے گا۔ میں تمہارے ساتھ خاموش ہو سکتا ہوں، اور اگر تم بھی میرے ساتھ خاموش ہو سکتے ہو تو پھر فہم ابھرے گا۔

اگر تم حقیقت جاننا چاہتے ہو تو تمہیں ذہن کو کھونا ہوگا۔ تمہیں ذہن کھونے کی صورت میں قیمت ادا کرنا ہوگی۔ تاہم اگر تم اڑے رہو گے کہ "میں تو ذہن کے ذریعے سمجھنا چاہتا ہوں" تو پھر صرف واحد شے ممکن ہے۔ ذہن تمہیں قائل کر لے گا کہ آغاز سے ماورا کوئی شے نہیں ہے، انجام سے ماورا کوئی شے نہیں ہے، کوئی شے ایسی نہیں جس کی تعریف ممکن نہ ہو، کوئی شے ایسی نہیں جس کو سمجھا نہ جا سکتا ہو۔

ذہن تمہارے تجربے کو ناپے جا سکنے والے تک، جانے جا سکنے والے تک محدود کر دیتا ہے جبکہ جانا جا سکنے والا تو عام ہوتا ہے، غیر مقدس ہوتا ہے۔ جو جانا نہیں جا سکتا ہے، وہ مقدس ہے۔ صرف جانے نہ جا سکنے والے کے ساتھ زندگی ایک رحمت بن جاتی ہے، صرف جانے نہ جا سکنے والے کے ساتھ تم زندگی اور ہستی کے تحیر سے آشنا ہوتے ہو۔ دفعتاً تمہارے دل میں ایک نغمہ جنم لیتا ہے — وہ نغمہ جسے محدود نہیں رکھا جا سکتا، وہ نغمہ جو چھلکنے، بہنے لگتا ہے، وہ نغمہ جو دوسروں تک پہنچنے لگتا ہے۔ تم میں ایک رقص جنم لیتا ہے — وہ رقص جس میں دوسروں کو ضرور شامل کرنا پڑتا ہے، وہ رقص جس کے لیے تم کنجوس نہیں ہوتے، وہ رقص جو تمہیں فیاض بنا دیتا ہے۔ تم میں ایک محبت جنم لیتی ہے — وہ محبت جو ایسی لامحدود ہوتی ہے کہ یہ ساری لامحدود ہستی کو بھر سکتی ہے۔ تاہم ایسا صرف تبھی ہوتا ہے جب ذہن کو ترک کر دیا گیا ہو۔

ناممکن کو کرنے کی کوشش نہ کرو۔ حقیقت کو ذہن کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرنا اپنے ہی جوتے کے تسموں کو پکڑ کر اوپر کھینچنے کی کوشش کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے تم تھوڑا بہت پھدک لو، لیکن آخر تمہیں زمین پر ہی آنا ہوتا ہے۔ تم بار بار پھدکتے ہو اور بار بار زمین پر آ جاتے ہو۔ یہ عمل بہت تھکا دینے والا ہے۔ تم اپنے ہی تسموں کو اوپر کھینچ کر آسمان پر نہیں اڑ سکتے، اس سے

تمہیں پرَ تھوڑا ہی مل جاتے ہیں۔

دھیرے دھیرے حقیقت سے بغیر ذہن کے رابطہ کرنے کی کوشش کرو۔ کبھی کبھار جب سورج غروب ہو رہا ہو تو بس بیٹھے اسے تکتے رہا کرو، اس کے بارے میں کچھ بھی نہ سوچتے ہوئے — دیکھتے رہو، کچھ مت سوچو، یہ بھی نہ کہو: ''یہ کتنا خوبصورت ہے!'' جس لمحے تم کچھ کہتے ہو، ذہن آ چکا ہوتا ہے۔

ذہن زبان پر مشتمل ہے۔ زبان استعمال نہ کرو۔ کیا تم صرف سورج کے غروب ہونے کو اور اس کے حسن کو نہیں دیکھ سکتے؟ کیا اس کا حسن تم پر چھا نہیں سکتا؟ کیا اس کی عظمت تم پر حاوی نہیں ہو سکتی؟ اس میں زبان کو لانے کا کوئی فائدہ ہے؟ کوئی شخص تم سے کچھ کہنے کا نہیں کہہ رہا ہے۔ سورج تمہاری زبان سمجھتا نہیں ہے، بادل جو غروب کے سمے نہایت حسین اور چمکدار ہو چکے ہیں، تمہاری زبان سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اسے کیوں لاتے ہو؟ اسے ایک طرف رکھ دو، براہِ راست تعلق قائم کرو، جوش سے بھر جاؤ۔ اگر تمہاری آنکھوں میں آنسو آ جائیں تو اچھا ہے۔ یا اگر تم جوں کے توں رہتے ہو، سورج کے حسن نے تمہیں پتھر بنا دیا ہو، مست کر دیا ہو، تو تم تھوڑا سا تجربہ پا چکے ہو — لاذہن کی ایک چھوٹی سی جھلک۔

اور ہر روز ایک ہزار ایک صورتحال ہوتی ہیں۔ اپنے مرد یا اپنی عورت کا ہاتھ تھامے ہوئے بولنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ لوگ مسلسل بولتے رہتے ہیں۔ ان کے بولتے چلے جانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ خاموش ہونے سے ڈرتے ہیں، وہ سچ کو دیکھنے سے ڈرتے ہیں، وہ دوسرے کو گہرا دیکھنے سے ڈرتے ہیں۔ مسلسل بولنے سے وہ سطح پر رہتے ہیں، مصروف رہتے ہیں۔

تم اپنے مرد یا عورت کا ہاتھ تھام کر خاموش کیوں نہیں بیٹھتے؟ تم اپنی آنکھیں بند کر کے محسوس کیوں نہیں کرتے؟ دوسرے کی موجودگی کو محسوس کرو، دوسرے کی موجودگی میں داخل ہو جاؤ، دوسرے کی موجودگی کو خود میں آنے دو، اکٹھے مرتعش ہو، اکٹھے جھولو۔ اگر دفعتاً بے پناہ توانائی تم پر حاوی ہو جائے، تو اکٹھے رقص کرو۔ تم ایسی لذتوں کو پا لو گے کہ پہلے کبھی نہیں پایا ہو گا۔ ان لذتوں کا جنس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، درحقیقت ان کا تعلق خاموشی سے ہوتا ہے۔

اور اگر تم اپنی جنسی زندگی میں مراقباتی ہو سکتے ہو، اگر تم محبت کرتے وقت خاموش

ہو سکتے ہو، تو تم حیران رہ جاؤ گے۔ تمہارے اندر ہی وہ عمل ہوتا ہے جو تمہیں دور کے ساحل پر لے جاتا ہے۔

لوگ اتنے گندے طریقے سے محبت کرتے ہیں کہ اگر ان کے بچے دیکھ لیں تو کہیں گے کہ وہ لڑ رہے ہیں — کہ ڈیڈی مما کو قتل کر رہے ہیں! کراہیں، گندے طریقے سے سانس لینا، متشدد، ان کی حرکات کا حسن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ رقص نہیں ہوتا، بلاشبہ وہ رقص نہیں ہوتا۔

اور جب تک یہ عمل رقص نہ بنے، یہ نہایت جسمانی ہی رہتا ہے۔ اس میں کوئی روحانیت نہیں ہوتی۔ تاہم ایسا ناممکن ہے۔ جب تک تمہاری زندگی میں ایسے لمحے نہیں آتے کہ جن میں ذہن عمل کرنا چھوڑ دے، تب تک تمہاری محبت کی زندگی خاموشی میں نہیں جا سکتی۔

ستاروں بھری رات ہے۔ زمین پر لیٹ جاؤ، زمین میں گم ہو جاؤ۔ ہم زمین سے آئے ہیں، ایک دن ہمیشہ کے لیے سکون پانے کی خاطر ہم زمین میں واپس جائیں گے۔ رات کو کبھی کبھار، لان میں گھاس پر لیٹے ہوئے، زمین میں گم ہو جاؤ۔ ستاروں کے ناموں کے حوالے سے مت سوچو۔ تم ستاروں کے بارے میں جو کچھ جانتے ہو سب بھلا دو، اپنا سارا علم ایک طرف دھر دو، ستاروں کو صرف دیکھو۔ پھر دفعتاً ایک ملاپ ہو گا، ستارے اپنی روشنی تم میں انڈیلنے لگیں گے، اور تم شعور میں پھیلاؤ محسوس کرو گے۔ کوئی نشہ ایسا نہیں کر سکتا۔

نشے اس شے کو، جو کہ فطری طور پر دستیاب ہے، آسانی سے دستیاب ہے، جاننے کے جھوٹے اور نقصان دہ راستے ہیں۔ محض ستاروں کو دیکھتے ہوئے تم اپنے آپ کو بلند محسوس کرنے لگتے ہو۔

زندگی اور ہستی تمہیں جو جو مواقع ارزانی کرتی ہیں ان کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرو۔ ذہن کو ترک کرنے کا کوئی ایک موقعہ بھی ہاتھ سے نہیں جانے دو، اور یوں دھیرے دھیرے تمہیں اس کا گُر آ جائے گا۔ یہ ایک گُر ہے — یہ یقیناً سائنس نہیں ہے، کیونکہ اس کے کوئی متعین طریقے نہیں ہیں۔

ہو سکتا ہے کوئی شخص ستاروں کو دیکھ کر مسرور ہو جائے اور ہو سکتا ہے کوئی شخص نہ ہو۔
ہو سکتا ہے کوئی شخص پھولوں کو دیکھ کر مسرور ہو، ہو سکتا ہے دوسرے شخص پر ان کا کوئی اثر نہ ہو۔

لوگ اتنے مختلف ہیں کہ اس کا ایک سائنسی طریقہ کوئی نہیں ہے۔ یہ سائنس نہیں ہے۔ یہ فن بھی نہیں ہے، کیونکہ فن تو سکھایا جاسکتا ہے۔

پس میں لفظ گُر پر زور دیتا ہوں۔ یہ ایک گُر ہے۔ تمہیں اپنے ساتھ چند تجربے کر کے اسے سیکھنا ہوگا۔ جب تمہیں گُر آجائے گا......اور ہر شخص کو یہ گُر آسکتا ہے کیونکہ ہر بچہ اس کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ ہر بچہ ہستی میں متحیر آنکھیں لے کر آتا ہے۔ جلد ہی ہم اس کی آنکھوں میں دھول ڈال دیتے ہیں۔ ہم اس کے صاف آئینے کو گرد سے ڈھک دیتے ہیں۔ جلد یا بدیر وہ علم والا بن جاتا ہے ___ اور جتنی جلد وہ علم والا بنتا ہے، ہم اتنے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ ہماری خوشی حقیقتاً بچے کو زہر بھرا بنانے میں ہے۔

جب بچہ دیکھتا ہے کہ اس کے ماں باپ اس کے علم والا بننے سے بہت خوش ہیں تو وہ مزید علم اکٹھا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ اس گُر کو بھلانے لگتا ہے جو وہ اس زندگی میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ جب وہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتا ہے تو وہ ایک ایسی نہایت خوبصورت شے کو بھلا چکا ہوتا ہے جو بھگوان نے اسے دی ہوتی ہے ___ یعنی حیران ہونے کی صلاحیت، سوچے بغیر دیکھنے کی صلاحیت، ذہن کے بغیر حقیقت سے رابطہ استوار کرنے کی صلاحیت۔

تمہیں اس کو دوبارہ پانا ہے۔

دانا انسان وہ ہوتا ہے جو اپنا بچپن دوبارہ پالیتا ہے۔ اسی لیے اسے ''دوبارہ پیدا ہونے والا'' کہتے ہیں۔ یسوع نے کہا تھا: ''جب تک تم دوبارہ پیدا نہیں ہوگے، تم خداوند کی بادشاہت میں داخل نہیں ہوسکو گے۔''

جب میں یہ کہتا ہوں کہ تمہیں لاذہن کے طور پر دوبارہ پیدا ہونا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ تم ذہن استعمال نہیں کر سکتے۔ ذہن محدود پیمانے پر استعمال میں آسکتا ہے۔ اسے استعمال کرو۔ جب تم اپنے دفتر میں کام کر رہے ہو، تو اس وقت لاذہن مت بنو۔ جب تم اپنی دکان میں کام کر رہے ہو یا فیکٹری میں، تو اس وقت لاذہن مت بنو۔ میں کہتا ہوں کہ اس وقت کاملاً ایک ذہن بنو۔ ذہن کو استعمال کرو لیکن اسے چوبیس گھنٹے اپنے ساتھ اٹھائے نہیں پھرو۔ اسے گھسیٹے مت پھرو۔ اسے کرسی کی طرح استعمال کرو۔ تم کرسی کو اپنے ساتھ ساتھ

لیے تو نہیں پھرتے ہو نا!

اگر تم لاذہن بننا بھی جانتے ہو تو ذہن ایک خوبصورت آلہ ہے۔

ذہن بانجھ ہوتا ہے، یہ آغاز و انجام سے ماورا کو جاننے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ ذہن پیدائش اور موت کے درمیان رہتا ہے۔ یہ پیدائش اور موت سے ماورا کچھ نہیں جانتا۔ ذہن کا وجود بہت محدود ہوتا ہے، بہت عارضی ہوتا ہے ___ ایک روز یہ آتا ہے، دوسرے روز چلا جاتا ہے۔ تم ہمیشہ کے لیے ہو۔ اپنے ہمیشہ پن کا کچھ تجربہ کرو اپنی ہیشگی کا کچھ تجربہ کرو۔

لیکن ایسا صرف لاذہن کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ لاذہن مراقبے کا دوسرا نام ہے۔



ہاں

یہ سادہ سا لفظ ''ہاں'' اپنے اندر دنیا کے سارے مذاہب کو سموئے ہوئے ہے۔

بھروسہ اس میں ہے، محبت اس میں ہے، سپردگی اس میں ہے۔ اس میں ساری پرارتھنائیں یکجا ہوتی ہیں، کہ جو کبھی کی گئیں، کہ جو کی جا رہی ہیں، کہ جو آئندہ ہوں گی۔ اگر تم اپنے دل کی کاملیت کے ساتھ ہاں کہہ سکتے ہو تو جو کچھ کہا گیا ہے، تم وہ سب کہہ دیتے ہو۔ ہستی کو ہاں کہنا مذہبی ہونا ہے، نہ کہنا غیر مذہبی ہونا ہے۔

میں بھگوان کو ماننے والے اور بھگوان کو نہ ماننے کی تعریف یوں کرتا ہوں۔ بھگوان کو نہ ماننے والا وہ نہیں ہے جو بھگوان کا انکار کرتا ہے اور بھگوان کو ماننے والا وہ نہیں ہے جو بھگوان کو مانتا ہے۔ لازمی نہیں کہ ایسا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ایسے عظیم بھگوان کو ماننے والے دیکھ رکھے ہیں جو بھگوان کو بالکل بھی نہیں مانتے۔ ہم بدھ، مہاویر، آدی ناتھ جیسے حیرت ناک گیان یافتہ اشخاص کو جانتے ہیں جنہوں نے کبھی بھگوان کے بارے میں بات نہیں کی البتہ انہوں نے ہاں کے بارے میں بات کی۔ انہیں ہاں کے بارے میں بات کرنا ہی تھی۔

ہاں کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بھگوان کو مانتے ہیں لیکن میں انہیں بھگوان کو نہ ماننے والے کہتا ہوں کیونکہ ان کے اس عقیدے کے پیچھے ہاں نہیں ہوتی۔ ان کا عقیدہ جھوٹا ہے، ان کا عقیدہ رسمی ہے، ان کا عقیدہ دوسروں کا دیا ہوا ہے، یہ ادھار مانگا ہوا ہے۔ ان کے ماں باپ، استادوں اور پنڈتوں نے انہیں پڑھایا ہے کہ بھگوان ہے، وہ بچوں کو اتنا ڈرا دیتے ہیں کہ وہ بھگوان کے حوالے سے کوئی سوال نہیں کر سکتے۔

خوف اور لالچ کو بہت استعمال کیا گیا ہے۔ پنڈت تمہارے ساتھ ویسا سلوک کرتے ہیں جیسا سلوک نفسیات داں کسی تجربے کے دوران چوہوں سے کرتے ہیں۔ نفسیات داں چوہوں کو سزا اور انعام کے ذریعے کنٹرول کرتے ہیں۔ انہیں انعام دو، وہ اس کام کو کرنے لگیں گے جس کام پر انہیں انعام ملا ہوتا ہے، انہیں سزا دو، وہ اس کام کو نہیں کریں گے، جس کے کرنے پر انہیں سزا ملی ہوتی ہے۔

پنڈت انسانوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں، جیسے انسان چوہے ہوں۔ انسانوں کی بے توقیری کرنے میں نفسیات دانوں کو اولیت حاصل نہیں ہے بلکہ پنڈت ان کے پیشرو ہیں۔ پہلے پنڈتوں نے انسانوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جیسے وہ چوہے ہوں، اور پھر نفسیات دانوں نے چوہوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جیسے وہ انسان ہوں۔ تاہم عمل ایک سا ہی ہے، تیکنیک ایک سی ہی ہے۔

ایسے لوگ ہیں جو خداوند کو مانتے ہیں ـــ چرچ جاتے ہیں، عبادت کرتے ہیں ـــ لیکن اس کے باوجود ان کے دلوں میں ہاں نہیں ہوتی۔ ان کے دلوں میں شک ہوتا ہے۔ ظاہری طور پر وہ مذہبی انداز سے عمل کرتے ہیں، اندر گہرائی میں وہ شک کر رہے ہوتے ہیں، جبکہ گہرائی ہی ہے جو تمہارا تعین کرتی ہے۔ تمہارا کیا ہوا کام فیصلہ کن نہیں ہوتا، بلکہ جسے تم اپنی ہستی کے عمیق ترین مرکز میں محسوس کرتے ہو، وہ تمہارا تعین کرتا ہے، وہ تمہیں تخلیق کرتا ہے۔ جو لوگ بھگوان کو نہیں مانتے وہ مسلسل کہہ رہے ہوتے ہیں کہ کوئی بھگوان نہیں ہے، تاہم حالت ان کی بھی بھگوان کو ماننے والوں سے کسی طور مختلف نہیں ہوتی، ان کے نہ ماننے میں بھی اتنا ہی شک ہوتا ہے، جتنا ماننے والوں کے ماننے میں۔

حقیقی مذہبی انسان کا ہستی سے گہرا ملاپ ہوتا ہے۔ وہ گلاب کے پھول کو ہاں کہہ سکتا ہے، وہ ستاروں کو ہاں کہہ سکتا ہے، وہ لوگوں کو ہاں کہہ سکتا ہے، وہ اپنی ہستی کو ہاں کہہ سکتا ہے، اپنی خواہشات کو ہاں کہہ سکتا ہے۔ وہ ہر اس شے کو ہاں کہہ سکتا ہے، جسے زندگی اس کے لیے لائی ہو۔ وہ ہاں کہنے والا ہوتا ہے۔

اور اسی ہاں کہنے میں ساری پوجا موجود ہوتی ہے۔

یہ حقیقی سنیاس کی شروعات ہے۔ اگر تم پوری کاملیت کے ساتھ ہاں کہہ سکتے ہو،

اگر تم ہاں کہنے سے لطف اندوز ہو سکتے ہو، اگر یہ تمہارا رقص ہو، تو پھر یہ پوجا ہے۔ اور ہر پوجا بھگوان تک پہنچتی ہے ___ خواہ بھگوان کا نام لیا گیا ہو یا نہیں، خواہ تم بھگوان کو مانتے ہو یا نہیں۔ ہر پوجا بھگوان تک پہنچتی ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے پوجا کو مصدقہ پوجا ہونا چاہیے۔

میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری ہاں کو صرف پوجا ہی نہیں ہونا چاہیے، اسے تمہارا طرزِ زندگی بن جانا چاہیے، اسے تمہارا رنگ، تمہاری خوشبو بن جانا چاہیے۔ پنڈت صدیوں سے تمہیں کہہ رہے ہیں کہ زندگی کو رد کر دو، زندگی حقیر ہے، جسم گناہ کا گھر ہے، بھگوان کی تعریف خود کو مٹا کر جا سکتی ہے، دنیا کو ترک کر دو گے تو بھگوان تمہیں قبول کرلے گا۔

زندگی کا انکار نہیں، زندگی کا اثبات دھرم ہے۔ صرف بھگوان ہے۔ ہر شے میں بھگوان کا جلوہ ہے۔ درختوں کے سبز رنگ میں، درختوں کے سرخ رنگ میں، درختوں کے سنہرے رنگ میں۔ زندگی کے انکار کا مطلب بھگوان کا انکار ہے۔ زندگی کو حقیر سمجھنے کا مطلب بھگوان کو حقیر سمجھنا ہے۔ زندگی کو ترک کرنے کا مطلب اپنے آپ کو بھگوان سے زیادہ دانا سمجھنا ہے۔

تمہیں یہ زندگی، یہ حیرت ناک حد تک قیمتی تحفہ بھگوان نے دیا ہے، اور تم اس کی تعریف کرنے کی بجائے، اس کو خوش آمدید کہنے کی بجائے، بھگوان کا شکر گزار ہونے کی بجائے مسلسل شکوے شکایتیں کرتے رہتے ہو۔ تمہارا دل شکر کی بجائے شکوے سے پُر ہے۔

پنڈت صدیوں سے تمہیں یہی کچھ سکھا رہے ہیں۔ پنڈت اسی پر زندہ ہیں۔ لوگوں کا استحصال کرنے کا یہ ان کا بنیادی حربہ ہے۔

اگر زندگی کو اس کی کاملیت میں جیا جائے تو پنڈت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اگر تم جیسے ہو، ویسے ہی ٹھیک ہو۔ اگر زندگی جیسی ہے، ویسی ہی خوبصورت ہے تو پھر پنڈت کی کیا ضرورت؟ بھگوان اور تمہارے درمیان کسی تیسرے کی موجودگی کیا ضروری ہے؟ بھگوان کے ساتھ تمہارا براہِ راست رابطہ ہے۔ پنڈت تو سراسر غیر ضروری ہے، بے فائدہ ہے۔ وہ صرف اسی صورت میں اہمیت حاصل کر سکتا ہے کہ وہ تمہارے اور بھگوان کے درمیان خلیج بنا دے۔ پہلے خلیج بنائی جائے گی اور پھر وہ آ کر تم سے کہے گا: ''میں آ گیا ہوں، میں اس خلیج کو پاٹ سکتا ہوں۔''

اور بلاشبہ تمہیں اس کام کا معاوضہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ جب پنڈت اتنا عظیم کام کر رہا ہے تو تمہیں ادائیگی تو کرنی ہو گی نا!

وہ صرف خلیج پاٹنے کی اداکاری کرتا ہے۔ خلیج موجود رہتی ہے۔ درحقیقت وہ تو کوشش کرتا ہے کہ خلیج پاٹی نہ جا سکے۔ خلیج جتنی زیادہ گہری ہو گی، اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہو گی۔ اس کی اہمیت کا انحصار زندگی کو رد کرنے پر ہے، زندگی کو تباہ کرنے پر ہے، وہ تمہیں زندگی کو ترک کرنے پر اکساتا ہے۔

میں تمہیں زندگی کو ہاں کہنے کی تلقین کرتا ہوں۔ میں تمہیں ترک کرنے کی نہیں بلکہ لطف اندوز ہونے کی تلقین کرتا ہوں۔

جیسے رقاص اپنے رقص میں گم ہو جاتا ہے، گانے والا اپنے گانے میں گم ہو جاتا ہے، اسی طرح تم اپنی خوشی میں گم ہو جاؤ۔ جب ایسا ہو گا تو کایا کلپ ہو جائے گی۔ تم پہلے والی کالی اندھیری بدصورت ذات (Self) نہیں رہو گے۔ تم پر رحمتوں کی بارش ہونے لگے گی۔ تمہیں پہلی مرتبہ اپنی ہستی کی عظمت و جلالت کا علم ہو گا، اپنی ہستی کی شان و شوکت کا علم ہو گا۔

زندگی کو ہاں کہو، زندگی کو پوری ہاں کہو۔ سنیاس یہی کچھ تو ہے۔ میں تمہیں تصورات، جامد تصورات نہیں دیتا۔ میں تو صرف تمہیں زندگی کا اثبات کرنے والا طرزِ زندگی دیتا ہوں، زندگی کے احترام پر مبنی فلسفہ دیتا ہوں۔



سچ

سچ کو منتقل نہیں کیا جا سکتا۔کوئی شخص سچ تمہیں سونپ نہیں سکتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کوئی خرید وفروخت کے قابل شے نہیں ہے۔یہ کوئی شے نہیں، ایک تجربہ ہے۔اسے تجربہ کہنا بھی درست نہیں۔یہ تجربہ کرنا ہے۔

مجھے وہ زبان استعمال کرنا پڑتی ہے، جو صدیوں سے موجود ہے۔اس میں ہر قسم کے مغالطے موجود ہیں۔زبان کو روزمرہ استعمال کے لیے وجود میں لایا گیا ہے۔یہ بازار کے لیے کاملاً موزوں ہے، لیکن جب تم گہرے پانیوں میں اترنے لگتے ہو تو یہ انتہائی ناموزوں ہوتی چلی جاتی ہے__ نہ صرف ناموزوں بلکہ یہ غلط ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر ذرا ان دو الفاظ__ تجربہ اور تجربہ کرنا__ پر غور کرو۔جب تم لفظ تجربہ استعمال کرتے ہو تو اس سے تمہیں تکمیل کا احساس ہوتا ہے جیسے کوئی شے تکمیل کو پہنچ گئی ہو، جیسے فُل سٹاپ آ گیا ہو۔زندگی میں کوئی فل سٹاپ نہیں ہوتا۔زندگی کسی فل سٹاپ کو نہیں جانتی۔یہ تو ایک مسلسل جاری عمل ہے، ایک ابدی دریا ہے۔منزل کبھی نہیں آتی، وہ ہمیشہ آ رہی ہوتی ہے لیکن کبھی نہیں آتی۔لہٰذا لفظ تجربہ درست نہیں ہے۔یہ تکمیل کا ایک غلط تصور دیتا ہے۔یہ تمہیں احساس دیتا ہے کہ تم پہنچ چکے ہو۔تجربہ کرنا زیادہ درست ہے۔

حقیقی زندگی میں سارے اسم غلط اور فعل درست ہوتے ہیں۔جب تم کہتے ہو "یہ درخت ہے" تو وجودی حوالے سے تم غلط کہہ رہے ہوتے ہو۔لسانی حوالے سے نہیں، قواعد کی رو سے نہیں بلکہ وجودیاتی اعتبار سے تم بالکل غلط کہہ رہے ہوتے ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ

درخت کوئی جامد شے نہیں ہے، وہ تو نشوونما پا رہا ہے۔وہ کبھی "ہے پن" (Is-Ness) کی حالت میں نہیں ہوتا، وہ ہمیشہ ہو رہا ہوتا ہے۔درحقیقت اسے درخت کہنا غلط ہے۔اسے "درخت بنتا ہوا" کہنا درست ہے۔دریا بہہ رہا ہے۔

اگر تم زندگی کو گہرائی تک دیکھو تو اسم غائب ہونے لگیں گے، اور صرف فعل رہ جائیں گے۔تاہم بازار میں یہ زبان نہیں چل سکتی۔

زندگی میں کوئی شے جامد نہیں ہے، کسی شے کو قرار نہیں ہے۔ایک عظیم سائنس دان ایڈنگٹن کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ وہ کہتا تھا لفظ "قرار" حقیقت سے مطابقت نہیں رکھتا۔اس کا کہنا تھا کہ کوئی شے کبھی قرار میں نہیں ہوتی، ہر شے حرکت میں ہے۔

سو مجھے کہنے دو کہ سچ تجربہ ہے، تجربہ کرنے کے معنوں میں۔تم کبھی دعویٰ نہیں کر سکتے، اعلان نہیں کر سکتے کہ "میں نے پا لیا ہے۔" تم تو عاجزی سے صرف اتنا کہہ سکتے ہو کہ "یہ وقوع پذیر ہو رہا ہے۔" تب تمہیں کوئی فریب نہیں دے سکے گا۔تم دھوکا اس لیے کھاتے ہو کہ تم اعلان کرنے لگتے ہو "میں نے پا لیا۔" یوں انا ابھرتی ہے اور کہتی ہے "میں سچ کی حامل ہوں۔صرف میرے پاس سچ ہے، میرے علاوہ کسی کے پاس سچ نہیں ہے، میں پہنچ چکی ہوں۔" انا سر اٹھاتی ہے۔

سچ تجربہ کرنا ہے۔تم اس کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔یہ تو سیماب صفت ہوتا ہے۔تمہیں اسے گرفت کرنا چاہو گے تو یہ تمہاری گرفت سے نکل جائے گا۔تم اسے صرف کھلے ہاتھ سے پکڑ سکتے ہو، مٹھی میں گرفت نہیں کر سکتے۔جب تم اس سے اسم بناتے ہو تو تم اسے پکڑنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہو۔یوں یہ ہاتھ نہیں آتا، نہ آئے گا، اسے ایک فعل رہنے دو۔مت کہو "میں پہنچ گیا ہوں۔" بس یہ کہو "زائری شروع ہو چکی ہے۔ میں زائر ہوں، میں سفر میں ہوں۔"

اگر انا نہ ابھرے تو کوئی تمہیں دھوکا نہیں دے سکتا۔اس بات کو یاد رکھنا۔صرف انا ہی دھوکا دیتی اور دھوکا کھاتی ہے۔اگر تم انا کے مالک نہیں ہو تو اس امر کا کوئی امکان نہیں ہے کہ تمہیں دھوکا دیا جا سکے۔تاہم اگر انا کے مالک ہو تو دوسرے تمہیں دھوکا دیں گے۔دوسروں کا کیا کہنا، تم خود اپنے آپ کو دھوکا دو گے۔

انا بنیادی دھوکا ہے۔ اسے خود میں ابھرنے مت دو۔ انا کی نشوونما تجربے سے ہوتی ہے، بالخصوص روحانی تجربے سے۔ تم بدھ کو دیکھ چکے ہو، تم کنڈالنی کو اپنی ریڑھ کی ہڈی سے ابھرتا دیکھ چکے ہو، اژدھے کو کنڈلی کھولتا دیکھ چکے ہو، تم عظیم روشنی کو دیکھ چکے ہو، تم اپنے سر کے اندر کنول کا پھول کھلتا دیکھ چکے ہو، تم نے دل کے چکر کو کھلتا ہوا دیکھ لیا ہے ــــ ایسے ہی خوش آواز الفاظ، لیکن صرف احمق ہی ان سے دھوکا کھاتے ہیں۔

اگر احمق اس دنیا سے غائب ہو جائیں تو ساری باطنیت غائب ہو جائے۔ دنیا میں عظیم شاعری ہو گی لیکن اس میں باطنیت نہیں ہو گی۔ دنیا میں بے حد و حساب اسرار ہوں گے لیکن ان میں باطنیت نہیں ہو گی۔

صرف دیکھو۔ تمہارا ذہن کیا ہے؟ لفظ ذہن کا مطلب کیا ہے؟ یہ کس شے پر مشتمل ہوتا ہے؟ تمہارے تجربے، علم، ماضی ــــ یہ ہے تمہارا ذہن۔ تم مادیت پرست ذہن کے حامل ہو یا روحانیت پرست ذہن، ذہن تو ذہن ہے۔ روحانی ذہن بھی ویسا ہی ذہن ہوتا ہے جیسا مادیت پرست ذہن۔

اور ہمیں ذہن سے ماورا جانا ہو گا۔

مواد پر بھروسہ مت کرو ــــ اسے دیکھو، اور گزر جانے دو ــــ میں جانتا ہوں بعض اوقات مواد اتنا مسحور کر دینے والا ہوتا ہے کہ انسان اس سے چمٹ جانا چاہتا ہے۔ جب روحانی ــــ نام نہاد روحانی ــــ تجربے وقوع ہونے لگتے ہیں تو حقیقتاً بہت کشش انگیز ہوتے ہیں ــــ دنیا کی ہر شے سے زیادہ کشش انگیز۔ جب تم اپنے اندر عظیم روشنی دیکھتے ہو تو وہ اتنی سحر انگیز ہوتی ہے کہ تم اس سے چمٹ جانا چاہتے ہو، دعویٰ کرنا چاہتے ہو کہ "میں پہنچ گیا ہوں۔" ہر شخص اندھیرے میں بھٹک رہا ہے اور تم روشنی کو پا چکے ہو۔

یہ محض اندھیرے کی ایک نئی قسم ہوتی ہے۔ کیونکہ تم دوبارہ پکڑے جا چکے ہوتے ہو، جال میں پھنس چکے ہوتے ہو۔ مواد تمہیں شکنجے میں جکڑ چکا ہے۔ دو چیزوں کو یاد رکھو: مواد اور شعور۔ شعور کبھی مواد نہیں بنتا اور مواد کبھی شعور نہیں بنتا۔ شعور ایک شفاف آئینہ ہے، یہ صرف منعکس کرتا ہے۔

آئینے کو اس سے سروکار نہیں ہوتا کہ اس کے آگے خوبصورت عورت کھڑی ہے

یا بدصورت عورت۔ تمہارا کیا خیال ہے یہ بات اہمیت رکھتی ہے؟ تمہارا کیا خیال ہے آئینہ کسی خوبصورت عورت کے عکس سے چمٹنا شروع کر دیتا ہے؟

آئینہ متاثر نہیں ہوتا، صورت کوئی ہو وہ اسے منعکس کرتا رہتا ہے۔ اگر اندھیرا ہو گا تو وہ اندھیرے کو منعکس کرے گا۔ اگر صبح ہو گی تو وہ صبح کو منعکس کرے گا۔ اگر کوئی شخص مردہ ہے تو آئینہ موت کو منعکس کرے گا، اگر کوئی بچہ کھلکھلانے لگے گا تو آئینہ اسی کو منعکس کرے گا۔ آئینہ گلاب کے پھول کو بھی اسی طرح منعکس کرتا ہے جس طرح کانٹے کو۔ کوئی فرق نہیں ہوتا۔

یہ حالت حقیقتاً روحانی ہوتی ہے۔

حقیقی شے کبھی شے نہیں ہوتی۔ حقیقی شے شے نہیں ہوتی، حقیقی شے آئینے جیسا شعور ہوتی ہے۔

ہمیشہ ہمیشہ یاد رکھو: "میں ایک دیکھنے والا ہوں۔" کسی مواد سے مطابقت مت اختیار کرو ورنہ تم غلطی کر بیٹھو گے۔ اگر تم کسی مواد سے مطابقت اختیار کرتے ہو تو وہ کتنا ہی خوبصورت اور روحانی دکھائی دیتا ہو، تم غلطی پر ہو گے۔ تم بھٹک چکے ہو گے۔

اور ترغیب بلاشبہ بہت زور دار ہوتی ہے۔ جب تمہارے اندر "ان ہت" ــــ بے آواز صدا، ایک ہاتھ کی تالی کی آواز گونج رہی ہو تو تم کیا کہو گے؟ یہ ایک اتنا خوبصورت تجربہ ہوتا ہے کہ انسان اس میں ہمیشہ کے لیے ڈوب جانا چاہتا ہے۔ یا پھر جب اندر خوشبو پھیلتی ہے ......

اور یاد رکھو! جو کچھ باہر وقوع پذیر ہو سکتا ہے وہی کچھ اندر بھی وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر حس کے دو دروازے ہوتے ہیں اور ہر حس دو امکانات کی حامل ہوتی ہے۔ ایک باہر کے لیے اور دوسرا اندر کے لیے۔ تمہاری آنکھیں بادلوں میں روشنی، رنگ اور قوسِ قزح اور ستاروں کو باہر دیکھ سکتی ہے۔ تمہاری آنکھوں کا دوسرا پہلو بھی ہے، تمہاری آنکھوں کا دوسرا اُرخ۔

اگر تم اپنی آنکھیں بند کر لو اور اندر دیکھنا سیکھ لو تو تم حیران رہ جاؤ گے۔ ایک انتہائی خوبصورت آسمان تمہارے لیے اپنے دروازے کھول دے گا۔ ایک ناقابلِ یقین حد تک خوبصورت دنیا تمہیں خوش آمدید کہے گی، جو نہایت شاندار ہو گی۔ تم کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے

کہ چیزیں اتنی خوبصورت بھی ہوسکتی ہیں۔ پتھر ہیرے بن جاتے ہیں۔ فطری بات ہے انسان چمٹنا چاہتا ہے۔ عظیم خزانے ہیں وہاں، انسان انہیں سمیٹ لینا چاہتا ہے۔ تم سے مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، تم اکیلے ہوتے ہو اور ساری سلطنت تمہاری ہوتی ہے۔

اور جس طرح تمہاری ناک خوبصورت پھولوں کو سونگھنے کی اہلیت رکھتی ہے، اسی طرح یہ اندرونی اہلیت کی بھی حامل ہوتی ہے۔ جب اندر کا رُخ کر لیتے ہو تو تم ایسی خوشبوئیں سونگھنے پر قادر ہو جاتے ہو کہ جو اس دنیا کی نہیں ہوتیں ___ اور ان کی گرفت میں چلے جانا عین فطری ہے۔

تاہم یہ سارے تجربے رکاوٹیں ہیں۔ حقیقی متلاشی کو اندر کا سفر کرتے ہوئے باہر کی نسبت کہیں زیادہ چوکس رہنا ہوتا ہے۔ اسے حقیقتاً چوکس رہنا ہوتا ہے کہ کوئی شے اسے پکڑ نہ لے۔

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ لطف مت اٹھاؤ۔ لطف اٹھاؤ___ لیکن یاد رکھو کہ تم وہ نہیں ہو۔ لطف اٹھاؤ، یہ تمہارا حق ہے لیکن یاد رکھو: ''میں اس سب کا شاہد ہوں۔'' اگر تم یہ یاد رکھو گے تو تمہیں کبھی دھوکا نہیں دیا جا سکے گا۔ وگرنہ تمہیں بار بار دھوکا دیا جائے گا۔

خلاصہ: روحانی تجربہ تجربہ نہیں ہوتا بلکہ تجربہ کرنا ہوتا ہے۔ دوم، تجربہ کرنا مواد ہے جبکہ تم مواد نہیں ہو، تم محض آئینہ ہو۔ اگر تم اسے یاد رکھو گے تو کبھی گڑھے میں نہیں گرو گے۔ تب تمہارا راستہ صاف اور سیدھا ہوگا۔



عورت

عورتوں کو مردوں کی نسبت زیادہ غیر تہذیب یافتہ، زیادہ ابتدائی کہنے سے میرا مقصود ان کی تذلیل و تحقیر نہیں ہے، یہ تو مردوں کی تذلیل ہے۔ میں ''ابتدائی'' سے، ''غیر تہذیب یافتہ'' سے مراد لیتا ہوں زیادہ فطری، ہستی سے زیادہ ہم آہنگ۔ تہذیب جھوٹ ہے، تہذیب فطرت سے دور ہو رہی ہے۔ آدمی جتنا زیادہ تہذیب یافتہ ہوتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ سر میں معلق ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے دل سے تعلق کھو بیٹھتا ہے۔

دل اب بھی غیر تہذیب یافتہ ہے۔ یہ اچھا ہی ہے کہ یونیورسٹیاں ابھی تک دل کو پڑھانے اور اسے تہذیب یافتہ بنانے کا طریقہ نہیں ڈھونڈ سکیں۔ نوعِ انسان کی بقا کی یہ واحد امید ہے۔ عورت نوعِ انسان کی بقا کی واحد امید ہے۔ اب تک مرد غالب رہا ہے، اور مرد ایک بڑی عجیب وجہ سے غالب رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مرد گہرائی میں کمتری محسوس کرتا ہے۔ صرف اس کمتری کی تلافی کے لیے اس نے عورت پر غلبہ پانا شروع کر دیا تھا۔

وہ صرف ایک اعتبار سے عورت سے زیادہ مضبوط ہے، اور وہ ہے پٹھوں کی طاقت۔ باقی ہر اعتبار سے عورت مرد سے زیادہ مضبوط ہے۔ عورت مرد سے زیادہ عرصے زندہ رہتی ہے، پانچ سے سات سال زیادہ۔ عورت مرد کی نسبت بیماریوں کا کم شکار ہوتی ہے۔

ہر سو لڑکیوں کے مقابلے میں ایک سو دس لڑکے پیدا ہوتے ہیں لیکن جب وہ جنسی بلوغت کو پہنچتے ہیں تو تعداد ہو چکی ہوتی ہے۔

عورت ہر طرح کی بیماریوں کو مزاحمت کی قوت مرد کی نسبت زیادہ رکھتی ہے۔ مرد

زیادہ تعداد میں پاگل ہوتے ہیں، تعداد تقریباً دگنی ہے۔ مرد زیادہ تعداد میں خودکشی کرتے ہیں، اس اعتبار سے بھی تعداد دگنی ہے۔

سوائے پٹھوں کے، عورت ہر اعتبار سے مرد سے برتر ہے۔ تاہم پٹھوں کی طاقت حقیقتاً کوئی برتر صفت نہیں ہے، یہ تو حیوانی خاصیت ہے۔ اس اعتبار سے تو بھیڑیا زیادہ برتر ہے، تیندوا اس سے بھی زیادہ برتر ہے، شیر اس سے بھی برتر ہے۔

یقیناً مرد کو لاکھوں سال پہلے اپنی کمتری کا احساس ہو گیا ہو گا۔ یہ ایک نفسیاتی میکانزم ہے کہ جب تمہیں اپنی کسی خاص کمتری کا علم ہوتا ہے تو تم اس کی تلافی کرتے ہو۔ بدصورت شخص خوبصورت دکھائی دینے کی کوشش کرتا ہے، وہ ہر ممکن طریقے سے خوبصورت بننے کی اداکاری کرتا ہے۔ وہ اچھا لباس پہنتا ہے، کاسمیٹکس استعمال کرتا ہے، وہ بیوٹیشنز کے پاس جاتا ہے، پلاسٹک سرجنز کے پاس جاتا ہے۔ یہ حد سے زیادہ تلافی ہے۔ اسے پتا ہے کہ وہ خوبصورت نہیں ہے اور اسے خوبصورت ''ہونا'' ہے۔ کمتری کا شکار شخص برتر ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ پٹھوں کی طاقت کی وجہ سے مرد آقا بن سکتا ہے، اور یوں وہ صدیوں سے عورت پر غالب چلا آ رہا ہے۔

تاہم اب عظیم تبدیلی کا وقت آ گیا ہے۔ مستقبل عورت کا ہے، مرد کا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ صدیوں میں مرد نے جو کچھ کیا ہے بہت گندا کیا ہے۔ جنگیں، جنگیں، جنگیں — یہ ہے اس کی ساری تاریخ۔ مرد کی عظیم تخلیقات یہ ہیں: چنگیز خان، سکندر، نپولین، ایڈولف ہٹلر، مسولینی اور انہی جیسے اور بے شمار لوگ۔

ہاں گوتم بدھ، یسوع مسیح، کرشن جیسے مرد بھی ہوئے ہیں — لیکن کیا تم نے ایک بات نوٹ کی ہے؟ وہ سب نسائی (Feminine) دکھائی دیتے تھے۔ نطشے نے یسوع مسیح اور بدھ پر تنقید کی ہے کہ وہ نسائی دکھائی دیتے ہیں، کہ ان میں نسائیت ہے۔

بلاشبہ بدھ عورت جیسا دکھائی دیتا ہے۔ جب بھی کوئی مرد دل میں جاتا ہے تو اس میں کوئی شے نسائی ہو جاتی ہے۔ وہ زیادہ گول، زیادہ نرم، زیادہ مہیا ہو جاتا ہے۔

فریڈرک نطشے گوتم بدھ کو نہیں سمجھ سکتا — اس کی وجہ یہ ہے کہ نطشے کہتا ہے کہ اس نے جو سب سے خوبصورت شے دیکھی، وہ ستارے نہیں تھے، طلوعِ آفتاب یا غروبِ آفتاب نہیں

تھا، نہ کوئی خوبصورت عورت، نہ گلاب، نہ کنول — نہیں، ان جیسی کوئی شے نہیں ...... تم تصور نہیں کر سکتے کہ اس نے سب سے خوبصورت شے کون سی دیکھی تھی۔ وہ کہتا ہے ننگی تلواریں تانے پریڈ کرتے فوجی، دھوپ میں چمکتیں تلواریں ...... اس کے لیے سب سے خوبصورت تجربہ تھا۔ ان فوجیوں کے بوٹوں کی دھمک اس کے لیے سب سے زیادہ خوبصورت دھن تھی — نہ موزارٹ، نہ واگنر، کوئی نہیں، البتہ بوٹوں کی دھمک۔

بلاشبہ وہ بدھ کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہ ہے فریڈرک نطشے جو کہ اس صدی کا باپ ہے، اور یہ سب سے گندی صدی ہے۔ وہ دو عالمی جنگوں کا باپ ہے، اور ہو سکتا ہے وہ تیسری کا انتظار کر رہا ہو۔ وہ کہتا ہے جنگ اس دنیا کی سب سے خوبصورت چیز ہے کیونکہ یہ انسان کے اندر موجود سب سے عظیم شے کو باہر لے آتی ہے۔

وہ خود پاگل ہو گیا تھا، جو کہ بڑا منطقی لگتا ہے۔ اس جیسے آدمی کو پاگل ہی ہو جانا چاہیے تھا۔ جب وہ پاگل ہوا تو خود کو ''اینٹی کرائسٹ فریڈرک نطشے'' کہا کرتا تھا۔

اگر تم بدھ کو غور سے دیکھو تو تمہیں اس میں مردانہ پن کی بجائے نسائیت دکھائی دے گی۔ دنیا کے تمام فنکاروں میں آہستہ آہستہ نسائیت، وقار، دلکشی، انوکھا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک خاص قسم کا سکون، طمانیت اور دھیما پن ان کے گرد ہالہ بنا لیتا ہے۔ ان میں گرمی ختم ہو جاتی ہے۔

میں یہاں یہی تو تعلیم دے رہا ہوں کہ ساری دنیا کو عورت بنانا ہے۔

جہاں تک عورتوں کی آزادی (Women's Lib) کی بات ہے تو نہ صرف عورت کو آزاد کروانا ہے بلکہ مرد کو بھی آزادی دلانی ہے۔ عورت کو اس کے ماضی سے آزاد کروانا ہو گا، اور مرد کو بھی اس کے ماضی سے آزاد کروانا ہو گا۔ ہمیں آزادی کی ضرورت ہے۔ ہمیں ایک آزاد نوعِ انسان کی ضرورت ہے۔ یاد رکھو! جب میں لفظ آدمی استعمال کرتا ہوں تو اس میں عورت شامل ہوتی ہے۔ تاہم عورتیں اس حوالے سے بہت حساس ہو چکی ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے میں کلکتہ کے عورتوں کے ایک نہایت جدید کلب میں خطاب کر رہا تھا۔ میں نے کسی حوالے سے کہا: ''سارے آدمی بھائی ہیں۔'' ایک عورت کھڑی ہو گئی۔ وہ بہت غصے میں تھی۔ اس نے کہا: ''آپ صرف آدمیوں کے حوالے سے بیانات کیوں دیتے

ہیں؟ سارے آدمی بھائی ہیں — اور عورتوں کے بارے میں آپ کا کیا کہنا ہے؟ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ ساری عورتیں بہنیں ہیں اور بہن کا رشتہ زیادہ مضبوط ہے؟''

میں نے اس عورت سے کہا: ''لیڈی'' میں معذرت خواہ ہوں، میں اس طرح مفاہمت کرتا ہوں کہ آئندہ کہا کروں گا، ''سارے مرد بہنیں ہیں۔ میں بھلا کیا کر سکتا ہوں؟ اگر میں کہوں کہ ساری عورتیں بہنیں ہیں تو ہوسکتا ہے چند مرد مجھ سے ناراض ہو جائیں۔''

احمق مت بنو۔ جب میں بات کر رہا ہوں تو ذرا سا ہمدرد بننے کی کوشش کرو۔ تمہیں مجھ سے زیادہ ہمدرد انسان کوئی اور نہیں ملے گا۔ میں مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھتا۔ دونوں ہی مصیبتوں کا شکار رہے ہیں۔ درحقیقت مصیبت آتی ہے یوں ہے — وہ دو دھاری تلوار ہے۔ اگر تم کسی کو دکھ دو گے تو تمہیں بھی دکھ اٹھانا پڑے گا۔ اگر تم کسی کو غلام بناؤ گے، تو تمہیں بھی غلام بننا پڑے گا۔ یہ ادلے کا بدلہ ہوتا ہے۔

جس روز عورتیں آزاد ہوں گی وہ مردوں کی آزادی کا بھی دن ہوگا۔ تاہم اس عمل کو گندا مت بناؤ۔ بصورتِ دیگر ہر طرح کا امکان ہے — مجھے ڈر ہے کہ مردوں کے ساتھ لڑائی میں عورتیں کوئی قیمتی شے نہ کھو بیٹھیں۔ جس شے کو مرد اب تک تباہ نہیں کر سکے کہیں مردوں کے ساتھ لڑتے ہوئے عورتیں اسے خود ہی تباہ نہ کر ڈالیں۔ لڑائی میں تم اپنی نسائیت کا حسن کھو دیتی ہو، تم اتنی ہی بدصورت بن جاتی ہو جتنا کہ مرد ہیں۔

اس کا فیصلہ لڑائی سے نہیں ہوگا، اس کا فیصلہ افہام و تفہیم کے ساتھ ہوگا۔ افہام و تفہیم کو زیادہ سے زیادہ عام کرو۔ مرد اور عورت ہونے کا تصور ترک کر دو! ہم سب انسان ہیں۔ مرد ہونا یا عورت ہونا محض سطحی بات ہے۔ اس کے حوالے سے زیادہ افراتفری مت مچاؤ، یہ کوئی بہت اہم بات نہیں ہے۔ اسے بڑا معاملہ نہ بناؤ۔

میں جو کچھ کہتا ہوں، ہوسکتا ہے وہ تعمیم لگتا ہو کیونکہ میں ہر بار تمام شرائط تو پوری نہیں کر سکتا نا! بصورت دیگر میری تقریر حوالوں سے بہت بوجھل ہو جائے گی۔ میں حوالہ جات والی کتابوں سے نفرت کرتا ہوں! میں انہیں پڑھ ہی نہیں سکتا۔ جس لمحے مَیں کوئی حاشیہ دیکھتا ہوں، کتاب کو پھینک دیتا ہوں — یہ کسی پنڈت کی لکھی ہوئی ہوگی، کسی سکالر کی، کسی احمق شخص کی لکھی ہوئی ہوگی۔

میں ہمیشہ ٹائپس کے حوالے سے بات کرتا ہوں، صنف مراد نہیں ہوتی۔ جب بھی میں کہتا ہوں ''آدمی'' تو میری مراد ہوتی ہے ''آدمی ٹائپ'' اور جب بھی میں کہتا ہوں ''عورت'' تو میری مراد ہوتی ہے ''عورت ٹائپ۔'' تاہم میں ہر بار تو ''آدمی ٹائپ'' ''عورت ٹائپ'' نہیں کہہ سکتا ہوں۔ بلاشبہ ایسی عورتیں ہیں جو عورتیں نہیں بھیڑیئے ہیں، اور ایسے مرد بھی ہیں جو بھیڑیئے نہیں بلیاں ہیں۔

میں آدمی اور عورت کے حیاتیاتی فرق پر بات نہیں کر رہا ہوں میں تو نفسیاتی فرق پر بات کر رہا ہوں۔ ہاں ایسے آدمی ہیں جو عورتوں سے کہیں زیادہ عورت ہیں اور ایسی عورتیں ہیں جو آدمیوں سے کہیں زیادہ آدمی ہیں۔ تاہم یہ کوئی خوبصورت حالت نہیں ہے۔ یہ گندی حالت ہے کیونکہ یہ تم میں ثنویت پیدا کر رہی ہے۔ اگر تم آدمی کے جسم اور عورت کے ذہن کے حامل ہو گے تو ایک تنازعہ کھڑا ہو جائے گا، تمہارے اندر خانہ جنگی برپا ہو جائے گی۔ تم مسلسل حالتِ جنگ میں رہو گے، کشیدہ رہو گے۔

اگر تم جسمانی اعتبار سے عورت ہو اور مرد کے ذہن کی حامل ہو تو تمہاری زندگی کی بہت ساری توانائی اس غیر ضروری جھگڑے میں ضائع ہو جائے گی۔ ہم آہنگی میں رہنا بہت بہتر ہوتا ہے۔ اگر جسم مرد کا ہے تو ذہن بھی مرد کا ہو، اور اگر جسم عورت کا ہے تو ذہن بھی عورت کا ہو۔

عورتوں کی آزادی کی تحریک غیر ضروری مشکلات پیدا کر رہی ہے۔ وہ عورتوں کو بھیڑیوں میں بدل رہی ہے۔ وہ انہیں لڑنا سکھا رہی ہے۔ آدمی دشمن ہے، تم اپنے دشمن سے محبت کیسے کر سکتی ہو؟ تم اپنے دشمن کے ساتھ ایک قریبی رشتہ کیسے استوار کر سکتی ہو؟

مرد دشمن نہیں ہے۔ عورت کو حقیقتاً عورت بننے کے لیے زیادہ سے زیادہ نسائی ہونا پڑے گا، نرمی اور لطافت کی رفعتوں کو چھونا ہوگا۔ مرد کو بھی حقیقتاً مرد بننے کے لیے ممکنہ حد تک زیادہ مردانہ پن اپنانا ہوگا۔ جب ایک حقیقی مرد اور حقیقی عورت کا رابطہ ہوتا ہے تو وہ قطبی مخالفین ہوتے ہیں، دو انتہائیں ہوتے ہیں۔ صرف انتہائی محبت کر سکتی ہیں اور صرف انتہائیں ہی قربت سے لطف اندوز ہوسکتی ہیں۔ صرف انتہائیں ہی ایک دوسرے کے لیے کشش رکھتی ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ عورت ممکنہ حد تک عورت بنے، صرف تبھی وہ پھولوں کی طرح کھل سکتی ہے۔ مرد کو بھی ممکنہ حد تک مرد بننا ہوگا صرف تبھی وہ پھولوں کی طرح کھل سکے گا۔ جب وہ دونوں قطبی مخالف ہوں گے تو ان میں ایک عظیم کشش، ایک عظیم مقناطیسیت ابھرے گی۔ جب وہ ملیں گے تو دو مختلف دنیائیں، دو مختلف جہتیں، دو مختلف ثروتیں ملیں گی اور وہ ملاپ عظیم رحمت ہوگا۔



دوسرا کنارہ

محبوب اوشو! کشتی دوسرے کنارے پر کب پہنچتی ہے؟

دوسرا کنارہ نہیں ہے، کنارہ صرف یہی ہے۔ نہ ہی سوال کہیں پہنچنے کا ہے، سوال "یہاں" اور "اب" میں بیدار ہونے کا ہے۔ یہ "وہاں" کبھی نہیں ہوتا، یہ ہمیشہ "یہاں" ہوتا ہے، یہ کبھی "تب" نہیں ہوتا، یہ ہمیشہ "اب" ہوتا ہے۔ لمحۂ موجود ہی کُلیت کا حامل ہوتا ہے۔

میں جس کشتی کی بات کر رہا ہوں، وہ حقیقتاً کشتی نہیں ہوتی۔ میں تو آگاہ بننے کے حوالے سے بات کر رہا ہوں۔ انسان سویا ہوا ہے ___ انسان ہے وہیں، کہ جہاں اسے ہونا چاہیے۔ انسان سورگ میں ہے لیکن سوئے ہوئے ہو اور تم ایک ہزار چیزوں کے خواب دیکھ سکتے ہو۔ پھر وہ خواب تمہاری حقیقت بن جاتے ہیں، جبکہ حقیقت دھندلا جاتی ہے، غیر حقیقی بن جاتی ہے۔

تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مراقبہ نہ تو مکان (Space) میں سفر ہے، نہ زمان (Time) میں۔ یہ تو لمحاتی بیداری ہے۔ اگر تم "اب" خاموش ہو سکتے ہو تو یہی دوسرا کنارہ ہوتا ہے۔ اگر تم ذہن کو عمل نہ کرنے دو، بلکہ ساکن و بے عمل کر لو تو یہی دوسرا کنارہ ہوتا ہے۔

تاہم ذہن بہت عیار، بڑا چالاک ہے۔ وہ سب عظیم تعلیمات کو مسخ کر دیتا ہے۔ وہ لفظوں پر جست لگاتا ہے، لفظوں کو دبوچ لیتا ہے اور انہیں معنی دینا شروع کر دیتا ہے، جو کہ

حقیقی معنی نہیں ہوتے۔

ہاں میں نے دوسرے کنارے کے حوالے سے بات کی تھی، اور تمہارے ذہن نے ضرور لفظوں ہی کو پکڑ لیا ہوگا "دوسرا کنارہ، کشتی۔" ذہن کہنے لگا ہوگا "دوسرا کنارہ کہاں ہے، کشتی کہاں ہے، میں کیسے کشتی حاصل کر سکتا ہوں، میں کیسے اس میں بیٹھ سکتا ہوں، اور میں کب دوسرے کنارے پر پہنچوں گا؟"

تم نے ساری بات غلط سمجھی ہے۔ بیدار ہوؤ، اور یہی کنارہ بن جائے گا، اور یہ لمحہ ابدیت بن جائے گا۔ یہی جسم بدھ بن جائے گا اور یہی جگہ کنول سُورگ بن جائے گی۔

بیداری کو وقت کی ضرورت نہیں ہوتی، اسے وقوع پذیر ہونے کے لیے ایک پل کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ تو صرف تم میں ابھرنے والی حیران کن خواہش کا سوال ہے، ایک ایسی شدت کا کہ جس سے تم دہکنے لگو۔ اس آگ میں پرانا مٹ جاتا ہے اور نیا اُبھرتا ہے۔ پہلی بہت یہ ہے کہ پُرانا کبھی تھا ہی نہیں، صرف تمہیں اس کا یقین تھا۔ جبکہ نیا ہمیشہ ہی موجود تھا، بس تم نے اسے فراموش کر دیا ہوا تھا۔

اور ہمالیہ کے کسی غار میں بیدار ہونے سے آسان یہیں بیدار ہونا ہے۔ کیا تم نے کبھی مشاہدہ نہیں کیا کہ اگر تم ڈراؤنا خواب دیکھ رہے ہو تو بیداری کتنی آسان ہوتی ہے؟ اگر تم سہانا خواب دیکھ رہے ہو تو بیدار زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ اگر تم خواب میں اپنی محبوب بیوی کے ساتھ ہنی مون پر ہو تو بیدار ہونا کون چاہے گا؟ حقیقت میں جو شخص تمہیں جگانے کی کوشش کرے گا، تمہیں دشمن دکھائی دے گا۔ تاہم اگر خواب میں شیر تمہارا پیچھا کر رہا ہو اور معاملہ زندگی موت کا ہو، تم بگٹٹ بھاگے جا رہے ہو اور شیر قریب تر آتا جا رہا ہو، تمہیں اس کی سانس اپنی پشت پر محسوس ہونے لگی ہو، تب اچانک تم جاگ اٹھتے ہو۔ اسے برداشت کرنا ممکن نہیں تھا۔

ہمالیہ کے غار میں تم سہانے خواب دیکھ رہے ہو گے۔ مندروں میں لوگ یہی تو کر رہے ہیں — بھگوان کے، سُورگ کے، ابدی سکون اور مسرت کے سہانے خواب دیکھ رہے ہیں۔ دنیا میں لوگ ڈراؤنے خوابوں کا عذاب بھوگ رہے ہیں — شیئر مارکیٹ کے ڈراؤنے خواب، پاور پالیٹکس کے ڈراؤنے خواب۔ یہاں بیدار ہونا آسان ہے۔ اگر تم یہاں بیدار

نہیں ہو سکتے تو تم کہیں بھی بیدار نہیں ہو سکتے۔

لیکن یاد رکھنا! دوسری کوئی حقیقت نہیں ہے، حقیقت صرف ایک ہے۔ البتہ ایک حقیقت کو دو طریقوں سے دیکھا جا سکتا ہے: سوئی ہوئی آنکھوں کے ساتھ، خواب دیکھتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ، گرد سے بھری آنکھوں کے ساتھ — یوں تم جو کچھ دیکھتے ہو، ادھورا ہوتا ہے، مسخ شدہ ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کو سوئے بغیر بھی دیکھا جا سکتا ہے، خواب دیکھتی ہوئی آنکھوں کے بغیر، گرد سے بھری آنکھوں کے بغیر۔ تب تم جو کچھ دیکھو گے، سچ ہوگا — اور سچ آزادی عطا کرتا ہے۔



محبوب اوشو! کشتی دوسرے کنارے پر کب پہنچتی ہے؟

دوسرا کوئی کنارہ نہیں ہے، کنارہ صرف یہی ہے۔ نہ ہی سوال کہیں پہنچنے کا ہے، سوال ''یہاں'' اور ''اب'' میں بیدار ہونے کا ہے۔ یہ ''وہاں'' کبھی نہیں ہوتا، یہ ہمیشہ ''یہاں'' ہوتا ہے، یہ کبھی ''تب'' نہیں ہوتا، یہ ہمیشہ ''اب'' ہوتا ہے۔ لمحۂ موجود حقیقت کی کلیت کا حامل ہوتا ہے۔

میں جس کشتی کی بات کر رہا ہوں، وہ حقیقتاً کشتی نہیں ہوتی۔ میں تو آگاہ بننے کے حوالے سے بات کر رہا ہوں۔ انسان سویا ہوا ہے — انسان ہے وہیں، کہ جہاں اسے ہونا چاہیے۔ انسان سورگ میں ہے لیکن تم سوئے ہوئے ہو اور تم ایک ہزار چیزوں کے خواب دیکھ سکتے ہو۔ پھر وہ خواب تمہاری حقیقت بن جاتے ہیں، جبکہ حقیقت دھندلا جاتی ہے، غیر حقیقی بن جاتی ہے۔

تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مراقبہ نہ تو مکان (Space) میں سفر ہے، نہ زمان (Time) میں۔ یہ تو لمحاتی بیداری ہے۔ اگر تم ''اب'' خاموش ہو سکتے ہو تو یہی دوسرا کنارہ ہوتا ہے۔ اگر تم ذہن کو عمل نہ کرنے دو، بلکہ ساکن و بے عمل کر لو تو یہی دوسرا کنارہ ہوتا ہے۔

تاہم ذہن بہت عیار، بڑا چالاک ہے۔ وہ سب عظیم تعلیمات کو مسخ کر دیتا ہے۔ وہ لفظوں پر جست لگاتا ہے، لفظوں کو دبوچ لیتا ہے اور انہیں معنی دینا شروع کر دیتا ہے، جو کہ حقیقی معنی نہیں ہوتے۔

ہاں میں نے دوسرے کنارے کے حوالے سے بات کی تھی، اور تمہارے ذہن نے ضرور لفظوں ہی کو پکڑ لیا ہوگا ''دوسرا کنارہ، کشتی۔'' ذہن کہنے لگا ہوگا ''دوسرا کنارہ کہاں ہے، کشتی کہاں ہے، میں کیسے کشتی حاصل کر سکتا ہوں، میں کیسے اس میں بیٹھ سکتا ہوں، اور میں کب دوسرے کنارے پر پہنچوں گا؟''

تم نے ساری بات غلط سمجھی ہے۔ بیدار ہو، اور یہی کنارہ دوسرا کنارہ بن جائے گا، اور یہی لمحہ ابدیت بن جائے گا۔ یہی جسم بدھ بن جائے گا اور یہی جگہ کنول سورگ بن جائے گی۔

بیداری کو وقت کی ضرورت نہیں ہوتی، اسے وقوع پذیر ہونے کے لیے ایک پل کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ تو صرف تم میں ابھرنے والی حیران کن خواہش کا سوال ہے، ایک ایسی شدت کا کہ جس سے تم دہکنے لگو۔ اس آگ میں پرانا مٹ جاتا ہے اور نیا ابھرتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ پرانا کبھی تھا ہی نہیں، صرف تمہیں اس کا یقین تھا۔ جبکہ نیا ہمیشہ ہی موجود تھا، بس تم نے اسے فراموش کر دیا ہوا تھا۔

اور ہمالیہ کے کسی غار میں بیدار ہونے سے آسان یہیں بیدار ہونا ہے۔ کیا تم نے کبھی مشاہدہ نہیں کیا کہ اگر تم ڈراؤنا خواب دیکھ رہے ہو تو بیداری کتنی آسان ہوتی ہے؟ اگر تم سہانا خواب دیکھ رہے ہو تو بیداری زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ اگر تم خواب میں اپنی محبوب بیوی کے ساتھ ہنی مون پر ہو تو بیدار ہونا کون چاہے گا؟ حقیقت میں جو شخص تمہیں جگانے کی کوشش کرے گا، تمہیں دشمن دکھائی دے گا۔ تاہم اگر خواب میں شیر تمہارا پیچھا کر رہا ہو اور معاملہ زندگی موت کا ہو، تم بگٹٹ بھاگے جا رہے ہو اور شیر قریب تر آتا جا رہا ہو، تمہیں اس کی سانس اپنی پشت پر محسوس ہونے لگی ہو، تب اچانک تم جاگ اٹھتے ہو۔ اسے برداشت کرنا ممکن نہیں تھا۔

ہمالیہ کے غار میں تم سہانے خواب دیکھ رہے ہوگے۔ مندروں میں لوگ یہی تو کر رہے ہیں — بھگوان کے، سورگ کے، ابدی سکون اور مسرت کے سہانے خواب دیکھ رہے ہیں۔ دنیا میں لوگ ڈراؤنے خوابوں کا عذاب بھوگ رہے ہیں — شیئر مارکیٹ کے ڈراؤنے خواب، پاور یا لیٹکس کے ڈراؤنے خواب۔ یہاں بیدار ہونا آسان ہے۔ اگر تم یہاں بیدار

نہیں ہو سکتے تو تم کہیں بھی بیدار نہیں ہو سکتے۔

لیکن یاد رکھنا! دوسری کوئی حقیقت نہیں ہے، حقیقت صرف ایک ہے۔ البتہ ایک حقیقت کو دو طریقوں سے دیکھا جا سکتا ہے: سوئی ہوئی آنکھوں کے ساتھ، خواب دیکھتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ، گرد سے بھری آنکھوں کے ساتھ ـــ یوں تم جو کچھ دیکھتے ہو، ادھورا ہوتا ہے، مسخ شدہ ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کو سوئے بغیر بھی دیکھا جا سکتا ہے، خواب دیکھتی ہوئی آنکھوں کے بغیر، گرد سے بھری آنکھوں کے بغیر۔ تب تم جو کچھ دیکھو گے، سچ ہوگا ـــ اور سچ آزادی عطا کرتا ہے۔



مردانگی

مردانگی کے دو رُخ ہو سکتے ہیں، اُسی طرح جس طرح کہ نسائیت کے دو رُخ ہو سکتے ہیں۔ مردانگی والا ذہن جارح ہو سکتا ہے، متشدد ہو سکتا ہے، تباہ کار ہو سکتا ہے ـــ یہ صرف ایک امکان ہے۔ انسانوں نے اس کو آزمایا ہے اور نوعِ انسان نے اس کی وجہ سے بہت عذاب سہے ہیں۔ جب مرد مردانگی کے اس منفی رُخ پر عمل کرتا ہے، تو عورت خود بخود نسائیت کے منفی رُخ پر عمل کرنے لگتی ہے۔ صرف مرد کا ساتھ دینے کے لیے۔ ورنہ خلیج بہت وسیع ہے، پُل نہیں باندھا جا سکتا ہے جس پر۔ جب نسائیت منفی ہوتی ہے تو وہ کاہلی، سستی، لاپروائی میں ڈھل جاتی ہے۔ منفی عورت کے ساتھ صرف منفی مرد ہی سمبندھ قائم کر سکتا ہے۔

تاہم مثبت رُخ بھی ہے۔ کوئی شے صرف منفی نہیں ہو سکتی۔ ہر منفی کا ایک مثبت پہلو بھی ہوتا ہے۔ ہر سیاہ بادل کے کنارے نقرئی ہوتے ہیں اور ہر رات کے بعد صبح آتی ہے۔

مثبت مردانگی پہل ہوتی ہے، تخلیقیت ہوتی ہے، ایڈونچر ہوتی ہے۔ یہ سب ایک سی کیفیات ہیں، البتہ مختلف میدانوں میں رواں ہوتی ہیں۔ منفی مردانگی والا ذہن تباہ کن بن جاتا ہے، مثبت مردانگی والا ذہن تخلیقی بن جاتا ہے۔ تباہ کاری اور تخلیقیت دو الگ چیزیں نہیں ہیں۔ یہ ایک توانائی کے دو رُخ ہیں۔ جو توانائی جارحیت بن جاتی ہے، وہی توانائی پہل بن جاتی ہے۔

جب جارحیت پہل ہوتی ہے تب وہ ایک حسن کی مالک ہوتی ہے۔ جب تشدد ایڈونچر بنتا ہے، جب تشدد دریافت بنتا ہے، کسی نئے کی دریافت، کسی نامعلوم کی دریافت بنتا

ہے تو وہ نہایت فائدہ بخش ہوتا ہے۔

یہی معاملہ نسائیت کا ہے۔ غیر فعالیت منفی ہے، قبولیت مثبت ہے۔ دونوں لگتی ایک سی ہیں، دونوں میں بہت مشابہت ہے۔ تمہیں غیر فعالیت اور قبولیت کے فرق کو دیکھنے کے لیے نہایت گہرا اترنے والی نگاہوں کی ضرورت ہے۔ قبولیت خوش آمدید ہوتی ہے، یہ ایک انتظار ہوتی ہے، یہ اپنے اندر پوجا کی حامل ہوتی ہے۔ قبولیت میزبان ہوتی ہے، قبولیت کوکھ ہوتی ہے۔ غیر فعالیت تو کاہلی ہوتی ہے، موت ہوتی ہے، ناامیدی ہوتی ہے۔ اس میں انتظار نہیں ہوتا، توقع نہیں ہوتی، ہونے والا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ سُستی اپنانا ہے، یہ لاپروائی و بے اعتنائی اپنانا ہے۔ جبکہ سُستی اور لاپروائی و بے اعتنائی زہر ہیں۔

جو شے بے اعتنائی بنتی ہے، وہی ''الگ ہونا'' بن جاتی ہے اور تب یہ ایک بالکل مختلف خوشبو کی مالک ہوتی ہے۔ بے اعتنائی الگ ہونے جیسی لگتی ہے، لیکن یہ ہوتی نہیں ہے۔ بے اعتنائی کا سادہ سا مطلب ہے کوئی دلچسپی نہ ہونا۔ الگ ہونا دلچسپی کا نہ ہونا نہیں ہے — الگ ہونا تو سراسر دلچسپی ہے، حیران کن دلچسپی، اس کے باوجود یہ نہ چمٹنے کی استعداد کی حامل ہوتی ہے۔ جب لمحۂ موجود ہو تو اس سے لطف اٹھاؤ اور جب وہ معدوم ہونے لگے، کہ جیسے ہر شے کو معدوم ہونا لازم ہے، تو اسے جانے دو۔ الگ ہونا اسے کہتے ہیں۔

کاہلی ایک منفی حالت ہے۔ انسان یوں ہوتا ہے جیسے مٹی کا ڈھیر کہیں پڑا ہو — نشوونما کا کوئی امکان نہیں ہوتا، کوئی چھلکاؤ نہیں ہوتا، کوئی پھول نہیں کھلتے۔ تاہم یہی توانائی ایک تالاب بن سکتی ہے، توانائی بڑھتی جاتی ہے، بڑھتی جاتی ہے، بڑھتی جاتی ہے۔

اور سائنس دان کہتے ہیں کہ ایک خاص نقطے پر کمیتی (Quantitative) تبدیلی کیفیتی (Qualitative) تبدیلی بن جاتی ہے۔ سو درجے پر پانی بھاپ بن جاتا ہے۔ 99 درجے پر وہ بھاپ نہیں بنتا، 99.9 درجے پر بھی وہ بھاپ نہیں بنتا۔ تاہم صرف ایک درجہ زیادہ ہوتے ہی پانی ایک کوانٹم جست بھرتا ہے۔

مثبت نسائیت کاہلی نہیں ہے، یہ توانائی کا ایک حیران کن تالاب ہوتی ہے، اور توانائی بڑھتی جاتی ہے، جمع ہوتی جاتی ہے، وہ بہت سی کیفیتی تبدیلیوں سے گزرتی ہے۔

حقیقی مردانگی کے حامل مرد کو مہم جو ہونا پڑتا ہے، تخلیقی ہونا پڑتا ہے، اسے زندگی میں

زیادہ سے زیادہ مرتبہ پہل کرنا پڑتی ہے۔ عورت کو حقیقی عورت بننے کے لیے مرد کے پیچھے توانائی کا تالاب بننا پڑتا ہے تاکہ مہم کے لیے زیادہ سے زیادہ توانائی میسر ہو سکے۔ توانائی کی ضرورت اس لیے ہو گی تاکہ مہم تھوڑا فیضان پا لے، مہم تھوڑی شاعری پا لے، تاکہ مہم جُو روح عورت میں آرام کر سکے اور زندگی سے دوبارہ بھر جائے، دوبارہ جوان ہو جائے۔

میں دہراتا ہوں: مرد کو مرد بننا ہو گا اور عورت کو عورت بننا ہو گا لیکن مثبت انداز سے۔ تب اکٹھا ہونا مراقبہ ہوتا ہے، تب اکٹھا ہونا حقیقتاً ایک عظیم مہم ہوتا ہے۔ تب اکٹھا ہونے سے ہر روز نئی نئی حیرتیں رونما ہوتی ہیں۔ تب زندگی ان دو قطبین کے درمیان ایک رقص بن جاتی ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، ایک دوسرے کو نشوونما دیتے ہیں۔

مرد اکیلا بہت دور تک نہیں جا سکتا۔ عورت اکیلی صرف توانائی کا تالاب ہو گی، جس میں حرکت کا کوئی امکان نہیں ہو گا۔ دونوں اکٹھے ہوں تو لازم و ملزوم بن جاتے ہیں۔ کوئی ایک دوسرے سے اعلیٰ نہیں ہوتا، لازم و ملزوم کبھی اعلیٰ اور پست نہیں ہوتے، لازم و ملزوم تو برابر ہوتے ہیں۔ نہ مرد اعلیٰ ہے، نہ عورت، دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ وہ دونوں مل کر ایک کُل بناتے ہیں اور وہ دونوں مل کر تقدس کو، پاکیزگی کو تخلیق کر سکتے ہیں، جو کہ دونوں کے لیے الگ الگ ممکن نہیں ہے۔

ایک بات اور۔ اگر معاملہ صرف عورت مرد کے صرف خارجی ملاپ تک ہی رہے گا تو یہ اتنا اہم نہیں ہو گا۔ معاملہ مرد اور عورت کی ہستی میں گہرائی میں ملاپ کا ہے، کیونکہ ہر مرد کے اندر عورت بھی ہے اور ہر عورت کے اندر مرد بھی ہے۔ حقیقت میں خارجی ملاپ اور انجذاب ایک سبق ہوتا ہے، ایک تجربہ ہوتا ہے، داخلی ملاپ کے لیے تیار ہونے کا۔

جدید نفسیات خصوصاً نفسیات کا ژونگی مکتبۂ فکر (Jungian School of Thought) اسے تسلیم کرتا ہے۔ اس کی اساس اس پر ہے کہ مرد ذوجنسی ہے اور عورت بھی ذوجنسی ہے۔ اگر تمہارا شعوری ذہن مرد کا ہے تو تمہارا لاشعوری ذہن عورت کا ہو گا اور دوسری طرف بھی یہی معاملہ ہو گا۔

تاہم شروع شروع میں داخلی ملاپ مشکل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ داخلی غیر مرئی ہے، دکھائی نہیں دیتا ہے۔ پہلے تمہیں دکھائی دینے والے سے سبق سیکھنا ہے۔ خارجی

عورت سے ملو، خارجی مرد سے ملو تا کہ تمہیں چند تجربے اس بات کے ہو جائیں کہ یہ ملاپ آخر ہے کیا۔ پھر دھیرے دھیرے تم داخل کی طرف تلاش کر سکتے ہو اور وہاں بھی یہی قطبیت پا سکتے ہو۔

جس دن تمہارا اندر کا مرد اور اندر کی عورت ملتے ہیں تم گیان پا جاتے ہو۔ وہ دن عظیم خوشی کا دن ہوتا ہے، صرف تمہارے لیے ہی نہیں بلکہ ساری ہستی کے لیے۔ ایک آدمی اور واپس آ چکا ہے، لاکھوں کروڑوں میں سے ایک پہنچ گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب بدھ کو گیان ملا تھا تو آسمان سے پھول نچھاور ہوئے تھے۔ یہ تاریخی حقیقت نہیں ہے، یہ شاعرانہ اظہار ہے، لیکن ہے حیران کن اہمیت کا حامل۔ ضرور ساری ہستی رقص کر رہی ہوگی، ضرور ساری ہستی نے گیت گائے ہوں گے، ضرور لاکھوں پھول نچھاور کیے گئے ہوں گے ___ اس لیے کہ یہ ایک نادر واقعہ ہے۔ ایک بھٹکتی، ٹٹولتی روح کو دفعتاً ملاپ ہو جاتا ہے، اور منتشر روح مجتمع جاتی ہے۔

تاہم پہلا سبق، یاد رکھو، خارج میں پڑھنا ہے۔ جب تک تم عورت کو خارجی سطح پر نہیں جانو گے، اس کی ساری ثروت کے ساتھ، اس کے سارے شیریں پن اور تلخ پن کے ساتھ۔

جب تک تم مرد کو باہر سے نہیں جانو گی، اس کے سارے حسن اور اس کی ساری بدصورتی کے ساتھ، تم اندر کی طرف سفر کرنے کی اہل نہیں ہو پاؤ گی۔ تم داخل میں ین (Yin) اور یانگ (Yang)، شِو اور شکتی کے ملاپ کی اہل نہیں ہوگی۔



کرشنا مورتی

جے کرشنا مورتی ایک نُوریاب (Enlightened) شخص ہے۔ وہ سنیاس کے خلاف ہے۔ یہ زندگی کے حوالے سے اس کا فلسفہ ہے۔ بلاشبہ یہ ایک تنگ نظری پر مبنی فلسفہ ہے۔ وہ سرنگ نما وژن کا حامل ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے سرنگ نما وژن کے مطابق جو کہتا ہے، درست ہے، تاہم یہ وژن بہت محدود ہے۔

وہ کہہ سکتا ہے کہ سنیاس غلط ہے، وہ کہہ سکتا ہے کہ میں غلط ہوں۔ تاہم میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ غلط ہے کیونکہ میں ایک وسیع تر وژن کا حامل ہوں، ہمہ گیر وژن کا حامل ہوں۔ اگر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ بدھ درست ہے، زرتشت درست ہے، لاؤ تزو درست ہے، تلوپا، اتیشا اور دوسرے بہت سے درست ہیں تو میں کرشنا مورتی کو بھی درست کہہ سکتا ہوں۔

ہاں ایسے لوگ ہیں جن کے لیے اس کا وژن مددگار ہوگا، تاہم ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ درحقیقت جن لوگوں کے لیے اس کا وژن درست ہے، ہو سکتا ہے انہیں اس کی مدد کی ضرورت ہی نہ ہو___ اس کی وجہ یہ ہے کہ گرو کی مدد کی ضرورت ہی تو سنیاس ہے۔ گرو کی مدد کی ضرورت چیلا بننے کے لیے بنیادی شرط ہے۔

کرشنا مورتی لفظ گرو اور چیلا کا بہت مخالف ہے۔ تاہم وہ پچاس سال سے یہی کچھ تو کر رہا ہے۔ وہ گرو ہے، جو کہتا ہے کہ وہ گرو نہیں ہے۔ جو لوگ اسے سنتے ہیں اور اس کو مانتے ہیں، وہ چیلے ہیں لیکن سوچتے ہیں کہ وہ چیلے نہیں ہیں۔

یہ اہم نہیں ہے کہ تم کیا سوچتے ہو، اہم یہ ہے کہ تم کیا ہو۔ وہ گرو ہے اور اس کے چیلے ہیں۔ وہ گرو ہونے سے انکار کرتا ہے۔ یہ اس کی چال ہے۔ اس انا پرست دنیا میں لوگوں

کا اپنے آپ کو سپرد کر دینا بہت مشکل ہوتا ہے، انا کو ترک کر دینا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جو انا پرست اپنی انا کو ترک نہیں کرتے، وہ ان کے لیے ایک دروازہ کھولتا ہے۔ وہ کہتا ہے: ''تم اپنی انا رکھ سکتے ہو، تمہیں چیلا بننے کی ضرورت نہیں ہے، تمہیں سنیاسی بننے کی ضرورت نہیں ہے۔'' انا پرستوں کو بہت اچھا محسوس ہوتا ہے کہ انہیں کسی کے سامنے جھکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم اسے سنتے ہوئے، مسلسل اسے سنتے ہوئے اندر کہیں گہرائی میں جھکاؤ وقوع پذیر ہونے لگتا ہے، سپردگی رونما ہونے لگتی ہے۔

وہ دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ گرو ہے۔ تاہم گرو کو جو کچھ مطلوب ہوتا ہے، اسے اپنے سامعین سے وہی کچھ مطلوب ہوتا ہے۔ گرو کہتا ہے: ''سوچ بغیر سنو، کاملاً سنو، تمہارے خیالات کی مداخلت نہیں ہونی چاہیے۔'' یہی کچھ اسے اپنی چیلوں سے مطلوب ہوتا ہے، جنہیں وہ چیلے نہیں کہتا ہے۔ یہ ایک نہایت نفیس چال ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ سنیاسی غلط ہے ___ اسے ایسا کہنا ہی ہے۔

وہ جب کبھی ہندوستان میں ہوتا ہے ___ اور جلد ہی وہ جہاں کہیں ہوگا، ہر اجلاس میں وہ میرے سنیاسیوں کو پالے گا۔ اس سے اسے بہت غصہ آتا ہے، اور جب وہ سنیاس اور سنیاسیوں کے خلاف اس کے بولنے پر ہنستے ہیں تو اسے زیادہ غصہ آتا ہوگا۔

وہ انہیں کہتا ہے: تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟ اگر تم پہلے ہی گرو کو پا چکے ہو تو تمہیں میرے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' میرے ایک سنیاسی سے اس نے خلوت میں پوچھا تھا: ''اگر تمہیں گرو مل چکا ہے تو تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

میرے سنیاسی نے کہا تھا: ''لیکن ہمارا گرو کہتا ہے ہر جگہ جاؤ۔ تمہیں جہاں سے کچھ ملے، اسے حاصل کرو۔ یہ اس کی تعلیم و تلقین ہے اور ہم اس کا حکم مانتے ہیں۔ ہم یہاں آپ کی پیروی کرنے تھوڑا ہی آتے ہیں!''

فطری بات ہے اسے بہت غصہ آتا ہے۔ یہی خوبصورتی ہے کہ وہ مجھے قبول نہیں کر سکتا لیکن میں اسے قبول کر سکتا ہوں۔ یہ میرے لیے مسئلہ نہیں ہے۔ میں ہر قسم کے لوگوں اور ہر قسم کے فلسفوں کو قبول کر لیتا ہوں۔ میرا اوژن بہت وسیع ہے۔

وہ گروؤں اور چیلوں کے اتنا خلاف کیوں ہے؟ درحقیقت یہ ایک زخم ہے، جو بھر تو

چکا ہے، لیکن جس کا داغ ابھی تک کافی ہے۔ اسے اس کی مرضی کے خلاف چیلا بننے پر مجبور کیا گیا تھا۔ وہ چھوٹا سا بچہ تھا کہ اسے اینی بیسنٹ اور تھیوسوفسٹوں نے متبنیٰ بنا لیا تھا۔ وہ صرف نو سال کا تھا اور بالکل نہیں جانتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اسے ایک نہایت جامد ڈسپلن کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کیا گیا۔

اسے دن کے چوبیسوں گھنٹے تربیت دی جاتی تھی کیونکہ ایک تھیوسوفسٹ لیڈر کا خیال تھا کہ یہ لڑکا ایک ''جگت گرو'' بنے گا، اس کا خیال تھا کہ یہ لڑکا بھگوان میتریہ کا اوتار بنے گا، اسے تیاری کروانی چاہیے تاکہ بدھ اس کے جسم میں دوبارہ زندگی پا لے۔ پس اس پر کئی طریقوں سے تشدد کیا گیا۔

اسے دوسرے بچوں کی طرح کھانے نہیں دیا گیا، اسے دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے نہیں دیا گیا، جبکہ ہر بچہ کھیلنا پسند کرتا ہے۔ اس پر پہرا لگا رہتا تھا۔ اسے عام سکولوں میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اسے تقریباً ایک زنداں میں رکھا گیا تھا۔ اسے صبح تین بجے جگا دیا جاتا اور رسوماتی غسل کرنے پر مجبور کیا جاتا اور پھر بہت سی رسوم اسے ادا کرنا ہوتیں ___ تبتی، چینی، ہندوستانی، مصری۔ وہ ضرور تھک جاتا ہوگا، اکتا جاتا ہوگا۔

آخری زخم تب لگا جب اس کا بھائی نتیہ آنند فوت ہوا۔ وہ دو بھائی تھے ___ نتیہ آنند اور کرشنا مورتی۔ دونوں کو تیار کیا جا رہا تھا کیونکہ یقینی نہیں تھا کہ کس نے ''جگت گرو'' بننا ہے۔ نتیہ آنند اس سخت ڈسپلن کی وجہ سے فوت ہو گیا۔ وہ تو پاگل خانے جیسی قید تھی۔ اس کی موت کا کرشنا مورتی کو شدید صدمہ ہوا۔ اسے اپنے بھائی سے بہت محبت تھی۔ اس کی محبت کے اظہار کا دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اسے اس کے خاندان سے دور رکھا گیا تھا۔ اس کی ماں مر چکی تھی جبکہ باپ ان کی دیکھ بھال کرنے سے قاصر تھا۔ وہ ایک معمولی سا کلرک تھا۔ اینی بیسنٹ نے دونوں لڑکوں کو متبنیٰ بنا لیا اور انہیں مختلف باطنی علوم (Disciplines) سیکھنے کے لیے ساری دنیا میں گھومنا پڑا۔ یہ ان کے لیے بہت مشکل تھا۔ اس بات کا پورا پورا امکان ہے کہ نتیہ آنند بہت زیادہ تربیت کی وجہ سے مر گیا ہو۔

اور پھر وہ گرو جنہیں کرشنا مورتی نے محبت سے نہیں چنا تھا...... وہ اور اس کا بھائی قیدیوں کی طرح تھے اور ان کے گرو جیلروں کی طرح۔ اسے گروؤں کے حوالے سے ایک بہت

غلط تاثر ملا۔ اس کے لیے ان کے شکنجے سے نکلنا مشکل تھا۔ آخر وہ ان کے شکنجے سے نکل گیا__ تم کسی کو کب تک جکڑے رکھ سکتے ہو؟ جب وہ جوان ہوا، اور جال سے نکلنے کی قوت کا مالک ہوا تو بھاگ نکلا۔ اس نے اعلان کیا: ''میں کسی کا گرو نہیں ہوں، نہ ہی میں ''جگت گرو'' بنوں گا۔ یہ سب بکواس ہے!''

تب سے داغ باقی ہے۔ تب سے وہ گروؤں، علم، مراقبے، چیلوں کے بارے میں بول رہا ہے اور ان سب کا مخالف ہے۔ درحقیقت وہ کسی گرو کو نہیں جانتا، اور وہ کسی چیلے کو نہیں جانتا__ کیونکہ یہ تم پر تھوپے نہیں جاسکتے، انہیں تو تم محبت اور خوشی سے قبول کرتے ہو۔

تم اس سے کہیں زیادہ خوش قسمت ہو۔ تم نے مجھے خوشی سے، محبت سے قبول کیا ہے، اور تم مجھ سے کسی بھی لمحے محبت کرنے کو آزاد ہو۔

اگر کسی بچے کے ساتھ جنسی بدسلوکی کی گئی ہو تو وہ ساری زندگی پریشان رہتا ہے۔ اگر کسی لڑکی کی مرضی کے خلاف اس کا جنسی استحصال کیا جائے یا اگر اسے علم نہ ہو کہ یہ کیا ہو رہا ہے تو وہ جنسی اعتبار سے، کبھی چین سے، سکون سے نہیں رہے گی، کبھی نہیں۔ خوف بار بار حاوی ہوتا رہے گا۔

یہ اس صدی کا سب سے گندا واقعہ تھا کہ ہر طرح کے احمق تھیوسوفی کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ یہ تمام مذاہب کی خوبیوں کے امتزاج کی ایک کوشش تھی۔ ایسا کوئی امتزاج ممکن نہیں ہے۔ اگر تم ایسا کوئی امتزاج کرو گے تو تمہارے ہاتھوں میں زندہ، سانس لیتا جسم نہیں، ایک لاش ہوگی۔

یہ ایسا ہی ہے کہ تم بہت سی عورتوں سے محبت کرتے ہو__ ایک عورت کی آنکھیں خوبصورت ہیں، تم اس کی آنکھیں نکال لیتے ہو۔ دوسری عورت کی ناک خوبصورت ہے، تم اس کی ناک کاٹ لیتے ہو__ اور ایسا ہی سارے اعضا کے ساتھ کرتے ہو۔ تم سارے اعضا کو اکٹھا کرنے سے ایک لاش ہی پا سکتے ہو۔ ایک لاش بنانے کے لیے تم نے بیس خوبصورت عورتوں کو مار ڈالا ہوگا۔ نتیجہ ہے نری بیوقوفی، سراسر حماقت۔

تھیوسوفی نے یہی کیا تھا۔ کوئی شے ہندومت میں خوبصورت ہے، کوئی شے تاؤمت میں خوبصورت ہے، کوئی شے یہودیت میں خوبصورت ہے۔ سب کو اکٹھا کرو، سب کو ایک مکسر (Mixer) میں ڈالو، انہیں ملاؤ، اور تمہیں جو کچھ ملے گا، ایک لاش ہوگی۔

بدقسمتی سے کرشنا مورتی کو ایسے لوگوں میں جینا تھا۔ تاہم وہ حیران کن ذہانت کا مالک تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کھو گیا ہوتا، اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس پنجرے سے باہر نہ آپاتا۔ جبکہ پنجرہ اس قدر خوبصورت تھا، اس قدر لبھا لینے والا تھا__ ہزاروں پیروکار مہیا تھے۔ تاہم وہ جرأت رکھتا تھا، وہ اس سب کو چھوڑنے کی ہمت اور ذہانت رکھتا تھا، اس جال سے نکلنے پر قادر تھا۔

یہ اس کے لیے مشکل تھا، بہت مشکل تھا، حد تو یہ ہے کہ زندہ رہنا بھی مشکل تھا۔ میں اس کا احترام کرتا ہوں، میں اس کا بے حد احترام کرتا ہوں۔ میں سمجھ سکتا ہوں کہ وہ گروؤں اور چیلوں اور سنیاس کے خلاف کیوں ہے۔

وہ جو کہتا ہے، وہی مراد لیتا ہے۔ اس کو جو مراد ہوتا ہے وہی کہتا ہے۔ اس کا محدود وژن بہت صاف ہے۔ محدود وژن کی ایک نہایت خوبصورت بات یہ ہے کہ وہ بہت صاف ہوتے ہیں۔ آسمان جتنا وسیع ہوگا صاف پن اتنا ہی کم ہوگا۔ وژن جتنا بڑا ہوگا، صاف پن اتنا ہی کم ہوگا۔

میرے وژن میں سب کچھ ہے۔ اس کا وژن بہت محدود ہے، میرا وژن ہمہ گیر ہے۔ اس کا وژن صرف اس کا ہے۔ میرے وژن میں بدھ ہے، زرتشت ہے، مہاویر ہے، اور لاکھوں دوسرے ہیں۔ یاد رکھنا میں یہاں امتزاج کی کوشش نہیں کر رہا ہوں۔ میں یہ کوشش نہیں کر رہا کہ کسی کی ایک شے خوبصورت ہے تو اسے چن لوں، اور کسی دوسرے کی کوئی اور شے۔ نہیں، میں تو ہر روایت کو جیسی وہ ہے قبول کرتا ہوں__ حالانکہ بعض اوقات وہ میرے خلاف ہوتی ہے، حالانکہ بعض اوقات ان میں ایسے مقامات ہوتے جہاں ہونا مجھے پسند نہیں۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر میں کون ہوں؟ مجھے اس میں اپنی پسند کیوں شامل کرنی چاہیے؟

میں ہر روایت کو جیسی وہ ہے، قبول کرتا ہوں، اس میں خلل ڈالے بغیر۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا اور شاید صدیوں تک ایسا ہوگا بھی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے ہمہ گیر وژن کا حامل ہونا بہت الجھا دینے والا ہے۔ تمہیں میرے ساتھ رہتے ہوئے تیقن کبھی نہیں مل سکتا۔ تم جتنا زیادہ میرے ساتھ رہو گے، تمہارے پیروں تلے کی زمین اتنی ہی غائب ہوتی جائے گی۔

تم یہاں جتنا زیادہ میرے ساتھ رہو گے، اتنا ہی تمہارا ذہن جاتا رہے گا، اور اس کے ساتھ ہی سارا تیقن بھی۔

ہاں، تم شفافیت پالو گے، تیقن نہیں۔

کرشنا مورتی کے ساتھ ہر شے یقینی ہوتی ہے۔ وہ دنیا کا سب سے مستقل مزاج انسان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک نہایت محدود وژن کا حامل ہے۔ جب تم کسی محدود وژن کے حامل ہوتے ہو تم لازماً بہت مستقل مزاج ہوتے ہو۔

تم مجھ سے زیادہ متلون مزاج انسان کہیں نہیں پا سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے بہت متضاد تصورات کے لیے جگہ بنانا ہوتی ہے۔ بدھ مت اور اتیشا میں کوئی شے مشترک نہیں ہے، مہاویرا اور زندگی میں کوئی شے مشترک نہیں ہے۔ اس کے باوجود سب مجھ سے ملتے ہیں اور وہ سب مجھ میں ایک ہوتے ہیں۔ میں چنتا نہیں، میں مداخلت نہیں کرتا، میں تو بس ان سب کو ہضم کرتا ہوں۔

ایک حیران کن حد تک نئی سمفنی، میں اسے امتزاج (Synthesis) نہیں سمفنی (Symphony) کہتا ہوں، جو یہاں ابھرتی ہے۔ امتزاج میں ایک مردہ شے سامنے آتی ہے۔ ایک سمفنی میں، ایک آرکسٹرا میں سارے ساز بج رہے ہوتے ہیں لیکن ایک حیرتناک ہم آہنگی کے ساتھ۔

کرشنا مورتی ایک تنہا بانسری بجانے والا ہے۔ میں ایک آرکسٹرا ہوں: بانسری قبول کر لی گئی ہے۔ بلاشبہ کرشنا مورتی میرے آرکسٹرا کو قبول نہیں کرے گا، وہ ایک تنہا بانسری بجانے والا جو ہے۔ وہ ایک خوبصورت بانسری بجانے والا ہے، میں اس کو سراہتا ہوں۔ میں اسے سراہ سکتا ہوں لیکن وہ مجھے نہیں سراہ سکتا۔ وہ کیا جانے آرکسٹرا کے بارے میں؟ میں جانتا ہوں بانسری کے بارے میں سب کچھ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ میرے آرکسٹرا کا حصہ ہے، صرف ایک چھوٹا سا حصہ۔ تاہم اس کے لیے بانسری ہی سب کچھ ہے۔

میں اس کی سنیاس پر تنقید کو سمجھ سکتا ہوں۔ اگر وہ تنقید نہ کرتا تو حیرت ہوتی — یہ ناقابلِ یقین ہوتا، یہ میرے لیے حقیقتاً ایک ہلاوا (Shock) ہوتا!

لیکن اس بوڑھے کو بولنے دو، اور پلیز اسے سنتے ہوئے اسے اکساؤ۔ سامنے والی

صف میں بیٹھو اور جب وہ سنیاس کو بُرا کہے تو ہنسو، تالی بجاؤ۔ تب وہ حقیقتاً غصے ہو گا۔ وہ دنیا کا واحد نوریاب شخص ہے جسے غصہ آتا ہے۔ اور یہ کاملاً خوبصورت بات ہے۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں، میں اس کا احترام کرتا ہوں۔ میں اس سے محبت اور اس کا احترام کر سکتا ہوں، جیسا وہ ہے، ویسے ہی۔ تاہم وہ مجھ سے محبت نہیں کر سکتا، میرا احترام نہیں کر سکتا، میں اِسے بھی سمجھ سکتا ہوں۔



بالکل مختلف محبت

کرشن نے محبت کی بات کی تھی، بدھ نے بھی، نانک نے بھی، اور کبیر نے بھی۔ اُن سب نے محبت کی بات کی تھی۔ تاہم کسی نے محبت کی بات ویسے نہیں کی تھی جیسے میں کرتا ہوں۔ ان کی محبت تجریدی ہے، غیر مادی ہے۔ ان کی محبت بہرحال اس دنیا کی نہیں ہے۔ ان کی محبت فلسفیانہ ہے۔ جس طرح وہ محبت کی تعریف کرتے ہیں، اور جس طرح میں محبت کی تعریف کرتا ہوں، وہ مختلف ہے۔ میں محبت کو اس کے سارے رنگوں سمیت قبول کرتا ہوں۔ میں اس کی پوری قوس قزح کو قبول کرتا ہوں۔ وہ انتخاب کرنے والے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ''صرف نیلا رنگ محبت ہے، باقی سارے رنگ محبت نہیں ہیں۔'' کوئی کہتا ہے: ''صرف لال رنگ محبت ہے، باقی ساری رنگ محبت نہیں ہیں۔'' وہ زمینی محبت کی مذمت کرتے ہیں، وہ جسی محبت کی مذمت کرتے ہیں، وہ جسم کی مذمت کرتے ہیں۔

اور یہیں پر فرق ہے۔

میرے لیے محبت ایک سیڑھی ہے۔ سیڑھی کا ایک سرا زمین پر ٹکا ہوا ہے ــــ نہ صرف ٹکا ہوا ہے بلکہ حقیقت میں جڑوں کی طرح زمین میں اترا ہوا ہے، زمین میں گڑا ہوا ہے ــــ اور دوسرا سرا آسمان کو چھو رہا ہے۔

وہ صرف دوسرے سرے کی بات کرتے ہیں اس لیے انسان کا اس تک پہنچنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نچلے سرے کو رد کر دیا جاتا ہے جبکہ اونچائی پر صرف نیچے سے پہنچا جاسکتا ہے۔ تمہیں سیڑھی کے نچلے قدمچوں کو عبور کرنا ہوگا، ورنہ تم اوپر والے حصے تک

کس طرح پہنچو گے؟

ہندوستان کے چارواک اور یونان کے اپی کیورس جیسے لوگ بھی گزرے ہیں، جو سیڑھی کے صرف نچلے حصے پر یقین رکھتے اور انہوں نے اوپر والے حصے کو رد کر دیا تھا۔

میں اس کی کلیت کو قبول کرتا ہوں۔ میں کیچڑ کو قبول کرتا ہوں، میں کنول کو قبول کرتا ہوں، اور میں اُس سب کو قبول کرتا ہوں جو کہ ان کے درمیان ہے۔ اسی لیے ہر شخص کا مجھے غلط سمجھنا لازم ہے۔ روحانی لوگ مجھے غلطی سے مادیت پرست سمجھتے ہیں ــــ انہیں غلط فہمی ہے کہ میں روح کو نہیں مانتا، انہیں یقین ہے کہ میرا محبت کا پرچار، جنس کا پرچار ہے، انہیں یقین ہے کہ میں محبت کے نام پر صرف شہوت کا پرچار کر رہا ہوں۔ مادیت پرست، اپی کیوریز، چارواک کو ماننے والے بھی مجھے غلط سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں جنس اور تجریدی محبت کو جال کہتا ہوں ــــ تمہیں غیر وجودیاتی تجریدات کی طرف لے جانے کے لیے، مسرت، سمادھی، بھگوان کی طرف لے جانے کے لیے۔

مادیت پرست اور روحانیت پرست سبھی مجھے غلط سمجھیں گے۔ میرے سنیاسی بھی مجھے غلط سمجھیں گے۔ تم ہر کہیں مجھے غلط سمجھو گے ــــ ہر کلچر میں، ہر معاشرے میں، ہر مذہب میں، ہر نظریے میں۔ میرے ساتھ رہنا خطرناک ہے، تمہیں بھی غلط سمجھ لیا جائے گا۔ تمہیں اسے اپنی ہستی کی حقیقت کے طور پر قبول کرنا ہوگا۔

اور وجہ واضح ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ماضی میں کسی نے سارے رنگوں کو قبول نہیں کیا۔ میں اسی لیے سارے رنگوں کو قبول کرتا ہوں کہ میرے لیے، نچلا سرا، اور اوپر والا سرا الگ الگ نہیں ہیں۔ میرے لیے وہ ایک ہیں۔ نچلا اوپر والے میں ہے، اور اوپر والا نچلے میں ہے۔ کیچڑ ناشگفتہ کنول کا پھول ہے، اور کنول کا پھول شگفتہ کیچڑ ہے۔ میں کیچڑ کی مذمت نہیں کرتا، کیونکہ کیچڑ کی مذمت کرنے سے کنول کی مذمت ہوتی ہے۔ میں کنول کی بھی مذمت نہیں کرتا کیونکہ کنول کی مذمت کرنے سے کیچڑ ساری معنویت کھو دیتا ہے: تب وہ صرف اور صرف کیچڑ ہوتا ہے۔

میں اس زمین کو قبول کرتا ہوں اور اس آسمان کو قبول کرتا ہوں۔ میں جسم اور روح دونوں کو قبول کرتا ہوں، خارج اور داخل دونوں کو قبول کرتا ہوں، میں کامل قبولیت کی تعلیم دیتا

ہوں۔

تمہیں غلط سمجھا جائے گا۔

اور صرف یہی نہیں کہ تمہیں غلط سمجھا جائے گا__ اس بات کا پورا پورا امکان ہے کہ تم مجھے بھی غلط سمجھو گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم میں سے کچھ یہ سمجھیں گے کہ جنس ہی سب کچھ ہے۔ تمہیں میری کتابوں سے اپنے موقف کے حق میں حوالے بھی آسانی سے مل جائیں گے۔ تم میں سے بہت سے غلط سمجھو گے کہ جنس سے ماورا جانا ہے، صرف سمادھی سچ ہے، جنس ایسی شے ہے جس سے گزر کر آگے جانا ہے۔ دونوں ہی وقوع پذیر ہوں گے۔

جو لوگ حقیقتاً مجھے سمجھ جائیں گے وہ میرا نکتہ پا جائیں گے، اور دیکھ لیں گے کہ میں یہاں کیا کر رہا ہوں۔ میں ایک مادیتی روحانیت (Materialist Spirituality) تخلیق کر رہا ہوں، یا روحانی مادیت (Spiritualist Materialism)۔ ایسا پہلے کبھی نہیں کیا گیا ہے۔

اور جب کبھی پہلی بار کچھ کیا جاتا ہے تو فطری بات ہے کہ اسے غلط سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہ امکان ہے، تم مجھے غلط سمجھ سکتے ہو۔ دوسری انتہا پر دوسری طرح کے لوگ بھی ہیں۔ جو شخص بھی میری تعلیمات کا ایک حصہ لے گا، مجھے لازماً غلط سمجھے گا۔

تمہیں مجھے کاملاً لینا ہے، میری کلیت میں لینا ہے۔ بلاشبہ کلیت بہت الجھا دینے والی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قطبی تضاد سموئے ہوئے ہیں۔ ایک حصے کو چُننا آسان ہے__ یا مادیتی یا روحانی۔ یہ آسان ہے، تم ٹھہراؤ محسوس کرتے ہو۔ مجھے میری کلیت میں منتخب کر کے تمہیں بہت متحرک زندگی گزارنا پڑے گی__ ایک لمحے یہ، دوسرے لمحے وہ۔ تاہم میرا سارا پیغام یہی ہے۔

اگر کوئی شخص زندگی کو حقیقتاً اس کی ساری ثروت میں جینا چاہتا ہے، تو اسے متحرک رہنا سیکھنا ہوگا، سیکھنا ہوگا کہ کس طرح ''مستقل طور پر'' غیر مستقل رہنا ہے، ایک انتہا سے دوسری انتہا تک کیسے جانا ہے، کبھی زمین میں گہرا گڑا ہوا اور کبھی آسمان پر اونچا اُڑتا ہوا، کبھی محبت کرتے ہوئے اور کبھی مراقبہ کرتے ہوئے۔ اور یوں دھیرے دھیرے تمہاری زمین اور تمہارا آسمان قریب تر آجاتے ہیں، اور تم وہ افق بن جاؤ گے جہاں وہ دونوں ملتے ہیں۔



گوبھی اور گدھے کی آنت

محبوب اوشو! آپ لوگوں کو گوبھی اور گدھے کی آنت کیوں کہتے ہیں؟ یہ انداز بہت تحقیری لگتا ہے۔

آنند سواگت! گوبھی بھی لوگ ہوتے ہیں، اور بہت معصوم لوگ۔ یہ کہنے سے تمہاری کیا مراد ہے، ''یہ انداز بہت تحقیری لگتا ہے؟'' کس کی تحقیر؟ گوبھی کی؟ درحقیقت یہ تو گوبھی کی تحقیر ہے کہ اس کا موازنہ انسان سے کیا گیا ہے۔ آخر اس نے کیا بگاڑا ہے؟

ذرا انسان کی تاریخ پر غور کرو، اور گوبھیوں کی تاریخ پر۔ تمہیں گوبھیوں سے زیادہ معصوم لوگ نہیں ملیں گے۔ وہ سب بدھ ہیں__ بہت خاموش، بہت خوش، بہت مراقباتی۔

اور تم کہہ رہے ہو: ''یہ انداز بہت تحقیری ہے۔'' انسان کے لیے؟

اگر کوئی گدھے کی آنت ہو تو میں بھلا اسے اور کیا کہہ سکتا ہوں؟ میں اس کی تحقیر نہیں کر رہا ہوتا، میں تو بس حقیقت بیان کر رہا ہوتا ہوں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں جھوٹ بولوں؟ گدھے کی آنت تو گدھے کی آنت ہی ہے__ سادہ سی، سیدھی سی بات ہے۔

اور یاد رکھنا! گدھے کی آنت ہونا بالکل ٹھیک ہے۔

لیکن سواگت تم کیوں پریشان ہو؟ کیا تم گوبھی ہو یا......؟



دو دیکھنے والے

''دو دیکھنے والوں کے اصول کو سمجھو۔''

یہ ایک نہایت اہم سوترا ہے، داخلی کیمیا گری کی ایک بنیاد۔ اسے اپنے دل میں گہرا اترنے دو۔ یہ تمہاری کایا کلپ کرسکتا ہے، یہ تمہیں نیا جنم دے سکتا ہے، ایک نیا وژن، ایک نئی کائنات دے سکتا ہے۔ اس کے دو مفہوم ہیں۔ دونوں مفاہیم کو سمجھنا ضروری ہے۔

پہلا مفہوم: دیکھنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ایسے لوگوں کی ہے جو تمہارے اردگرد موجود ہوتے ہیں۔ تمہیں مستقلاً علم ہوتا ہے کہ تمہیں دیکھا جارہا ہے۔ اس سے تم میں خود شعوری پیدا ہوتی ہے۔ جب تم سٹیج پر بڑے ہجوم کا سامنا کر رہے ہوتے ہو تو تمہیں خوف محسوس ہوتا ہے۔ اداکار اسے محسوس کرتے ہیں، شاعر اسے محسوس کرتے ہیں، مقرر اسے محسوس کرتے ہیں — اور نہ صرف یہ کہ نوآموز بلکہ وہ بھی جو اپنی ساری زندگی اداکاری میں کھپا چکے ہوتے ہیں۔ جب وہ سٹیج پر آتے ہیں تو ان میں زبردست کپکپاہٹ ابھرتی ہے، ایک زبردست خوف ابھرتا ہے، کہ وہ اداکاری کر بھی پائیں گے یا کہ نہیں۔

جب بہت ساری نگاہیں تم پر جمی ہوں تو تم ایک خارجی شے بن کر رہ جاتے ہیں۔ تم داخلیت نہیں رہتے ہو، تم چیز بن جاتے ہو، شے بن جاتے ہو۔ تم اس لیے خوفزدہ ہوتے ہو کہ ممکن ہے وہ تمہاری تعریف نہ کریں۔ ممکن ہے وہ تمہاری انا کو خوراک نہ دیں، ممکن ہے وہ تمہیں پسند نہ کریں، ممکن ہے وہ تمہیں مسترد کردیں۔ اب تم ان کے ہاتھوں میں ہوتے ہو۔ تم

ایک مجبور غلام بن کر رہ جاتے ہو۔ اب تمہیں اس انداز سے کام کرنا ہوتا ہے کہ تمہاری تعریف کی جائے۔ تمہیں ان کی اناؤں کو مکھن لگانا ہوتا ہے، تاکہ جواب میں تم ان سے امید رکھ سکو کہ وہ تمہاری انا کو مکھن لگائیں گے۔

جب تم اپنے دوستوں کے ساتھ ہوتے ہو تو اتنے خوفزدہ نہیں ہوتے۔ تم انہیں جانتے ہو، ان کے بارے میں پیش گوئی کی جاسکتی ہے، تمہارا ایک دوسرے پر انحصار ہوتا ہے۔ تاہم جب تم گمنام ہجوم کا سامنا کرتے ہو تو زیادہ خوف ابھرآتا ہے۔ تمہارا سارا وجود کانپنے لگتا ہے، تمہاری پوری انا داؤ پر لگی ہوتی ہے — تم ناکام ہوسکتے ہو۔ کون جانے؟ تمہاری کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

یہ ہے دیکھنے والوں کی پہلی قسم۔ دوسرے تمہیں دیکھ رہے ہیں، اور تم محض ایک فقیر ہو۔ یہ وہ صورتحال ہے جس میں لاکھوں لوگ زندگیاں گزار رہے ہیں۔ وہ دوسروں کے لیے زندہ ہوتے ہیں، اسی لیے وہ صرف زندہ لگتے ہیں، وہ حقیقت میں زندہ نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ دوسروں کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صرف تبھی خوش ہوتے ہیں جب دوسرے ان سے خوش ہوں۔ وہ مسلسل مفاہمت میں لگے رہتے ہیں، وہ اپنی روحیں بیچ رہے ہیں، صرف ایک سادہ سی وجہ سے — تاکہ ان کی انا مضبوط ہوسکے، تاکہ وہ مشہور ہوسکیں، مقبول ہوسکیں۔

کیا تم نے کبھی ایک انتہائی بیش قدر شے کا مشاہدہ کیا ہے؟ یہ کہ جب کبھی کوئی شاعر، کوئی ناول نگار، کوئی سائنس دان نوبل انعام حاصل کرتا ہے تو اس کے فوری بعد اس کی تخلیقیت کو زوال آجاتا ہے؟ ہوتا کیا ہے؟ ہوتا یہ ہے کہ اب تم انا کی منزلِ مراد (Goal) کو پاچکے ہو، اب کہیں نہیں جانا ہے، پس لوگوں سے مزید مطابقت کی ضرورت نہیں رہی۔ جب کوئی کتاب مشہور ہوتی ہے، مصنف مرجاتا ہے۔

خلیل جبران کی کتاب ''دی پروفٹ'' کے ساتھ یہی ہوا تھا، رابندر ناتھ کی ''گیتانجلی'' کے ساتھ یہی ہوا تھا۔ یہ تقریباً ایک قانون کا درجہ پاچکا ہے، استثنا نہیں ہے۔ جب تم مشہور ہوجاتے ہو، تم مفاہمت کرنا چھوڑ دیتے ہو۔ کس کے لیے؟ مشہور تو تم پہلے ہی ہوچکے ہو۔ جب تم مفاہمت کرنا چھوڑ دیتے ہو تب لوگ تمہیں نظرانداز کرنا شروع کردیتے ہیں۔

تمہاری ساری تخلیقیت کی جڑیں تو انا میں تھیں۔ اب انا سکون میں ہے۔ ساری تخلیقیت غائب ہو گئی ہے۔

یہ ہے وہ صورتحال جس میں ننانوے اعشاریہ نو فیصد لوگ زندہ ہیں۔ تم صرف ایک قسم کے دیکھنے والے کو جانتے ہو ــــ دوسرے کو۔ جبکہ دوسرا ہمیشہ اندیشگی (Anxiety) کو جنم دینے والا ہوتا ہے۔

ژاں پال سارتر درست کہتا ہے: ''دوسرا جہنم ہے!'' دوسرا تمہیں سکون میں نہیں رہنے دیتا۔ تم اپنے باتھ روم میں اتنا سکون کیوں محسوس کرتے ہو؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں دوسرا نہیں ہوتا ہے۔

لیکن اپنے باتھ روم میں سکون سے ہوتے ہوئے تمہیں اچانک پتا چلے کہ کوئی تمہیں کی ہول (Keyhole) سے دیکھ رہا ہے تو دفعتاً سارا سکون غارت ہو جاتا ہے، غائب ہو جاتا ہے۔ تم دوبارہ کشیدہ ہو جاتے ہو۔ تمہیں دیکھا جا رہا ہے نا!

لوگوں میں خوف پیدا کرنے کے لیے صدیوں سے پنڈت تمہیں کہہ رہے ہیں کہ بھگوان مستقلاً تمہیں دیکھ رہا ہے ــــ مستقلاً دیکھ رہا ہے، دن رات۔ تم سو بھی جاؤ تو وہ نہیں سوتا ہے۔ وہ تمہارے سرہانے بیٹھا تمہیں دیکھتا رہتا ہے۔ وہ نہ صرف تمہیں دیکھتا رہتا ہے بلکہ وہ تمہارے خوابوں کو اور تمہارے خیالوں کو بھی دیکھتا رہتا ہے۔ پس نہ صرف تمہیں تمہارے اعمال کی سزا دی جائے گی بلکہ تمہارے خوابوں، تمہارے خیالوں، تمہاری خواہشوں اور تمہارے احساسات کی بھی۔

پنڈتوں نے لوگوں میں بے پناہ خوف پیدا کر دیا ہے۔ ذرا مستقلاً دیکھنے والے بھگوان کا تصور تو کرو۔ ایک لمحہ بھی ایسا نہیں، صرف ایک لمحہ، کہ جب تم اپنے ہو سکو۔ یہ لوگوں کو اشیا میں بدل دینے کی زبردست چال تھی۔

ہم دوسروں کی توجہ کے لیے کیوں مرے جاتے ہیں؟ ــــ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کھوکھلے ہیں۔ ہم جیسے ہیں، ہم نہیں ہیں۔ ہم جیسے ہیں، ہم ہستی کے مرکز کے حامل نہیں ہیں۔ ہم محض شور ہیں، ہجوم ہیں، ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے نوکروں سے بھرا مکان، کیونکہ مالک موجود نہیں ہے یا گہری نیند سویا ہوا ہے۔ ہم دوسروں کی توجہ کے لیے اس واسطے مرے

جاتے ہیں تاکہ ہم کم از کم ایک جعلی مرکز بنا سکیں۔ اگر حقیقی مرکز نہیں ہے تو ہم کم از کم ایک جعلی مرکز پر انحصار کر سکتے ہیں۔ یہ تمہیں ساتھ (Togatherness) کا دھوکا تو دے گا، یہ تمہیں ایک شخص بنا دے گا۔ تم فرد نہیں ہو ــــ فردیت (Individuality) ایک حقیقی مرکزی ہستی کی خوشبو ہوتی ہے، اس کی جو یہ جانتا ہے کہ وہ کون ہے۔

لیکن اگر تم فرد نہیں ہو تو پھر کم از کم تم شخص تو ہو سکتے ہو، تم شخصیت تو حاصل کر سکتے ہو۔

اور شخصیت بھیک میں مانگنا پڑتی ہے۔ فردیت تمہاری داخلی نشوونما ہوتی ہے۔ یہ خود بخود جنم لیتی ہے، تمہیں اسے کسی سے مانگنا نہیں پڑتا ہے، اور کوئی شخص اسے تمہیں دے بھی نہیں سکتا۔ فردیت تمہاری کشادگی ہے۔ تاہم شخصیت بھیک میں مانگی جا سکتی ہے، لوگ اسے تمہیں دے سکتے ہیں ــــ درحقیقت صرف دوسرے لوگ ہی اسے تمہیں دیتے ہیں۔

اگر تم جنگل میں تنہا ہو گے تو تم کسی شخصیت کے حامل نہیں ہو گے۔ یاد رکھو تم فردیت کے حامل تو ہو گے لیکن شخصیت کے بہرحال نہیں۔ اگر تم ہمالیہ میں تنہا ہو، تو کون ہو تم ــــ ایک سادھو یا ایک پاپی؟ وہاں نہ تو کوئی تمہاری تعریف کرنے والا ہے اور نہ تحقیر، وہاں کوئی نہیں جو تمہیں مشہور یا بدنام کرے، وہاں تمہارے سوا کوئی نہیں ہے۔ اپنی کامل تنہائی میں، کون ہوتے ہو تم؟ پاپی یا سادھو؟ بہت مشہور شخص، وی وی آئی پی یا محض لاشخص (No Body)؟

تم کچھ بھی نہیں ہوتے۔ نہ تو تم بہت اہم شخص ہوتے ہو، نہ لاشخص۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کے لیے دوسرا لازمی ہے۔ تمہاری شخصیت کی عکاسی کرنے کے لیے دوسروں کی آنکھیں ضروری ہوتی ہیں۔ تم نہ یہ ہوتے ہو، نہ وہ۔ تم ہو، لیکن تم اپنی حقیقت میں ہو، تمہیں دوسرے نے نہیں گھڑا ہے۔ تم ویسے ہوتے ہو جیسے تم ہو، اپنی کامل برہنگی میں، مصدقہ پن میں۔

اسی لیے بہت سے لوگ دانش مندی اسی میں سمجھتے ہیں کہ معاشرے سے فرار ہو جائیں۔ درحقیقت یہ معاشرے سے فرار نہیں ہوتا، یہ معاشرے کے خلاف نہیں ہوتا، یہ تو محض شخصیت کو ترک کرنے کی ایک کوشش ہوتی ہے۔

گوتم بدھ نے اپنا محل چھوڑ دیا تھا۔ وہ بزدل نہیں تھا، وہ فرار پسند نہیں تھا۔ تو پھر اس

نے محل کیوں چھوڑا تھا؟ رابندر ناتھ نے اس حوالے سے ایک بڑی خوبصورت نظم لکھی ہے۔ اس نے محل چھوڑ دیا، وہ بارہ سال جنگلوں میں پھرتا رہا، تپسیا اور مراقبہ کرتا رہا۔ آخر حتمی مسرت کا دن آ گیا، اس نے گیان پا لیا۔ فطری طور پر اسے سب سے پہلے جو بات یاد آئی یہ تھی کہ اسے محل واپس جا کر یہ خوشخبری اس عورت کو سنانی چاہیے، جس سے وہ محبت کرتا تھا، اس بچے کو جسے وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا، اس بوڑھے باپ کو جو اب بھی اس کا منتظر تھا کہ وہ گھر لوٹ آئے گا۔

یہ بڑی انسانی بات ہے، یہ دل کو چھو لیتی ہے۔ بارہ سال بعد وہ واپس گیا۔ اس کا باپ اس پر ناراض ہوا، جیسا کہ باپ ہوا کرتے ہیں۔ اس کا باپ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ کون ہے، نہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ کیا بن چکا ہے، اس کی فردیت کو نہیں دیکھ سکتا تھا، جو کہ نہایت واضح تھی۔ ساری دنیا اس سے آگاہ ہو رہی تھی، لیکن اس کا باپ اسے نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ وہ اب بھی اس کے حوالے سے شخصیت کے معنوں میں سوچ رہا تھا، جو کہ اب نہیں رہی تھی، جسے اس نے اسی دن ترک کر دیا تھا جس دن محل چھوڑا تھا۔

درحقیقت بدھ نے محل اپنی شخصیت ترک کرنے کے لیے چھوڑا تھا۔ وہ اپنے آپ کو جیسا وہ تھا ویسے جاننا چاہتا تھا، نہ کہ جیسے دوسرے اس کے حوالے سے سوچتے تھے۔ تاہم اس کا باپ بارہ سال پرانی آنکھوں سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے بدھ سے پھر کہا: ''میں تمہارا باپ ہوں، میں تم سے محبت کرتا ہوں ___ اس کے باوجود کہ تم نے مجھے گہرا صدمہ پہنچایا ہے، بہت دکھ دیا ہے۔ میں بوڑھا ہوں۔ یہ بارہ برس میرے لیے مسلسل اذیت تھے۔ تم میرے اکلوتے بیٹے ہو، میں صرف تمہاری واپسی کی آس میں زندہ رہا ہوں۔ اب تم واپس آ گئے ہو، لو سلطنت سنبھالو، بادشاہ بنو! اب مجھے آرام کرنے دو، اب میرے آرام کرنے کا وقت ہے۔ تم نے میرے حوالے سے پاپ کیا ہے، تم نے مجھے مار ہی ڈالا تھا، لیکن میں تمہیں معاف کرتا ہوں، میرے دروازے اب بھی کھلے ہیں۔''

بدھ ہنس پڑا۔ اس نے کہا: ''جناب! ذرا یہ تو جان لیں کہ میں کون ہوں؟ جس شخص نے محل چھوڑا تھا، وہ نہیں رہا ہے، وہ بہت پہلے مر چکا ہے۔ میں تو کوئی اور ہوں ___ مجھے غور سے دیکھیے!''

اس پر باپ کو زیادہ غصہ آ گیا۔ اس نے کہا: ''کیا تم مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو؟ میں نہیں جانتا تمہیں؟ میں تو تمہیں تم سے بھی زیادہ جانتا ہوں! میں تمہارا باپ ہوں، میں نے تمہیں جنم دیا ہے، تمہاری رگوں میں میرا خون گردش کر رہا ہے ___ اور میں تمہیں نہیں جانتا؟''

بدھ نے کہا: ''میری التجا ہے، جناب! بلاشبہ آپ نے مجھے جنم دیا ہے۔ میں آپ کے وسیلے آیا ہوں، یہ سچ ہے، لیکن آپ صرف وسیلہ تھے۔ اگر کوئی شخص گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گھوڑا سوار کو جانتا ہے۔ میں آپ کے جسم کے دروازوں سے تو گزرا ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ مجھے جانتے ہیں۔ درحقیقت بارہ سال پہلے تو میں بھی نہیں جانتا تھا کہ میں کون ہوں۔ ہاں، اب میں جانتا ہوں! میری آنکھوں میں دیکھیے۔ ماضی کو بھلا دیجیے ___ لمحۂ موجود میں ہوئیے!''

تاہم باپ ایسا کرنے سے قاصر تھا۔ وہ اپنی بوڑھی آنکھوں، غصے اور خوشی کے ملے جلے آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا تھا کہ بدھ کے ساتھ کیا بیت چکی ہے۔ ''یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم، وہ مر کر دوبارہ پیدا ہوا ہے؟ وہ ایک بالکل مختلف فردیت ہے؟ وہ شخصیت نہیں رہا؟ وہ فردیت ہے؟ کیا مطلب ہے اس ساری بکواس کا؟''

ڈکشنریوں میں ''شخصیت'' (Personality) اور فردیت (Individuality) ہم معنی ہیں۔ تاہم زندگی میں وہ ہم معنی نہیں ہیں۔ شخصیت جھوٹ ہے، دکھاوا ہے۔ فردیت تمہاری سچائی ہے۔

ہم کیوں چاہتے ہیں کہ بہت سے لوگ ہمیں توجہ دیں؟ ہم اس کے لیے مرے کیوں جاتے ہیں؟ اس کا جواب ہے: شخصیت کو تشکیل دینے کے لیے۔ تم جتنا شخصیت کو اپنے گرد تشکیل دیتے ہو، اتنا ہی تمہارا اپنی فردیت کو جاننے کا امکان کم ہو جاتا ہے۔

جب بدھ اپنی بیوی سے ملنے گیا تو وہ اس کے باپ سے بھی زیادہ غصے میں تھی۔ اس نے کہا: ''میں آپ سے صرف ایک سوال پوچھوں گی۔ میں نے بارہ سال آپ کا انتظار کیا ہے لیکن میں آپ سے صرف ایک سوال پوچھوں گی، دیانتداری سے جواب دیجیے۔'' وہ اب بھی سوچ رہی تھی کہ بدھ بددیانتی کر سکتا ہے! ''دیانتدار بنو، سچے بنو اور مجھے صرف ایک بات بتاؤ۔ تم نے جنگل میں جو کچھ پایا ہے، کیا اسے یہاں محل میں نہیں پایا جا سکتا تھا؟ کیا بھگوان

صرف جنگل میں ہے، کیا وہ بازار میں نہیں ہے؟''

اس کا سوال بے حد اہم تھا۔

بدھ نے کہا:

''ہاں، سچ جتنا وہاں ہے، اتنا ہی یہاں بھی ہے۔ تاہم اسے یہاں جاننا میرے لیے بہت مشکل ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں شخصیت میں کھو گیا تھا__ شہزادے کی شخصیت، خاوند کی شخصیت، باپ کی شخصیت، بیٹے کی شخصیت۔ شخصیت بہت حاوی ہو گئی تھی۔ حقیقت میں مَیں نے محل نہیں چھوڑا تھا، میں نے تو صرف شخصیت کو چھوڑا تھا تا کہ مجھے کوئی یاد نہ دلائے کہ میں کون ہوں، اور میں خود اس سوال کا جواب دے سکوں کہ ''میں کون ہوں؟'' میں اپنا سامنا کرنا چاہتا تھا۔ مجھے دوسروں کے ''جوابوں'' سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

تاہم ہر کوئی دوسروں کے جوابوں میں دلچسپی رکھتا ہے۔ جب کوئی کہے کہ ''تم بہت خوبصورت ہو'' تو تمہیں کتنا اچھا لگتا ہے!

شخصیت تو ایک شوپیس ہے۔ یہ دوسروں کو دھوکا دے سکتی ہے لیکن یہ تمہیں دھوکا نہیں دے سکتی، کم از کم زیادہ عرصے تک نہیں۔

اور جس روز تم اپنی فردیت سے لطف اندوز ہو سکو، اس دن تم آزاد ہوتے ہو__ دوسروں پر انحصار سے آزاد۔ اگر تم دوسروں کی توجہ مانگو گے تو تمہیں اس کے بدلے میں لازماً کچھ نہ کچھ دینا پڑے گا۔ یہ غلامی ہوتی ہے۔

تم جتنا زیادہ لوگوں سے اپنے لیے توجہ مانگتے ہو اتنا ہی تم ایک چیز بن جاتے ہو، جسے بیچا اور خریدا جا سکتا ہے۔ ساری عوامی شخصیات کے ساتھ یہی تو ہوتا ہے__ سیاست دانوں، شوبز کے لوگوں کے ساتھ۔

یہ دیکھنے کی ایک قسم ہے۔ تم چاہتے ہو کہ تمہیں دیکھا جائے۔ یہ تمہیں عزت دیتا ہے، اور معزز بننے کے لیے تمہیں کردار اور اخلاق کو پیدا کرنا پڑتا ہے۔ تاہم وہ سارا کردار اور وہ سارا اخلاق محض منافقت ہوتی ہے۔ تم اسے ایک غرض سے پیدا کرتے ہو، اس لیے پیدا کرتے ہو کہ دوسرے تمہیں توجہ دیں۔

اگر تم عزت چاہتے ہو تو تمہیں ہاں میں ہاں ملانے والا (کنفرمسٹ) بننا ہو گا،

تمہیں معاشرے اور اس کے تقاضوں کا فرمانبردار بننا ہو گا۔ تمہیں غلط اقدار کے تحت جینا ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرہ ان لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جو گہری نیند سوئے ہوتے ہیں__ ان کی اقدار درست اقدار نہیں ہو سکتیں۔

ہاں، ایک بات ہے: تم سادھو بن سکتے ہو۔ تمہارے ہزاروں سادھو ایسے ہی تو ہیں۔ انہوں نے عزت کی قربان گاہ پر سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اذیتیں دی ہیں، وہ خودکشی کرتے رہے ہیں، البتہ انہوں نے ایک شے حاصل کر لی ہے۔ وہ سادھو بن چکے ہیں، لوگ ان کی پوجا کرتے ہیں۔

اگر تم اس قسم کی پوجا اور عزت چاہو گے، ایسے سادھو بننا چاہو گے تو تم بہت زیادہ جھوٹے بن جاؤ گے، بہت زیادہ جعلی بن جاؤ گے، بہت زیادہ مصنوعی (Plastic) بن جاؤ گے۔ تم کبھی حقیقی گلاب نہیں ہو گے۔

اور انسان کے ساتھ ہونے والا یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ وہ حقیقی نہیں پلاسٹک کا گلاب بن جائے۔

دیکھنے کی دوسری قسم بالکل مختلف ہے، قطبی تضاد ہے دونوں میں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ تم دوسروں کی توجہ کے لیے مرے جاتے ہو، اس کے برعکس تم خود اپنے آپ کو توجہ دینا شروع کر دیتے ہو۔ تم خود اپنی ہستی کا مشاہدہ کرنے والے بن جاتے ہو۔ تم اپنے خیالات کو، خواہشوں کو، خوابوں کو، محرکات کو، لالچوں کو اور حسد کو دیکھنا شروع کر دیتے ہو۔ تم اپنے اندر ایک نئی قسم کی آگہی کو تخلیق کرتے ہو۔ تم ایک مرکز بن جاتے ہو، ایک خاموش مرکز، جو وقوع پذیر ہونے والی ہر شے کو دیکھتا رہتا ہے۔

تمہیں غصہ آتا ہے، تمہیں اسے دیکھتے ہو۔ تم صرف غصے میں نہیں ہوتے۔ اب اس میں ایک نیا عنصر بھی متعارف ہو گیا ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ تم اسے دیکھ رہے ہوتے ہو۔

اور معجزہ یہ ہے کہ تم غصے کو دیکھ سکتے ہو۔ غصے کو دبانے کی ضرورت نہیں پڑتی، وہ غائب ہو جاتا ہے۔

پہلی قسم کے سادھو کو اسے دبانے کی کوشش کرنا ہو گی۔ اسے اپنی جنس کو دبانا ہو گا، اسے اپنے لالچ کو دبانا ہو گا۔

اور جتنا زیادہ تم کسی شے کو دباتے ہو، اتنا زیادہ گہری وہ تمہارے لاشعور میں اتر جاتی ہے۔ وہ تمہارے تہہ خانے میں چلی جاتی ہے اور وہاں سے تمہاری زندگی پر اثر ڈالنا شروع کر دیتی ہے۔

وہ ایسے زخم جیسی ہوتی ہے جس سے پیپ رِس رہی ہو لیکن جسے تم نے ڈھانپ دیا ہوا ہو۔ صرف اسے ڈھانپنے سے تم صحت یاب نہیں ہو سکتے۔ اس طرح وہ ٹھیک نہیں ہو گا۔ درحقیقت اسے ڈھانپ کر تم اسے زیادہ بڑھا رہے ہوتے ہو۔ ان سے ہر طرح کی دبائی ہوئی چیزوں کی بدبو آتی ہے۔

دوسری قسم کا دیکھنا ایک بالکل مختلف قسم کے شخص کو تخلیق کرتا ہے۔ وہ دانا انسان کو تخلیق کرتا ہے۔ دانا انسان وہ ہوتا ہے، جو خود یہ جانتا ہے کہ وہ کون ہے، دوسروں کے مطابق نہیں۔ دانا انسان وہ ہوتا ہے جو اپنی فطرت کے مطابق زندگی گزارتا ہے، دوسروں کی اقدار کے مطابق نہیں۔ وہ اپنے وژن کا مالک ہوتا ہے اور اُسے جینے کی جرأت بھی رکھتا ہے۔

دانا انسان باغی ہوتا ہے۔ سادھو فرماں بردار ہوتا ہے، آرتھوڈوکس ہوتا ہے، روایتی ہوتا ہے، روایت پرست ہوتا ہے، ہاں میں ہاں ملانے والا ___ کنفرمسٹ ___ ہوتا ہے۔ دانا انسان ہاں میں ہاں ملانے والا ___ کنفرمسٹ ___ نہیں ہوتا۔ وہ غیر روایتی ہوتا ہے، روایت شکن ہوتا ہے، باغی ہوتا ہے۔

بغاوت عین اس کی ہستی کا ذائقہ ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کا محتاج (Dependent) نہیں ہوتا۔ وہ جانتا ہے کہ آزادی کیا ہوتی ہے، اور وہ آزادی کی مسرت سے، آزادی کی خوشی سے آگاہ ہوتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ ایک بہت بڑا ہجوم سادھو کے پیچھے پیچھے ہو۔ تاہم دانا انسان کے ساتھ صرف منتخب لوگ ہوتے ہیں، جو کہ اسے سمجھنے کے اہل ہوتے ہیں۔

عام لوگ دانا انسان کو سمجھنے میں غلطی کریں گے جبکہ سادھو کی پوجا کی جائے گی۔ عام لوگ دانا انسان کو برا بھلا کہیں گے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ یسوع کو صلیب پر چڑھا دیا گیا تھا، جبکہ پوپ کی پرستش کی جاتی ہے۔ یسوع ایک دانا انسان تھے جبکہ پوپ ویسا ہی ہے جیسا کہ سادھو ہوتے ہیں۔

سادھو کردار کا حامل ہوتا ہے، دانا انسان شعور کا۔ فرق بڑا حیرتناک ہے۔ وہ اتنے ہی مختلف ہیں جتنے کہ زمین اور آسمان۔ کردار کو مستقبل کے مقاصد پورے کرنے کے لیے تھوپا گیا ہوتا ہے ___ دنیا میں عزت حاصل کرنے کے اور سوَرگ میں زیادہ سے زیادہ لذتیں حاصل کرنے کے لیے۔

شعور کسی مستقبل کا حامل نہیں ہوتا۔ کسی مقصد کا حامل نہیں ہوتا۔ وہ خود اپنے لیے مسرت ہوتا ہے۔ وہ کسی مقصد کے حصول کا وسیلہ نہیں ہوتا۔ وہ خود اپنا مقصد ہوتا ہے۔

کسی سادھو کے ساتھ ہونا، ایک جعل ساز کے ساتھ، ایک نقال کے ساتھ ہونا ہے۔ کسی دانا انسان کے ساتھ ہونا، ایک سچے اور مصدقہ انسان کے ساتھ ہونا ہے۔ کسی سادھو کے ساتھ ہونا، زیادہ سے زیادہ ایک استاد (Teacher) کے ساتھ ہونا ہے۔ کسی دانا انسان کے ساتھ ہونا، ایک گرو (Master) کے ساتھ ہونا ہے۔

یہ ہوتے ہیں دو دیکھنے والے۔

اتیشا کہتا ہے: ''دو دیکھنے والوں کے اصول کو سمجھو۔''

پہلے سے گریز کرو اور دوسرے میں جذب ہو جاؤ، ڈوب جاؤ۔

اس سوترا کا ایک اور مفہوم بھی ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے، پہلے ذہن کی اشیا کا مشاہدہ کرو۔ یہ مفہوم پہلے والے مفہوم سے اعلیٰ تر ہے۔ ذہن کی اشیا کا مشاہدہ کرو۔

پتانجلی اسے ''دھیان'' (Meditation) کہتا ہے۔ اسی لفظ سے زین اور چان بنائے گئے ہیں۔ ذہن کی اشیا کا، ذہن کے مواد کا مشاہدہ کرو۔ تمہارے سامنے سے جو گزرتا ہے، اسے دیکھو، بغیر ناپے تولے (Without Evaluating)، بغیر کوئی فیصلہ دیے، بغیر مذمت کیے۔ اس کے حق میں یا مخالفت میں نہ ہوؤ، صرف مشاہدہ کرو۔ یوں دھیان، مراقبہ تخلیق پا جاتا ہے۔

دوسرا مفہوم ہے: خود دیکھنے والے کو دیکھو ___ یوں سمادھی تخلیق پا جاتی ہے، ساتوری تخلیق پا جاتی ہے، حتمی مسرت تخلیق پا جاتی ہے۔ پہلا دوسرے کی طرف لے جاتا ہے۔ اپنے خیالات کو دیکھنا شروع کرو لیکن وہیں مت ٹھہر جاؤ۔ جب خیالات غائب ہونے لگیں تو یہ مت سوچو کہ تم پہنچ چکے ہو۔ ابھی ایک اور کام کرنا ہے، ابھی ایک اور مرحلے سے گزرنا ہے۔ اب

دیکھنے والے کو دیکھو۔ اب صرف مشاہدہ کرنے والے کا مشاہدہ کرو۔ کچھ بھی نہیں رہا، صرف تم ہو۔ پھر دفعتاً آگہی سے آگاہ ہو جاؤ، اور یوں دھیان سمادھی میں تبدیل ہو جائے گا۔ ذہن کو دیکھنے سے ذہن غائب ہو جاتا ہے۔ دیکھنے والے کو دیکھنے سے دیکھنے والا وسعت پا جاتا ہے اور کائنات بن جاتا ہے۔

پہلا مرحلہ منفی ہے، ذہن سے چھٹکارا پانے کا۔ دوسرا مرحلہ مثبت ہے، حتمی شعور میں جڑیں اتارنے کا۔ تم اس حتمی شعور کو بھگوان کہہ لو یا نروان، جو تم چاہو۔



خوشی کے حاشیے والا ذہن

اتیشا کہتا ہے: ہمیشہ خوشی کے حاشیے (Frame) والے ذہن پر بھروسہ کرو۔

اگر تم ناخوش ہو، تو اس کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ تم نے ناخوش رہنے کے حربے ہی سیکھے ہیں، اور کچھ بھی نہیں۔ ناخوشی کا انحصار تمہارے ذہن کے زاویے پر ہے۔ ایسے لوگ ہیں جو کہ ہر صورتحال میں ناخوش رہتے ہیں۔ ان کے ذہن کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے جو کہ ہر شے کو ناخوشی میں بدل دیتی ہے۔ اگر تم انہیں گلاب کے پھول کی خوبصورتی کے بارے میں بتاؤ گے تو وہ فوراً کانٹوں کو شمار کرنے لگیں گے۔ اگر تمہیں انہیں کہو گے: ''کتنی خوبصورت صبح ہے، کتنا خوبصورت دھوپ بھرا دن ہے!'' تو وہ تمہیں یوں دیکھیں گے جیسے انہیں تمہاری بات پر حیرت ہو رہی ہو۔ وہ کہیں گے: ''تو پھر کیا ہوا!! دو اندھیری راتوں کے درمیان ایک دن! محض دو اندھیری راتوں کے درمیان ایک دن ہی تو ہے، تو پھر کون سی بڑی بات ہے؟ تم اتنے سحرزدہ کیوں دکھائی دے رہے ہو؟''

اسی بات کو ایک مثبت زاویے سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ تب دفعتاً ہر رات دو دنوں کے درمیان ہو گی۔ تب دفعتاً معجزہ ہو گا کہ اتنے بہت سارے کانٹوں کے درمیان ایک گلاب، ایک نرم و نازک پھول کا کھلنا ممکن ہو گا۔

ہر شے ویسی ہی ہوتی ہے۔ سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ تمہارے ذہن کا حاشیہ کیسا ہے؟ لاکھوں لوگوں کے ذہنوں پر کانٹا (Cross) لگا ہوتا ہے، انہوں نے صلیبیں اٹھائی ہوتی ہیں۔ اسی لیے وہ بوجھ تلے دبے ہوتے ہیں۔ وہ زندگی کو گھسیٹ رہے ہوتے ہیں۔ ان کے ذہن کا حاشیہ ایسا ہوتا ہے کہ ان کا ذہن فوراً منفی چیزوں پر مرکوز ہو جاتا ہے۔ وہ منفی کو بڑا کر کے دکھاتا ہے، وہ زندگی کی طرف مایوسانہ رسائی رکھتے ہیں۔ وہ سوچتے رہتے ہیں: ''ہم کیا کر سکتے ہیں؟ دنیا تو ہے ہی ایسی۔''

نہیں، دنیا ایسی نہیں ہے! دنیا تو مطلق طور پر نہ ایسی ہے، نہ ویسی۔ یہ کانٹوں کی حامل ہے، یہ گلابوں کی حامل ہے، یہ راتوں کی حامل ہے، یہ دنوں کی حامل ہے۔ دنیا سراسر نیوٹرل ہے، متوازی ہے، یہ سبھی کچھ رکھتی ہے۔ اب یہ تم پر ہے کہ تم کیا چنتے ہو۔ اگر تم نے صرف غلط کو چننے کا فیصلہ کیا ہوگا تو پھر تم غلط قسم کی دنیا میں جیو گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم اپنی چنی ہوئی دنیا ہی میں جیتے ہو۔

لوگ اسی طرح تو ایک ہی دنیا میں نرک اور سورگ بناتے ہیں۔ یہ بات نہایت ناقابلِ یقین لگتی ہے کہ بدھ انہی لوگوں میں، اسی دنیا میں جیتا تھا۔ اور وہ سورگ میں جیتا تھا۔ اور تم اسی دنیا میں، اُسی قسم کے لوگوں میں جی رہے ہو، اور تم نرک میں جی رہے ہو۔

دو طرح کے امکانات ہیں۔ سیاسی ذہن کہتا ہے: ''دنیا کو بدل دو۔'' مذہبی ذہن کہتا ہے: ''ذہن کے حاشئے کو بدل دو۔''

مذہب اور سیاست میں قطعی فرق ہے۔ مذہب اور سائنس کے ملاپ کا تو کسی روز امکان ہے۔ جلد یا بدیر سائنس اور مذہب کو لازماً ایک ہونا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا طریقہ، ان کا راستہ ایک ہی ہے۔ ہوسکتا ہے سمت مختلف ہو___ سائنس خارج میں تلاش کر رہی ہے، جبکہ مذہب داخل میں کھوج رہا ہے۔ تاہم تلاش، تلاش کی کیفیت، ایک ہی ہے۔ تلاش کا جذبہ ایک ہی ہے۔

تاہم مجھے نظر نہیں آتا کہ سیاست اور مذہب کبھی مل سکیں۔ سیاست ہمیشہ سے سوچتی ہے کہ دنیا غلط ہے، معاشرے کو بدل دو، معاشی نظام کو بدل دو___ اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے

گا۔ جبکہ مذہب کہتا ہے دنیا ہمیشہ ایسی رہی ہے اور ہمیشہ ایسی ہی رہے گی۔ تم صرف ایک شے کو بدل سکتے ہو___ اور وہ ہے تمہارے ذہن کا زاویہ، تمہارے ذہن کا مقام۔

اتیشا کہتا ہے: ''ہمیشہ خوشی کے حاشئے والے ذہن پر بھروسہ کرو۔''

اسے اپنی زندگی کا ایک بنیادی اصول بنا لو۔ اگر تمہیں کبھی کسی منفی سے بھی واسطہ پڑ جائے تو تم اس میں کچھ مثبت ڈھونڈ لو۔ تم ہمیشہ کچھ نہ کچھ مثبت ڈھونڈنے کے اہل ہو گے۔ اور جس دن تم منفی میں مثبت ڈھونڈنے میں ماہر ہو گئے، تم خوشی سے ناچنے لگو گے۔

آزماؤ تو سہی، زندگی کے نئے وژن کو آزماؤ تو سہی۔ امید کے ساتھ سوچو، مایوسی پرست مت بنو۔ مایوسی پرست اپنے اردگرد نرک پیدا کر لیتا ہے اور اسی میں جیتا ہے___ تم اسی دنیا میں جیتے ہو، جسے تم بناتے ہو۔

یاد رکھو! دنیا صرف ایک نہیں ہے، دنیا میں جتنے ذہن ہیں، اتنی ہی دُنیائیں ہیں۔ میں اپنی دنیا میں جیتا ہوں، تم اپنی دنیا میں جیتے ہو۔ یہ نہ صرف ایک دوسری سے مختلف ہیں بلکہ کبھی ایک دوسرے کی جگہ نہیں لیتیں۔ یہ بالکل مختلف ہوتی ہیں، یہ مختلف میدانوں میں موجود ہوتی ہیں۔

اتیشا اسے اپنے چیلوں کا ایک بنیادی اصول قرار دیتا ہے کہ خوشی کے حاشئے والے ذہن میں جیو۔ تب تم ہر موقعے کو ارتقا کے چیلنج میں ڈھال لیتے ہو۔ مثال کے طور پر کوئی تمہاری بے عزتی کرتا ہے۔ یہ واضح ہے کہ تمہاری بے عزتی کی جا چکی ہے۔ اب تم خوشی کے حاشئے والے ذہن میں جینے کے اصول پر کیسے عمل کر سکتے ہو؟

ہاں، ایسا ہوسکتا ہے۔ کسی بدھ کی بے عزتی کرو، تمہیں پتا چل جائے گا۔

ایک بار گوتم بدھ کی بے عزتی کی گئی تھی۔ وہ ایک بستی سے گزر رہا تھا۔ بستی والے اس کے سخت مخالف تھے۔ ان کے لیے اس کی تعلیمات کو سمجھنا ناممکن تھا۔ بدھاؤں سے موازنہ کیا جائے تو ساری دنیا ہمیشہ بہت غیر تہذیب یافتہ ہوتی ہے، جنگلی (Primitive) ہوتی ہے، غیر ترقی یافتہ ہوتی ہے، نہایت احمق ہوتی ہے۔ پس بستی والوں نے اکٹھا ہو کر گوتم بدھ کی بڑی بے عزتی کی۔

بدھ خاموشی سے سنتا رہا اور پھر بولا: ''اگر تم نے اپنا کام کرلیا ہو تو مجھے اجازت دو، مجھے اگلی بستی پہنچنا ہے۔ اس بستی والے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اگر تمہارا کام ختم نہیں ہوا تو میں کل صبح آجاؤں گا، تم کل دوبارہ یہی کام کر لینا۔''

ہجوم میں سے ایک شخص بولا: ''کیا تم نے ہماری باتیں نہیں سنیں؟ ہم تو تمہاری بے عزتی کر رہے تھے، تمہیں گالیاں دے رہے تھے۔ ہم نے ہر طرح کے گندے لفظ استعمال کیے ہیں۔ ہم نے کوئی گندا لفظ، کوئی گالی نہیں چھوڑی۔''

بدھ ہنسنے لگا۔ اس نے کہا: ''تم ذرا دیر سے آئے ہو ــــ تمہیں دس سال پہلے آنا چاہیے تھا۔ تب میں بھی اسی ذہن کے حاشئے میں تھا جس میں تم ہو۔ تب میں نے جواب ضرور دیا ہوتا، اور خوب جواب دیا ہوتا۔ تاہم اب یہ میرے لیے صرف ہمدرد بننے کا، مراقباتی بننے کا ایک موقعہ ہے۔ میں تو تمہارا شکرگزار ہوں کہ تم نے مجھے یہ موقعہ فراہم کیا۔ یہ تو صرف ایک آزمائش ہے ــــ اس بات کی آزمائش کہ کہیں میرے لاشعور میں کوئی منفی شے تو نہیں چھپی ہوئی۔

''اور میرے دوستو! تمہیں یہ بتاتے ہوئے مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ میرے ذہن سے منفی کا ایک سایہ بھی نہیں گزرا ہے۔ میں مکمل طور پر مسرت سے معمور رہا ہوں، تم کسی طور مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکے ہو۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ تم نے مجھے یہ عظیم موقعہ دیا۔ تم جیسے مہربان لوگ بہت ہی کم ہوتے ہیں۔''

انسان کو صورتحال کو اس طرح استعمال کرنا چاہیے۔ ایک سنیاسی کو اس طرح منفی مواقع کو اپنی داخلی نشوونما کے لیے استعمال کرنا چاہیے، داخلی فہم کے لیے، داخلی مراقبہ پن کے لیے، محبت کے لیے، ہمدردی کے استعمال کرنا چاہیے۔

اور اگر ایک بار تم نے ذہن کا یہ خوشی والا حاشیہ پا لیا، زندگی کے اس مثبت وژن کو پا لیا تو تم حیران رہ جاؤ گے کیونکہ تمہارا سارا وجود ایک بالکل مختلف انداز سے کام کرنا شروع کر دے گا۔ یہ تمہاری ماں بن جائے گا، یہ تمہاری ہر ممکن انداز میں مدد کرنا شروع کر دے گا۔ یہ ایک عظیم دوست بن جائے گا۔

اور اسے جاننا بھگوان کو جاننا ہے۔ یہ جاننا کہ ہستی تمہاری ماں بن چکی ہے، بھگوان

کو جاننا ہے۔ بھگوان اس احساس کے سوا کچھ نہیں کہ ہستی تم سے محبت کرتی ہے، تمہاری حفاظت کرتی ہے، تمہیں سہارا دیتی ہے اور تم پر بے شمار رحمتیں نچھاور کرتی ہیں، تم پر مہربان ہے، یہ احساس کہ تم الگ نہیں ہو، بیگانہ نہیں ہو، کہ تم اجنبی نہیں ہو، کہ یہ تمہارا گھر ہے۔

یہ احساس کہ ''ہستی میرا گھر ہے۔'' یہی احساس بھگوان کو جاننا ہے۔



ذہن کا بھٹکنا

ہاں، ایسا ہوتا ہے کہ بعض اوقات تمہارا ذہن بھٹک جاتا ہے، ایسا ہوتا ہے منفی تمہیں نیچے گھسیٹ لیتا ہے، پرانی عادت تم پر حاوی ہو جاتی ہے۔ اس سے پہلے کہ تمہیں پتا چلے، ایسا ہو چکا ہوتا ہے۔ تم بہت دکھی ہوتے ہو۔ سایہ تم پر پڑ چکا ہوتا ہے، دھوپ سے روشن چوٹی کھو گئی ہوتی ہے۔ تم اندھیری کھائی میں گر چکے ہوتے ہو۔

تب ایسے لمحوں میں کیا کیا جائے؟

اتیشا کہتا ہے: ''اگر تمہارا ذہن بھٹک بھی گیا ہو تو بھٹکنے دو۔ یہ بھی ذہن کی تربیت ہے۔''

''تو بھٹکنے دو'' سے اس کی کیا مراد ہے؟ یہ بہت اہم بات ہے۔ اگر تم اپنی عدم توجہ پر توجہ دے سکو، اگر تم آگاہ ہو سکو کہ تم منفی کے دام میں پھنس چکے ہو، تو یہ بھی مراقبہ ہو گا، تو یہ بھی ذہن کی تربیت ہو گی، تم اب بھی نشوونما پا رہے ہو گے۔

ہاں، تم بہت بار گرو گے، یہ فطری بات ہے۔ تم بہت بار بھول جاؤ گے، یہ فطری بات ہے۔

اور تم بہت بار دام میں پھنسو گے، اور تمہیں یاد رکھنے میں وقت لگے گا۔

تاہم جس لمحے تم نے یاد کر لیا تو مکمل طور پر یاد کر لو گے۔ پوری طرح جاگو اور کہو:

''میں گر گیا ہوں۔''

اور فرق دیکھو۔ اگر تم کسی عام آدمی سے کہو گے تو وہ کہے گا ''اپنے آپ کو سزا دو۔''

لیکن اتیشا کہتا ہے: اگر تم تمہاری توجہ بھٹک گئی ہے تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ اپنی بے توجہی پر توجہ دو، آگاہ ہوؤ کہ تم آگاہ نہیں تھے، بس یہی بہت ہے۔ کسی شرمندگی، کسی ندامت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مت سوچو کہ تم سے غلطی سرزد ہو گئی ہے، تم خطا کار ہو۔ یہ تو فطری ہے، یہ تو انسانی ہے۔ بہت بار گرنا ایسا نہیں ہے کہ تم اپنے آپ کو خطا کار محسوس کرو۔ غلطیاں کرنا، بھٹک جانا، ہماری انسانی کمزوری اور حدود کا حصہ ہے۔ لہٰذا نادم ہونے، پچھتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ندامت گندی ہوتی ہے۔ یہ اپنے زخموں سے کھیلنے کے مترادف ہے، اپنے زخم کریدنے کے مترادف ہے۔ یہ غیر ضروری ہے، اور نہ صرف غیر ضروری بلکہ نقصان دہ ہے — اس سے ممکن ہے کہ زخم بگڑ جائے۔ زخم کریدنے سے زخم ٹھیک تو نہیں ہو جاتا نا!

اگر تم گر چکے ہو تو صرف یہ جانو کہ تم گر چکے ہو، کوئی خطا کا احساس نہ ہو، کوئی پچھتاوا نہ ہو۔ اعتراف کرنے کے لیے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط اسے جاننا ہی کافی ہے۔

اور اسے جاننے سے تم اپنی آگاہی کو نشوونما میں مدد دے رہے ہوتے ہو۔ تم کم سے کم گرو گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جانکاری تم میں زیادہ مضبوط ہوتی جاتی ہے۔



تین باتوں کی پابندی کرو

اتیشا کہتا ہے: ''ہمیشہ تین عمومی باتوں کی پابندی کرو۔''

وہ تین عمومی باتیں کیا ہیں؟

پہلی بات ہے: مراقبے کی باقاعدگی۔ یاد رکھو! مراقبے کو تخلیق کرنا بہت مشکل ہے۔ اسے کھونا بہت آسان ہے۔ کسی بھی اونچی جگہ پر چڑھنا بہت مشقت طلب ہوتا ہے تاہم اونچائی لمحہ بھر میں کھو جاتی ہے۔ اس سے رابطہ ٹوٹنا بہت آسان ہوتا ہے۔

یہ گلاب کے کھلنے جیسا ہے ___ ذرا سی تیز ہوا چلی اور گلاب بکھر گیا اور پتیاں ادھر ادھر گر گئیں یا کوئی جانور باغ میں گھسا اور گلاب کو کھا گیا۔ اسے کھونا بہت آسان ہے، اور اسے تخلیق کرنا ایک بہت لمبا سفر ہے۔

اور جب بھی اعلیٰ اور پست کے مابین تنازعہ ہوتا ہے، پست آسانی سے جیت جاتا ہے ___ ہمیشہ یاد رکھنا اسے! اگر تم گلاب کے پھول کسی پتھر سے ٹکراؤ گے تو گلاب کا پھول مر جائے گا، پتھر نہیں۔ ہو سکتا ہے پتھر کو پتا بھی نہ چلے کہ ٹکراؤ ہو چکا ہے، کہ اس نے ایک خوبصورت شے کو فنا کر دیا ہے۔

تمہارا سارا ماضی پتھروں سے بھرا ہوا ہے، اور جب تم اپنے اندر آگہی کا گلاب کھلانے لگتے ہو تو ایک ہزار ایک امکانات ہوتے ہیں کہ اسے تمہارے پرانے پتھر تباہ کر دیں

گے ___ پرانے پتھر یعنی عادتیں، میکانکی عادتیں۔ تمہیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔ تمہیں حاملہ عورت کی طرح چلنا ہوگا۔ اسی لیے آگہی کا حامل انسان احتیاط سے چلتا ہے، احتیاط سے جیتا ہے۔

اور اسے ایک باقاعدہ مظہر ہونا چاہیے۔ ایسا نہیں کہ ایک دن تم تھوڑا سا مراقبہ کر لو اور پھر چند دن اسے بھلائے رکھو اور پھر کسی دن تم اسے دوبارہ کرو۔ اسے تو نیند کی طرح، کھانے کی طرح، ورزش کی طرح، سانس لینے کی طرح باقاعدہ ہونا چاہیے۔ صرف تبھی بھگوان کی لامحدود حشمت تم پر اپنے دروازے کھولے گی۔

پس پہلی عمومی بات ہے: باقاعدگی اختیار کرو۔

دوسری عمومی بات ہے: کسی غیر جوہری بات پر وقت ضائع مت کرو۔ بیوقوف مت بنو۔ لاکھوں لوگ غیر جوہری باتوں پر وقت ضائع کر رہے ہیں، اور ستم تو یہ ہے کہ انہیں پتا ہے یہ غیر جوہری ہیں۔ تاہم وہ کہتے ہیں: ''اور کیا ہو سکتا ہے؟'' انہیں کسی اور اہم شے کا پتا ہی نہیں ہوتا۔

لوگ تاش کھیل رہے ہوں، اور تم ان سے پوچھو: ''تم کیا کر رہے ہو؟'' تو وہ کہیں گے کہ ''بس وقت گزار رہے ہیں۔'' وقت گزارنا (Killing Time)؟ وقت زندگی ہے! پس تم حقیقتاً اسے قتل کر رہے ہوتے ہو۔

اور جو وقت تم گزار دیتے ہو، جس وقت کو تم قتل کر دیتے ہو، اسے تم دوبارہ کبھی گرفت نہیں کر سکتے۔ وہ ہمیشہ کے لیے چلا گیا ہوتا ہے۔

جو شخص بدھ بننا چاہتا ہے، اسے زیادہ غیر جوہری اشیا کو ترک کرنا ہوگا تاکہ جوہری کے لیے زیادہ توانائی مہیا ہو جائے۔ ذرا اپنی زندگی پر ایک نگاہ ڈالو۔ تم کتنے غیر جوہری کام کر رہے ہو ___ اور کس لیے؟ اور کتنے لمبے عرصے سے ایسا کرتے آئے ہو ___ اور تم نے کیا حاصل کیا ہے؟ کیا تم ساری زندگی یہی احمقانہ عمل کرتے رہو گے؟ بس بہت ہو چکی!

ذرا ایک نگاہ ڈالو، اس پر مراقبہ کرو۔ وہی بات کہو، جو کہ جوہری ہو، وہی کام کرو، جو کہ جوہری ہو، صرف وہی کچھ پڑھو، جو کہ جوہری ہو۔

اور بہت سا وقت اور بہت سی توانائی بچ جائے گی، اور اس سارے وقت اور ساری توانائی کو مراقبے کے راستے پر ڈالا جا سکتا ہے، داخلی نشوونما کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے،

مشاہدہ کرنے کے لیے صرف کیا جا سکتا ہے۔

میں نے کبھی کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو اتنا غریب ہو کہ مراقبہ نہ کر سکتا ہو۔ تاہم لوگ احمقانہ کاموں میں الجھے ہوئے ہیں، سراسر احمقانہ کاموں میں۔ وہ احمق دکھائی نہیں دیتے۔ اس کی وجہ یہ کہ ہر شخص یہی کچھ کر رہا ہے۔

تاہم تلاش کرنے والے کو محتاط ہونا چاہیے۔ جو کچھ کر رہے ہو اس پر زیادہ توجہ دو، جو کہ تم اپنی زندگی کے ساتھ کر رہے ہو ___ اس لیے کہ آگہی کے گلاب اُگانے کے لیے، کھلانے کے لیے، بہت زیادہ توانائی کی ضرورت ہو گی، توانائی کے ایک بڑے ذخیرے کی ضرورت ہو گی۔

ہر عظیم شے اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب تم فاضل توانائی کے حامل ہوتے ہو۔ اگر تمہاری ساری توانائی دنیاوی چیزوں پر ضائع ہو چکی ہو گی تو پھر پوتر کے ساتھ تمہارا رابطہ کبھی نہیں ہو گا۔

اور تیسری عمومی بات ہے: اپنی غلطیوں کے جواز مت ڈھونڈو۔

ذہن کا میلان جواز ڈھونڈنے کی طرف ہوتا ہے۔ اگر تم سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو ذہن کہتا ہے: "ایسا ہونا ہی تھا، اس کی وجوہات ہیں۔ میں تو ذمہ دار نہیں ہوں، صورتحال ہی ایسی تھی کہ ایسا ہوا۔"

اور ذہن ہر شے کا جواز ڈھونڈنے میں بہت عیار ہے۔

اپنی غلطیوں کے جواز ڈھونڈنے سے گریز کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم ان کے جواز ڈھونڈتے ہو تو تم ان کا تحفظ کرتے ہو۔ تب انہیں دہرایا جائے گا۔ اپنی غلطیوں کے جواز ڈھونڈنے سے گریز کرو۔ جواز ڈھونڈنا بالکل چھوڑ دو۔ وجہ ڈھونڈنا اور شے ہے، جواز ڈھونڈنا بالکل مختلف شے ہے۔ وجہ ڈھونڈنا کسی مثبت مقصد کے تحت ہو سکتا ہے لیکن جواز ڈھونڈنا کبھی مثبت مقصد کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا۔

اور جب تم جواز ڈھونڈ رہے ہوتے ہو تو تمہیں کوئی نہ کوئی جواز مل جاتا ہے لیکن تم دوسروں کو تو دھوکا دے سکتے ہو، اپنے آپ کو نہیں۔ تم جانتے ہو کہ تم گر چکے ہو۔ جواز ڈھونڈنے میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اور اپنے آپ کو قائل کرنے کی بجائے کہ کچھ غلط

نہیں ہوا ہے، ساری توجہ آگاہ ہونے پر لگا دو۔

ان تینوں باتوں کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنی توانائی کے ضائع ہونے کے راستے بند کر دو۔ وگرنہ ہو گا یہ کہ بھگوان تو تم میں توانائی انڈیلتا رہے گا لیکن تم میں رساؤ کے اتنے راستے (Leakages) ہوں گے کہ تم کبھی نہیں بھرو گے۔ توانائی آتی ہے لیکن خارج ہو جاتی ہے۔



تبدیلی

اتیشا کہتا ہے: ''اپنا میلان، اپنا جھکاؤ بدلو، اور پھر اس پر قائم رہو۔''

اپنا میلان، اپنا جھکاؤ ذہن سے دل کی طرف پھیر لو۔ یہ ہے پہلی تبدیلی۔ کم سوچو، زیادہ محسوس کرو۔ دانشوری کم کرو، وجدان سے زیادہ کام لو۔ سوچنا بہت زیادہ دھوکا دینے والا عمل ہے۔ یہ تمہیں دھوکا دیتا ہے کہ تم بہت عظیم کام کر رہے ہو۔ حالانکہ حقیقت میں تم فقط ہوا میں قلعے بنا رہے ہوتے ہو۔ خیالات ہوائی قلعوں کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

محسوسات زیادہ مادّی، زیادہ ٹھوس ہوتے ہیں۔ وہ تمہاری کایا کلپ کر دیتے ہیں۔ محبت کے بارے میں سوچنے سے کچھ نہیں ہوتا البتہ محبت کو محسوس کرنے سے تمہاری کایا کلپ ہونا لازمی ہے۔ انا سوچنے کو بہت پسند کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انا غیر حقیقی (Fiction) پر پلتی ہے۔ انا کسی حقیقت کو ہضم نہیں کر سکتی جبکہ سوچنا ایک غیر حقیقی عمل ہے۔ یہ ایک قسم کا خواب دیکھنا ہے، ایک نفیس قسم کا خواب دیکھنا۔ خواب تصویری (Pictorial) ہوتے ہیں جبکہ سوچیں تصوراتی (Conceptual) ہوتی ہیں۔ تاہم عمل ایک سا ہی ہوتا ہے۔ خواب دیکھنا سوچنے کی ایک غیر تہذیب یافتہ (Primitive) قسم ہے، اور سوچنا خواب دیکھنے کی تہذیب یافتہ (Civilized) قسم ہے۔

ذہن سے دِل کی طرف رُخ کرو، سوچنے سے محسوس کرنے کی طرف، منطق سے محبت کی طرف۔

اور دوسری تبدیلی دل سے ہستی کی طرف ہوتی ہے ـــ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی ایک گہری سطح ایسی ہے کہ جہاں محسوسات بھی رسائی نہیں پا سکتے۔ ان تین لفظوں کو یاد رکھو:

ذہن، دل، ہستی

ہستی تمہاری پاکیزہ فطرت ہے۔ ہستی کے گرد محسوسات ہیں، اور محسوسات کے گرد سوچیں ہیں، خیالات ہیں۔ سوچ ہستی سے بہت دور ہے، جبکہ احساس تھوڑا زیادہ قریب ہے۔ اس میں ہستی تھوڑی بہت منعکس ہوتی ہے، جھلکتی ہے۔ ایسے ہی جیسے غروب ہوتا ہوا سورج بادلوں سے جھانکتا ہے اور بادل خوبصورت رنگوں میں رنگ جاتے ہیں۔ بادل خود سورج نہیں ہیں لیکن وہ سورج کی روشنی کو منعکس کر سکتے ہیں۔

محسوسات ہستی کے قریب ہوتے ہیں پس وہ ہستی کو تھوڑا بہت منعکس کر سکتے ہیں۔ تاہم انسان کو محسوسات سے بھی آگے جانا ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہستی کیا ہے؟ یہ نہ تو سوچ ہے، نہ احساس۔ یہ خالص ''ہونا'' ہے۔ انسان بس ہوتا ہے۔

سوچنا بہت خود غرضانہ اور انا پرستانہ ہوتا ہے۔ محسوس کرنا زیادہ بے غرضانہ، کم انا پرستانہ ہوتا ہے۔

ہستی لا انا (No-Ego) ہے، لاانائی (Egolessness) ہے ـــ نہ خود غرضی، نہ بے غرضی بلکہ ایک بے ساختگی، لمحہ بہ لمحہ جواب دینے کی حالت۔ انسان اپنے مطابق نہیں جیتا، انسان بھگوان کے مطابق جیتا ہے، کُل کے مطابق جیتا ہے۔

احساس ادھورا ہوتا ہے اور کوئی ادھوری شے کبھی تمہیں تسکین نہیں دے سکتی، اطمینان نہیں دے سکتی۔ سوچنا اور محسوس کرنا دونوں ادھورے ہیں اور تم منقسم ہی رہتے ہو۔ ہستی پوری ہوتی ہے، اور صرف پوری شے ہی اطمینان پیدا کر سکتی ہے۔

اور آخری تبدیلی، تیسری تبدیلی ہے ہستی سے لاہستی (Non-Being) کی طرف رُخ کرنا۔ یہی نروان ہے، یہ گیان ہے۔

بس انسان غائب ہو جاتا ہے، بس انسان نہیں ہوتا ہے۔ بھگوان ہوتا ہے، گیان ہوتا ہے، روشنی ہوتی ہے، سرور ہوتا ہے لیکن کوئی نہیں ہوتا جو مسرور ہو۔ نیتی نیتی: نہ یہ، نہ وہ، نہ وجود، نہ لاوجود ـــ یہ ہے حتمی حالت۔ اتیشا آہستہ آہستہ اپنے چیلے کو اس طرف لے جا رہا

ہے۔

ذرا مجھے دہرانے دو، سوچ سے احساس کی طرف، احساس سے ہستی کی طرف، ہستی سے لاہستی کی طرف، اور تم پہنچ چکے ہو۔ تم غائب ہو چکے ہو، اور تم پہنچ چکے ہو۔ تم مزید نہیں ہو، پہلی مرتبہ تم نہیں ہو، اور پہلی مرتبہ تم حقیقتاً ہو۔



عیب جوئی مت کرو

اتیشا کہتا ہے: ''عیبوں کو زیرِ بحث مت لاؤ۔''

ذہن دوسروں کے عیبوں کو زیرِ بحث لانے پر مائل ہوتا ہے۔ یہ عمل انا کو اچھا لگتا ہے۔ ہر شخص اتنا گناہگار ہے!! اور اگر ہر شخص اتنا گناہگار ہے تو مقابلتاً انسان خود کو سادھو محسوس کرتا ہے۔ جب ہر شخص غلط کام کر رہا ہے تو یہ سوچنا اچھا محسوس ہوتا ہے کہ ''کم از کم میں اتنے غلط کام تو نہیں کر رہا۔''

لوگ اسی لیے دوسروں کے عیبوں کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف ان کے عیبوں کے بارے میں باتیں کرتے ہیں، بلکہ انہیں بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ اسی لیے تو افواہیں بیان کرنے میں اتنا زیادہ مزا آتا ہے۔ جب کوئی افواہ ایک شخص سے دوسرے شخص تک پہنچتی ہے تو اس پر بہت حاشیہ آرائی ہو چکی ہے۔ شام ہوتے ہوتے اگر تمہیں اپنی چھوڑی ہوئی افواہ دوبارہ سننے کا موقعہ ملے تو یہ جاننے کے باوجود کہ تمہی نے اسے صبح چھوڑا تھا، تم حیران رہ جاؤ گے۔ صبح کے وقت وہ صرف ایک تل تھی، اب پہاڑ بن چکی ہے۔ لوگ بہت تخلیقی ہیں، حقیقتاً تخلیقی اور اختراع پسند۔

لوگ دوسروں کے بارے میں جھوٹی باتیں کرنے، گپیں ہانکنے کے اتنے مشتاق کیوں ہوتے ہیں؟ انہیں دوسروں کے عیب ڈھونڈنے اور انہیں زیرِ بحث لانے کا شوق کیوں ہوتا ہے؟ لوگ دوسروں کے بند کمروں کے چابی کے سوراخوں (Keyholes) میں سے کیوں

جھانکتے رہتے ہیں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے انہیں اپنے حوالے سے قدرے بہتر محسوس ہوتا ہے۔ وہ صرف اچھا محسوس کرنے کے لیے تاک جھانک کرنے والے (Peeping Tom) بن جاتے ہیں۔ صرف یہ سوچنے کے لیے کہ "میں بہتر ہوں۔" اس عمل کا ایک محرک ہوتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے: "اگر دوسرے اتنے بدصورت ہیں تو پھر میں خوبصورت ہوں۔"

لوگ لاشعوری طور پر بہت سے کام کر رہے ہیں۔ اگر انہیں ان کاموں کا شعور ہو جائے تو انہیں کرنا چھوڑ دیں۔ اتیشا کہتا ہے، دوسروں کے عیبوں پر غور مت کرو، یہ تمہارا کام نہیں ہے۔ دوسروں کی زندگیوں میں دخل مت دو، یہ تمہارا کام نہیں ہے۔

تاہم عظیم اخلاق پسند بھی تو ہیں جن کا سارا دھندا ہی یہ دیکھنا ہے کہ کون غلط کام کر رہا ہے۔ ان کی ساری زندگی ضائع ہو چکی ہے۔ وہ پولیس کے کتوں جیسے ہیں، اِدھر اُدھر سونگھنے والے پولیس کے کتے! ان کا زندگی بھر کا معمول یہی ہے کہ دیکھیں، کون غلط کام کر رہا ہے۔

اتیشا کہتا ہے: یہ ایک گندی خصوصیت ہے وقت اور توانائی کا بے تحاشا زیاں۔ یہ نہ صرف وقت اور توانائی کا زیاں ہے بلکہ یہ انا کو مضبوط اور مسرور کرتا ہے۔ انا جتنی مسرور ہوتی ہے، اتنی ہی بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔

اور یاد رکھو! یہ صرف دوسروں کے عیبوں کو زیرِ بحث لانے کا سوال نہیں ہے۔ خود اپنے عیبوں کے بارے میں بھی زیادہ مت سوچا کرو۔ کسی عیب کو جانو، اس سے آگاہ ہوؤ اور پھر معاملے کو وہیں چھوڑ دو۔ کچھ اور لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے ہی عیبوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے رہتے ہیں۔

نفسیات دانوں کو شبہ ہے کہ سینٹ آگسٹین نے اپنی آپ بیتی "اعترافات" میں جو اعترافات کیے ہیں، وہ سچ نہیں ہیں۔ اس نے اپنے عیبوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ وہ "اتنا" برا انسان نہیں تھا۔ تاہم انسان حقیقتاً ناقابلِ یقین ہے۔

اگر تم اپنی خوبیوں کے حوالے سے شیخی بگھارو گے تو تم تب بھی انتہا پر چلے جاؤ گے۔ اگر تم اپنے گناہوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرو گے، تب بھی تم انتہا پر چلے جاؤ گے۔ تاہم دونوں طرح تم ایک ہی کام کر رہے ہوتے ہو۔

سینٹ آگسٹائن جو کر رہا ہے، وہ سادہ ہے۔ وہ اپنے عیبوں، گناہوں اور ہر طرح کی گندی باتوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کر کے ایک تناظر تیار کر رہا ہے۔ وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ ایک ایسے نرک سے نکلا اور ایک عظیم سینٹ بن گیا۔ یوں اس کا سینٹ ہونا بہت خاص لگتا ہے، اگر وہ سیدھا سیدھا لکھ دیتا کہ وہ شروع ہی سے اچھا آدمی تھا تو کبھی اتنا خاص نہ لگتا۔

ہندوستان میں مہاتما گاندھی کا بھی یہی معاملہ ہے۔ اس نے اپنی آپ بیتی میں اپنے عیبوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے اور ان کے بیان کو طول دیتا چلا گیا ہے۔ دراصل اس نے بڑی چالاکی سے یہ دکھایا ہے کہ وہ بہت پست تھا، وہ ساتویں نرک میں تھا۔ پھر وہاں سے اس نے اٹھنا شروع کیا اور مہاتما بن گیا۔ وہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اس نے بہت مشکل سفر کیا ہے۔

اس طرح انا کی بہت تسکین ہوتی ہے۔

دوسروں کے عیبوں کو زیرِ بحث مت لاؤ، اپنے عیبوں کو بھی زیرِ بحث مت لاؤ۔ صرف اپنے عیبوں سے آگاہ ہوؤ۔ اتیشا کہتا ہے آگاہی کافی ہے، اور کچھ ضروری نہیں ہے جب تم کسی شے سے پوری طرح آگاہ ہوتے ہو تو آگہی کی آگ اسے جلا ڈالتی ہے۔ کسی دوسرے علاج کی ضرورت نہیں ہے۔

اتیشا کہتا ہے: "کسی ایسی چیز کے بارے میں مت سوچو جس کا تعلق دوسروں سے ہو۔"

اور تم یہی کچھ تو کر رہے ہو۔ تم جن چیزوں کے بارے میں سوچتے ہو، ان میں سے 99 فیصد کا تعلق دوسروں سے ہوتا ہے۔ ترک کر دو انہیں ــــ فوراً ترک کر دو!

تمہاری زندگی مختصر ہے، اور تمہاری زندگی تمہاری انگلیوں سے پھسلتی جا رہی ہے۔ ہر لمحہ تم کم ہو رہے ہو، ہر روز تم کم ہو رہے ہو، ہر روز تم کم زندہ ہوتے ہو اور زیادہ مرتے ہو! ہر یومِ پیدائش (برتھ ڈے) یومِ مرگ (ڈیتھ ڈے) ہوتا ہے ــــ ایک اور سال تمہارے ہاتھ سے چلا گیا۔ ذرا ذہین بنو، تھوڑا عقل سے کام لو!

کسی ایسی چیز کے متعلق مت سوچو، جس کا تعلق دوسروں سے ہو۔



فقط ابدیت

اتیشا کہتا ہے: ''پہلے سب سے بڑی نجاست کے خلاف تربیت لو۔''

گرجیف اپنے شاگردوں سے کہا کرتا تھا: ''سب سے پہلے اپنی سب سے بڑی خصوصیت ڈھونڈو، اپنی سب سے بڑی غلط کاری، اپنے لاشعور کی مرکزی خصوصیت کو ڈھونڈو۔''

ہر شخص کی مرکزی خصوصیت مختلف ہوتی ہے۔

کسی شخص کو جنس کا جنون ہوتا ہے۔ ہندوستان جیسے ملک میں، جہاں جنس کو صدیوں سے دبایا جا رہا ہے، یہ ایک ہمہ گیر خصوصیت بن گئی ہے، ہر شخص کو جنس کا جنون ہے۔ کسی شخص کو غصے کا جنون ہوتا ہے، اور کسی شخص کو لالچ کا جنون ہوتا ہے۔ تمہیں دیکھنا ہے کہ تمہارا بنیادی جنون بنیادی خبط کیا ہے

چنانچہ پہلے مرکزی خصوصیات کو ڈھونڈو، جس پر تمہاری انا کی پوری عمارت اُستوار ہے۔ پھر اس سے مستقلاً آگاہ رہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صرف تبھی وجود پذیر ہوتی ہے جب تم غیر آگاہ ہوتے ہو۔

آگہی کی آگ میں خود بخود جل جاتی ہے۔

اور یاد رکھو، ہمیشہ یاد رکھو! تمہیں اس کے اُلٹ کو پیدا کرنا ہے۔ اگر تمہیں پتا چلے کہ غصہ تمہارا جنون ہے تو تم اس کے تدارک کے طور پر ہمدردی پیدا کرنے کا سوچو گے۔ اگر

تمہیں پتا چلے کہ جنس تمہارا جنون ہے تو تم اس کے تدارک کے طور پر برہمچاریہ، تجرد کو اپنانے کا سوچو گے، ہمیشہ شادی نہ کرنے کا سوچو گے۔

لوگ ایک شے سے اُس کے اُلٹ کی طرف چلے جاتے ہیں۔ یہ کایا کلپ کا، قلبِ ماہیئت کا طریقہ نہیں ہے۔ یہ تو وہی پینڈولم والا معاملہ ہو گیا، بائیں سے دائیں اور دائیں سے بائیں طرف جھولتے ہوئے ___ اور صدیوں سے تمہاری زندگی یونہی جھول رہی ہے، پینڈولم کی طرح۔

پینڈولم کو درمیان میں رکنا ہوگا۔ یہی آگہی کا معجزہ ہوتا ہے۔ صرف آگاہ ہو کہ ''یہ ہے میری سب سے بڑی خامی ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں مجھے بار بار ٹھوکر لگتی ہے، یہ ہے میرے شعور سے عاری ہونے کی اصل وجہ۔'' اُلٹ کو پیدا کرنے کی کوشش مت کرو، بلکہ اپنی ساری آگہی اس میں انڈیل دو۔ آگہی کا بہت بڑا الاؤ دہکاؤ، اور تمہاری سب سے بڑی خامی جل جائے گی۔ تب پینڈولم درمیان میں رک جائے گا۔

اور پینڈولم کے رکتے ہی، وقت رک جاتا ہے۔ تم اچانک لاوقتی کی دنیا میں داخل ہو جاتے ہو، جہاں نہ وقت ہے، نہ موت، فقط ابدیت ہے۔



نتائج کی امیدیں

اتیشا کہتا ہے: "نتائج کی ساری امیدوں کو ترک کر دو۔"

نتیجے انا کی بنیاد ہوتے ہیں، ذہن ہمیشہ نتیجوں کا شدید آرزومند رہتا ہے۔ ذہن کبھی عمل میں دلچسپی نہیں لیتا، اس کی دلچسپی نتیجے میں ہوتی ہے۔ ذہن کا بنیادی سوال ہوتا ہے: "مجھے اس سے کیا حاصل ہوگا؟" اگر ذہن کچھ کیے بغیر کچھ حاصل کرنے کا اہل ہو تو وہ اس شارٹ کٹ کو ترجیح دیتا ہے۔

تعلیم یافتہ لوگ اسی لیے اتنے چالاک ہوتے ہیں۔ وہ اس لیے چالاک بن جاتے کہ وہ شارٹ کٹ ڈھونڈنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اگر تم قانونی ذریعے سے روپیہ کماؤ تو ہوسکتا ہے اس میں تمہاری ساری زندگی کھپ جائے لیکن تم سمگلنگ سے، جوئے سے یا ایسے ہی کسی دوسرے ذریعے سے بہت زیادہ دولت کما سکتے ہو ___ سیاسی لیڈر بن کر، وزیراعظم بن کر، صدر بن کر ___ تب سارے شارٹ کٹ تمہیں مہیا ہوں گے۔ تعلیم یافتہ آدمی چالاک بن جاتا ہے۔ وہ عقل مند نہیں بنتا، وہ چالاک بن جاتا ہے۔ وہ اتنا چالاک بن جاتا ہے کہ ہر شے بغیر کچھ کیے حاصل کر لینا چاہتا ہے۔

ذہن اور انا نتیجوں کی بنیاد پر استوار ہوتے ہیں۔ ہستی کی اساس نتیجے نہیں ہوتے۔ اسی طرح لاہستی بھی نتیجوں کی اساس پر استوار نہیں ہوتی ہے۔

مراقبہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی بنیاد نتیجے نہیں ہوتے۔ مراقبہ ذہن کی ایسی حالت ہے، جس میں کوئی مقصد، کوئی منزل سامنے نہیں ہوتی۔

ایک پرانی کہانی سنو:

"ایک آدمی کو اپنے آپ کو جاننے کا بہت شوق تھا۔ وہ کسی ایسے گرو کی تلاش میں تھا جو اسے مراقبہ کرنا سکھا دے۔ وہ مختلف گروؤں کے پاس گیا لیکن کچھ نہیں بنا۔

کئی سال گزر گئے، وہ اُکتا گیا۔ تب کسی نے اسے بتایا: "اگر تم حقیقتاً گرو کو پانا چاہتے ہو تو تمہیں ہمالیہ جانا ہوگا۔ وہ ہمالیہ کے کسی نامعلوم حصے میں رہتا ہے۔ تمہیں اس کو ڈھونڈنا پڑے گا۔ ایک بات یقینی ہے، وہ ہے وہیں۔ البتہ کسی کو ٹھیک نہیں پتا کہ وہاں کہاں رہتا ہے کیونکہ جونہی کسی کو اس کی رہائش کے مقام کا پتا چلتا ہے، وہ کسی اور جگہ چلا جاتا ہے، ہمالیہ میں مزید دور واقع کسی حصے کی طرف چلا جاتا ہے۔

وہ آدمی بوڑھا ہو چلا تھا، لیکن ایسے سچے گرو کا سن کر اس نے ہمت مجتمع کی۔ دو سال تک خوب محنت کر کے اس نے سفر کے اخراجات کے لیے رقم اکٹھی کی۔ پھر وہ سفر پر روانہ ہو گیا۔ یہ پرانے وقتوں کی بات ہے، اس لیے اسے سواری کے لیے اونٹ اور گھوڑے ہی دستیاب تھے۔ بعض اوقات اسے پیدل سفر کرنا پڑا۔ آخر وہ ہمالیہ پر پہنچ گیا۔

وہاں کے لوگوں نے اسے بتایا: "ہاں! ہم نے اس کے بارے میں سنا ہے۔ وہ بہت بوڑھا آدمی ہے، ہم کہہ نہیں سکتے کہ اس کی عمر کتنی ہے ___ شاید تین سو سال، یا شاید پانچ سو سال۔ وہ رہتا یہیں ہے لیکن اس کی رہائش کے مقام کے بارے میں ہم تمہیں درست معلومات نہیں دے سکتے۔ کسی کو بھی نہیں پتا کہ وہ کہاں مل سکتا ہے۔ تاہم وہ ہے یہیں۔ اگر تم تلاش کرو تو اسے ضرور ڈھونڈ لو گے۔"

وہ آدمی بوڑھے گرو کو ڈھونڈنے لگا۔ اسے کافی عرصہ گزر گیا۔ ایک

سال گزرا، پھر دو سال گزر گئے، اس کی تلاش جاری رہی، لیکن گرو نہیں ملا۔ وہ بہت تھک چکا تھا، مرنے کی حد تک تھک چکا تھا۔ اس کا گزارا صرف جنگلی پھلوں، درختوں کے پتوں اور گھاس پر تھا۔ اس کا وزن بہت کم ہو گیا۔ تاہم اس نے ٹھان رکھی تھی کہ وہ اس بوڑھے کو ضرور ڈھونڈے گا، خواہ اس کی ساری زندگی گزر جائے۔

ایک روز اسے ایک چھوٹی سی جھونپڑی نظر آئی۔ اسے یقین نہیں آیا۔ وہ اتنا تھک چکا تھا کہ مزید چل نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ وہ رینگتے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ آخر وہ جھونپڑی تک پہنچ گیا۔ جھونپڑی کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ اس نے اندر جھانکا، اندر کوئی نہیں تھا۔ نہ صرف یہ کہ وہاں کوئی نہیں تھا بلکہ یوں لگتا تھا جیسے وہاں برسوں سے کوئی نہیں آیا گیا۔

تم تصور کر سکتے ہو کہ اس پر کیا گزری ہو گی۔ شدید تھکن اور مایوسی سے اس نے سر زمین پر ٹکاتے ہوئے کہا: ''میں باز آیا۔''

وہ ہمالیہ پر پڑا تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور دھوپ اس پر پڑ رہی تھی۔ پہلی بار اسے خوشی محسوس ہونے لگی۔ اس نے پہلے کبھی ایسی خوشی محسوس نہیں کی تھی۔ اسے اچانک اپنا آپ روشنی سے بھرا محسوس ہونے لگا۔ اچانک ساری سوچیں غائب ہو گئیں، اچانک اس کی کایا کلپ سی ہو گئی ___ اور بالکل بلاوجہ۔ اس نے تو کچھ کیا ہی نہیں تھا۔

تب اسے احساس ہوا جیسے کوئی اس پر جھکا ہوا ہے۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ ایک بہت بوڑھا آدمی اس پر جھکا ہوا تھا۔ بوڑھے نے مسکرا کر اس سے کہا: ''اچھا تو تم پہنچ ہی گئے کیا تمہیں مجھ سے کچھ پوچھنا ہے؟''

وہ آدمی بولا: ''نہیں۔''

بوڑھا ہنسنے لگا۔ اس کی بھرپور ہنسی سے ساری وادی گونجنے لگی۔ اس نے

کہا: ''تو گویا اب تمہیں پتا چل گیا کہ مراقبہ کیا ہے؟''

وہ آدمی بولا: ''ہاں۔''

ہوا کیا تھا؟ دراصل اس نے اپنی ہستی کے عین مرکز سے کہا تھا: ''میں باز آیا'' اس کے یوں ترک کرنے کا اعلان کرنے سے مقصد کے حصول کے خواہاں ذہن کی کوششیں بھی غائب ہو گئیں۔ ''میں باز آیا۔'' عین اس لمحے وہ شخص پہلے جیسا نہیں رہا تھا اور خوشی اس پر نچھاور ہونے لگی تھی۔ وہ خاموش ہو گیا تھا، وہ ایک لاشخص تھا، اور اس نے لاہستی کو پالیا تھا۔ تب اسے پتا چلا کہ مراقبہ کیا ہے۔ مراقبہ ذہن کی مقصد سے عاری حالت ہے۔



بہار آ جاتی ہے

انا صرف ڈھونڈتے ہوئے، خواہش کرتے ہوئے ہی وجود پذیر ہو سکتی ہے۔ یہ ''جو کچھ ہے'' اور ''جو ہونا چاہیے'' ان کے درمیان کھنچاؤ میں وجود پذیر ہوتی ہے۔

جس لمحے ''چاہیے'' غائب ہوتا ہے، انا منہدم ہو جاتی ہے۔ اسی لیے سارے اخلاقی نظام، ساری اخلاقیات انا کو پروان چڑھاتی ہیں۔ اخلاق پسند انسان دنیا کا سب سے زیادہ انا پرست انسان ہوتا ہے۔

اور میکانزم بہت سادہ ہے۔ تم مستقبل میں رہتے ہو، جو کہ نہیں ہے، اور انا صرف اسی کے ساتھ وجود پذیر ہو سکتی ہے جو نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خود بھی نہیں ہے۔

اگر تم لمحے میں ہو، حال میں ہو تو انا پل بھر کے لیے بھی وجود پذیر نہیں ہو سکتی۔ حال ہے، اور انا نہیں ہے۔ جیسے روشنی ہے اور اندھیرا نہیں ہے۔ روشنی لاؤ تو اندھیرا غائب ہو جاتا ہے۔ یہ بھی کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ غائب ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تو تھا ہی نہیں۔ پس وہ کیسے غائب ہو سکتا ہے؟ وہ تو خالص غیر موجودگی ہے۔ روشنی کی غیر موجودگی کو اندھیرا کہتے ہیں۔

حال کی غیر موجودگی کو انا کہتے ہیں۔ کسی دور کی منزل کو ڈھونڈتے ہوئے، کسی دور کے ستارے کو کھوجتے ہوئے۔ منزل جتنی دور ہوگی، انا اتنی ہی بڑی ہوگی۔

اسی لیے جو لوگ دنیا دار نہیں ہوتے ان کی انا دنیا دار کہلانے والے لوگوں سے زیادہ بڑی ہوتی ہے۔ روحانی لوگوں کی انائیں زیادہ بڑی ہوتی ہیں۔ فطری بات ہے، ان کی

منزل دور، بہت دور ہے، موت سے بھی آگے، سات آکاش کے پرے۔ بھگوان ان کی منزل ہے یا موکش یا نروان ـــ ایسی منزلیں جن کا حصول تقریباً ناممکن لگتا ہے۔

ممکن منزل تمہیں صرف ایک چھوٹی سی انا دیتی ہے، اور وہ بھی صرف وقتی طور پر۔

جب تم منزل پا لو گے تو اضطراب محسوس کرنے لگو گے۔ ہر روز یہی تو ہوتا ہے۔ تم ایک خوبصورت گھر چاہتے تھے، اب تم اسے حاصل کر چکے ہو، اور اچانک اضطراب تم پر حاوی ہو جاتا ہے۔ انا کو زندہ رہنے کے لیے نئی منزل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب وہ کسی بڑی جگہ کے خواب دیکھنے لگتی ہے۔

تم کسی عورت کو پانے کی کوششیں کر رہے تھے، اب تم اسے پا چکے ہو، اور جس لمحے تم نے اس عورت کو پا لیا تمہارے لیے اس کی کشش ختم ہو گئی۔ ہو سکتا ہے اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں تمہیں چند دن مزید لگ جائیں۔ یہ ایک اور معاملہ ہے، تاہم تمہارے لیے اس کی کشش ختم ہو چکی ہے۔ اب تمہاری انا کو کسی اور عورت کی ضرورت ہے تاکہ سفر جاری رہ سکے۔

انا ہمیشہ حال سے کسی غیر موجود مستقبل کی طرف سفر کرتی رہتی ہے۔ اگر تم مجھ سے پوچھو تو میں سمسار کی، یعنی دنیا کی، تعریف یہی متعین کروں گا۔ حال سے مستقبل کو سفر کرتی ہوئی انا دنیا ہے۔

اور انا سفر نہیں کر رہی ہو، ''یہاں''، ''اب'' میں ہو تو یہی سمسار کا خاتمہ ہے۔ تب تم نروان میں، سمادھی میں، گیان میں ہوتے ہو۔ اسی لیے گیان کو منزل نہیں بنایا جا سکتا، مقصد نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ اگر تم اسے منزل بناؤ گے تو تم سب کچھ گنوا دو گے۔

سارے زمانوں کے سارے بدھ تم سے ایک بہت ہی سادہ حقیقت بیان کرتے رہے ہیں: ہوؤ ـــ بننے کی کوشش مت کرو۔ ان دو الفاظ کے درمیان ـــ ''ہونے'' اور ''بننے کی کوشش کرنے'' میں تمہاری ساری زندگی سموئی ہوئی ہے۔ ہونا گیان ہے، بننا جہالت ہے۔

تاہم تمہیں سکھایا پڑھایا گیا ہے کہ یہ بنو، وہ بنو۔

ذہن اتنا چالاک ہے اور انا کی چالیں اتنی باریک ہیں کہ حد تو یہ ہے کہ یہ بھگوان کو، نروان کو، گیان کو، سچ کو بھی منزل میں، مقصد میں بدل دیتے ہیں۔ وہ آغاز یہ پوچھنے سے کرتے ہیں کہ انہیں کیسے پانا ہے۔

انہیں پانا نہیں ہوتا ہے۔ انہیں پایا نہیں جا سکتا۔ پانے والا ذہن تو ایک رکاوٹ ہوتا ہے، محض رکاوٹ۔

یہ تو پہلے سے ہیں۔ تمہیں پانے والے ذہن کو ترک کرنا ہے، تمہیں اس نقطے سے اُس نقطے تک سفر کرتر ک کرنا ہے۔ تمہیں صرف آرام کرنا ہے اور ''ہونا'' ہے اور سب کچھ مل جاتا ہے۔

لاؤ تزو اسے ''بغیر عمل کے عمل'' کہتا ہے۔ تم ایک انچ بھی سفر نہیں کرتے ہو اور تم پہنچ جاتے ہو۔ یہی ہے بغیر ''عمل کے عمل۔'' تم کہیں بھی نہیں گئے ہو، حتیٰ کہ تم نے کہیں جانے کا سوچا بھی نہیں ہے تم تو پہلے ہی سے پہنچے ہوئے ہو۔ اچانک تمہیں پتا چلتا ہے: ''میں تو گھر کو بھولا ہوا تھا۔ میں تو صرف سو گیا تھا اور گھر کو پانے کے صرف خواب دیکھ رہا تھا۔''

جو لوگ تمہیں منزلیں دیتے ہیں، مقصد دیتے ہیں، وہ تمہارے دشمن ہیں۔ جو لوگ تمہیں بتاتے ہیں کہ کیا بننا ہے اور کیسے بننا ہے، وہ زہر دینے والے ہیں۔ حقیقی گرو تو صرف یہ کہتا ہے: ''کچھ نہیں بننا ہے، تم پہلے ہی سے وہ ہو۔ سایوں کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دو۔ خاموش بیٹھو اور ''ہوؤ'' خاموش بیٹھے ہوئے، کچھ نہ کرتے ہوئے، بہار کا موسم آ جاتا ہے اور گھاس خود بخود اگنے لگتی ہے۔ پھول خود بخود کھلنے لگتے ہیں۔



واپس چلے جاؤ!

اگر تم نے تلاش کا آغاز ہی کیا ہے تو واپس چلے جاؤ۔ آگے مت جاؤ، روحانی تلاش میں ماہر مت بنو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماہرین کھونے والے ہوتے ہیں۔ زیادہ باعلم مت بنو، زیادہ معصوم بنو۔ جو کچھ تم جانتے ہو، اسے بھلا دو، جو کچھ تم جانتے ہو اسے ترک کر دو۔

حیرت زدہ رہو، لیکن اپنی حیرت کو سوالات میں مت ڈھالو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حیرت سوال میں ڈھلتی ہے تو جلد یا بدیر سوال علم لاتا ہے ___ اور علم ایک کھوٹا سکہ ہے۔

حیرت کی حالت سے دو راہیں نکلتی ہیں۔ ایک ہے سوال پوچھنے کی ___ یہ غلط راہ ہے۔ یہ تمہیں زیادہ سے زیادہ علم کی طرف لے جاتی ہے۔ دوسری راہ سوال پوچھنے کی نہیں بلکہ لطف اندوز ہونے کی ہے۔ حیرت سے لطف اندوز ہوؤ، حیرت جو کہ زندگی ہے، حیرت جو کہ ہستی ہے، حیرت جو کہ سورج ہے اور دھوپ ہے اور اس کی سنہری کرنوں میں نہائے ہوئے درخت ہیں۔ ان کا تجربہ کرو۔ سوالیہ نشان مت لگاؤ، یہ جیسے ہیں، انہیں رہنے دو۔

اگر کبھی تم گیانی (Enlightened) بننا چاہتے ہو تو بے علم (Ignorant) رہو۔ اگر تم ہستی سے اور حقیقت سے ملاپ چاہتے ہو تو معصوم رہو، بچے (Child) رہو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ بھید تم پر کھل جائیں تو حیرت میں رہو۔ بھید کبھی ان پر نہیں کھلتے جو سوال کرتے رہتے ہیں۔ سوال کرنے والے جلد یا بدیر کسی لائبریری میں پہنچ جاتے ہیں۔ سوال کرنے والے جلد یا بدیر کتابوں تک پہنچتے ہیں، کیونکہ کتابیں جوابوں سے بھری ہوتی ہیں۔

اور جواب خطرناک ہوتے ہیں۔ وہ حیرت کو ختم کر دیتے ہیں۔ وہ اس لیے

خطرناک ہوتے ہیں کہ وہ تمہیں یہ احساس دیتے ہیں کہ تم جانتے ہو، حالانکہ تم جانتے نہیں ہو۔ وہ تمہیں تمہارے حوالے سے یہ غلط تاثر دیتے ہیں کہ اب سوالوں کے جواب مل چکے ہیں۔ ''میں جانتا ہوں بائبل کیا کہتی ہے، میں جانتا ہوں گیتا کیا کہتی ہے۔ میں پہنچ چکا ہوں۔''

تم طوطے بن جاؤ گے۔ تم چیزوں کو دہراؤ گے لیکن تم کچھ بھی نہیں جانتے ہو گے۔ جاننے کا یہ طریقہ نہیں ہے ___ علم جاننے کا طریقہ نہیں ہے۔

تو پھر جاننے کا طریقہ کیا ہے؟

حیرت۔

اپنے دل کو حیرت کے ساتھ رقص کرنے دو۔ حیرت سے بھر جاؤ، اس کے ساتھ دھڑکو، اس میں سانس لو۔ جواب کی اتنی جلدی کیوں؟ کیا تم کسی بھید کو بھید نہیں رہنے دے سکتے؟ میں جانتا ہوں، بڑی خواہش ہوتی ہے کہ بھید کو بھید نہ رہنے دیا جائے، اسے علم میں بدل دیا جائے۔ یہ خواہش کیوں ہوتی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم علم سے بھرے ہو گے تو تم قابو کرنے والے ہو گے۔

بھید تمہیں قابو کر لیتا ہے، علم تمہیں قابو کرنے والا بنا دیتا ہے۔ بھید تم پر حاوی ہو جاتا ہے، تم بھید پر حاوی نہیں ہو سکتے۔ وہ بہت وسیع ہوتا ہے جبکہ تمہارے ہاتھ بہت چھوٹے ہیں۔ وہ ایسا بے کنار ہوتا ہے کہ تم اسے گرفت نہیں کر سکتے۔ تمہی کو اس کی گرفت میں جانا پڑتا ہے ___ اور یہی خوف ہوتا ہے۔ علم تمہیں گرفت دے سکتا ہے، علم تمہیں قابو دے سکتا ہے۔

ہر حیرت کو، ہر بھید کو سوال میں باندھنے کی خواہش کی بنیاد دراصل خوف ہے۔ ہم خوفزدہ ہیں، حیرت سے معمور زندگی سے خوفزدہ ہیں، اس ناقابلِ یقین ہستی سے خوفزدہ ہیں۔ ہم خوفزدہ ہیں۔ اسی خوف کی وجہ سے ہم اپنے گرد علم کا حصار کھینچ لیتے ہیں ___ حفاظت کے لیے، دفاع کے لیے۔

صرف بزدل لوگ ہی حیران ہونے کی بے مثل استعداد کو سوال میں ڈھالتے ہیں۔ حقیقتاً بہادر انسان، جرأت مند انسان، جیسا ہو، ویسا ہی رہنے دیتا ہے۔ وہ بھید کو سوال میں ڈھالنے کی بجائے، بھید میں کود پڑتا ہے۔ وہ بھید پر حاوی ہونے کی کوشش کرنے کی بجائے، بھید کو خود پر حاوی ہونے دیتا ہے۔

یوں قبضے میں چلے جانے میں بڑی مسرت ہوتی ہے۔ اتنی کہ تم تصور نہیں کر سکتے۔ تم تصور نہیں کر سکتے کہ یہ کیا ہے۔ تم نے تو کبھی اس کا خواب بھی نہیں دیکھا ___ بھید کے قبضے میں چلے جانا، بھگوان کے قبضے میں چلے جانا ہے۔

تم خوش قسمت ہو کہ تم ابھی آغاز میں ہو، مبتدی ہو۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں، جو ماہر بن چکے ہیں۔ انہیں گھر واپس آنا پڑے گا ___ اور واپسی کا سفر بہت لمبا اور کٹھن ہو گا۔ تم اتنا علم حاصل کر چکے ہو گے کہ اسے ترک کرنا مشکل ہو گا۔ اگر تم سچ مچ آغاز کر رہے ہو، مبتدی ہو، تو خوش ہو۔ تم ابھی زیادہ دور نہیں گئے، تم ابھی شروع ہی میں ہو ___ واپس آ جاؤ۔

ان خوبصورت لفظوں کی تعریف متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ صرف لفظ نہیں ہیں۔ تم چاہتے ہو کہ میں سچ کی تعریف متعین کروں۔ کیا تم جانتے ہو، کبھی کسی نے سچ کی تعریف متعین کی ہے؟ کیا اس کی تعریف متعین کی جا سکتی ہے؟ تعریف کیا ہوتی ہے؟ تعریف کا مطلب ہے مترادف الفاظ استعمال کرنا ___ تم انہیں لفظوں کو دوسرے انداز سے بیان کر دیتے ہو۔

مثال کے طور پر پوچھو کہ ذہن کیا ہے تو باعلم لوگ کہیں گے: ''یہ مادہ نہیں ہے۔'' اب پوچھو کہ مادہ کیا ہے؟ ''یہ تو وہ کہیں گے'' ذہن نہیں ہے۔'' یہ کیسی تعریفیں متعین ہو رہی ہیں؟ ذہن مادہ نہیں ہے، یہ ایک تعریف بن گئی۔ مادہ ذہن نہیں ہے، یہ دوسری تعریف بن گئی۔ تاہم دونوں ہی کی تعریف متعین نہیں ہوئی۔ تم نے کسی کی بھی تعریف متعین نہیں کی۔ تم تو بس مسئلے کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کر رہے ہو۔

تم صرف بیوقوفوں کو بیوقوف بنا سکتے ہو۔

اور سچ کا مطلب ہے کُل، وہ سب جو ہے۔ وہ سب جو ہے ___ تم اس کی تعریف کیسے متعین کرو گے؟ یہ تو لامحدود ہے۔ تعریف متعین کرنے کا مطلب اس کے گرد ایک لکیر کھینچنا ہے، یہ کہتے ہوئے ''یہ ہے یہ''۔

لیکن یہ سچ کی تعریف متعین کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کے گرد لکیر لگانے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ یہ تو لامحدود ہے، ازلی ہے، ابدی ہے۔ اس کا نہ کوئی آغاز ہے، نہ اختتام۔

جن لوگوں نے سچ کی تعریف متعین کرنے کی کوشش کی ہے، وہ کہتے ہیں: ''سچ وہ ہے، جو ہے۔'' لیکن یہ تو لفظوں کا اُلٹ پھیر ہے۔ سوال ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے۔ بھید اَن کھلا ہی رہتا ہے۔ تم کچھ بھی کہہ لو۔ تم اسے سچ کہو یا بھگوان یا ''جو کچھ ہے، وہ۔'' تم فقط لفظوں کو اُلٹ پھیر رہے ہو، اس کے لیے جس کی تعریف متعین نہیں کی جا سکتی۔

سچ کی تعریف متعین نہیں کی جا سکتی۔ البتہ اس کا تجربہ یقیناً کیا جا سکتا ہے۔ تاہم تجربہ تعریف نہیں ہوتا۔ تعریف ذہن گھڑتا ہے۔ تجربہ شریک ہونے سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی پوچھے: ''رقص کیا ہوتا ہے؟'' تو تم رقص کی تعریف کیسے متعین کرو گے؟ البتہ تم رقص کر سکتے ہو اور تم اس کو اپنے اندر محسوس کر سکتے ہو۔

لاؤ تزو کہتا ہے: ''تاؤ کو بیان نہیں کیا جا سکتا، اگر اسے بیان کر دیا جائے تو وہ تاؤ نہیں رہتا۔''

اور تمہیں پتا ہے لاؤ تزو نے یہ جملہ کب لکھا تھا؟ لاؤ تزو نے بہت لمبی عمر پائی تھی۔ اس کے بارے میں مشہور ہے وہ 82 برس اپنی ماں کی کوکھ میں جیا تھا۔ پس جب وہ پیدا ہوا تو 82 برس کا تھا۔ پھر وہ 82 برس مزید جیا۔ یہ حقیقتاً بہت لمبی عمر ہوئی۔

اس کی ساری زندگی اس کے چیلے اس سے مسلسل التجا کرتے رہے: ''کچھ لکھیے۔ آپ بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں، ایک نہ ایک دن آپ اس جسم کو چھوڑ جائیں گے۔ اپنا آخری عہد نامہ چھوڑ جائیے۔'' اپنے چیلوں کی یہ گزارش سن کر وہ ہنس دیتا اور کچھ بھی نہ کہتا یا وہ ایسے چپ رہتا جیسے کچھ نہ سنا ہو۔

پھر جب وہ بہت بوڑھا ہو گیا تو ہمالیہ کو جانے لگا۔ اس نے اپنے چیلوں سے کہا: ''اب میں ہمالیہ کو جا رہا ہوں۔ میں اب کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ میں اپنی ساری زندگی آوارہ رہا ہوں اور ہمالیہ مرنے کے لیے بہترین مقام ہے۔ میں خوبصورتی سے جیا ہوں۔ میں ممکنہ حد تک مستی میں جیا ہوں۔ میں مرنا بھی مستی میں، خوبصورتی میں چاہتا ہوں۔ میں ہمالیہ کی خاموشی میں مروں گا، اس خوبصورت پہاڑ پر۔''

جب وہ قدیم چین کی سرحد پر پہنچا تو سرحدی محافظ نے اسے روک لیا اور کہا: ''جب تک آپ کچھ لکھیں گے نہیں، میں آپ کو جانے نہیں دوں گا۔'' وہ محافظ بہت باشعور انسان ہو

گا۔ دنیا اس کی احسان مند رہے گی ان الفاظ کے لیے — تاؤ تے چنگ۔ آخر اس کے بے حد مجبور کرنے پر بوڑھے لاؤ تزو نے لکھا تھا: ''تاؤ کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اسے بیان کر دیا جائے تو یہ تاؤ نہیں رہتا۔''

تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ جب تم پہلا بیان پڑھتے ہو تو پھر مزید آگے پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ سچ کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بیان کر دیا جائے تو وہ سچ نہیں رہتا۔ یہ ہے اس کا اعلان۔ اب اگر تم سمجھو تو کتاب ختم ہو گئی ہے۔ سچ کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے؟ ہاں اسے جیا جا سکتا ہے۔ تم محبت کر سکتے ہو، جی سکتے ہو، ''ہو'' سکتے ہو — لیکن تعریف ممکن نہیں ہے۔ اگر تم تعریف کے خواہاں ہو تو تمہیں کسی یونیورسٹی میں جانا ہو گا۔ پروفیسر تعریف متعین کر سکتے ہیں کہ سچ کیا ہے، اور فلسفے کا ہر پروفیسر اس کی تعریف اپنے انداز سے متعین کرتا ہے۔ لاکھوں تعریفیں ہیں اور ساری جھوٹی ہیں۔ کوئی تعریف کبھی سچی نہیں ہو سکتی۔

سچ کا تو کیا کہنا — زندگی کے چھوٹے چھوٹے تجربوں کی تعریف متعین نہیں کی جا سکتی۔ محبت کیا ہے؟ یا تمہاری زبان پر شکر کا ذائقہ کیا ہے؟ اس کی تعریف کیسے متعین کرو گے؟ تم کنول کے پھول میں جو خوبصورتی دیکھتے ہو، وہ کیا ہے؟

ایک عظیم جدید فلسفی جی۔ ای۔ مور نے ایک کتاب لکھی ہے ''پرنسپیا ایتھیکا'' (Principia Ethica) جس میں اس نے نیکی کی تعریف متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ بے شک یہ اخلاقیات کی دنیا کا پہلا سوال ہے: نیکی کیا ہے؟ اس نے دو ڈھائی سو صفحوں میں بہت کوشش کی لیکن نیکی کی تعریف متعین نہیں کر سکا۔ حالانکہ وہ اس صدی کا نہایت باشعور انسان تھا۔

تھک ہار کے وہ آخر میں کہتا ہے نیکی کی تعریف متعین نہیں کی جا سکتی۔ یہ ایسے ہی ناقابلِ تعریف (Indefinable) ہے جیسے کہ زرد رنگ۔ اگر کوئی پوچھے: ''زرد رنگ کیا ہے؟'' اس کے سامنے گیندے کا پھول ہو اور وہ پوچھے کہ ''کون سا رنگ کیا ہے؟'' اس سوال کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ زرد رنگ، زرد ہوتا ہے۔ زرد، زرد ہے۔ نیکی، نیکی ہے۔ حسن، حسن ہے۔ تاہم یہ لفظوں کا اُلٹ پھیر ہے۔ تم کسی شے کی تعریف متعین نہیں کر رہے، تم فقط

لفظوں کو دہرا رہے ہو۔

سچ کیا ہے؟ اس کی تعریف متعین کرنا کسی طور ممکن نہیں ہے۔

میں تمہیں فلسفہ نہیں پڑھا رہا۔ میں تو تمہیں اپنے سچ میں شریک کر رہا ہوں۔

تعریفیں مت پوچھو۔ اگر تم میں جرأت ہے تو پھر تجربے میں غوطہ لگا دو، مراقبے میں چھلانگ لگا دو۔ اور تم جان جاؤ گے۔ اس کے باوجود کہ تم اسے جان جاؤ گے، تم اس کی تعریف متعین کرنے کے قابل نہیں ہو گے۔



پھول بے موسم کھلتے تھے

تم نے پوچھا ہے ''حقیقت کیا ہے؟''

عدم آگہی کے ساتھ دیکھا گیا سچ، حقیقت ہے۔

اندھے پن کے ساتھ دیکھا گیا سچ، حقیقت ہے۔

بند آنکھوں کے ساتھ دیکھا گیا سچ، حقیقت ہے۔

خیر ذہین انداز میں دیکھا گیا سچ، حقیقت ہے۔

غیر مراقباتی انداز میں دیکھا گیا سچ، حقیقت ہے۔

یوں سچ ایک حقیقت بن جاتا ہے۔

مثال کے طور پر تم کسی بدھ کو دیکھتے ہو۔ اگر تم اسے بے شعوری سے دیکھو گے تو وہ صرف ایک حقیقت ہے۔ ایک تاریخی حقیقت: وہ ایک خاص دن پیدا ہوا اور ایک خاص دن مر جائے گا۔ وہ ایک جسم ہے، جسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو، وہ ایک خاص شخص ہے، ایک شخصیت ہے۔

اگر تم اسے شعور کے ساتھ دیکھو گے، آگہی کے ساتھ، روشنی کے ساتھ، خاموشی کے ساتھ تو پھر حقیقت نہیں رہے گی ___ سچ ہو گا۔ تب بدھ کسی خاص دن پیدا ہونے والا شخص نہیں رہے گا۔ تب وہ اپنے ظاہر میں مقید نہیں ہو گا۔ تب وہ لامحدودیت کی شعاع ہو گا، ماورا کا زمین کے لیے ایک تحفہ۔ تب دفعتاً حقیقت غائب ہو جائے گی، تب وہاں سچ ہو گا۔

تاہم تاریخ سچ پر توجہ نہیں دیتی۔ تاریخ حقائق پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں ہندوستان میں دو نظام ہیں: "ایک کو ہم تاریخ کہتے ہیں۔ تاریخ حقیقتوں کو محفوظ کرتی ہے۔ دوسرے کو ہم "پُران" کہتے ہیں، یعنی دیومالا، اساطیر (Mythology)، یہ سچ کو محفوظ کرتی ہے۔ ہمارے پاس بدھ، کرشن یا مہاویر کی تحریری تاریخیں نہیں ہیں۔ ایسا کرنا ان بے پناہ خوبصورت لوگوں کو بے شعور انسانیت کے کیچڑ میں گھسیٹنا ہوتا۔ ہم نے ان لوگوں کی تاریخیں نہیں لکھیں، ہم نے دیومالائیں لکھی ہیں۔ دیومالا کیا ہوتی ہے؟ دیومالا ایک حکایت ہوتی ہے، جو چاند کی طرف صرف اشارہ کرتی ہے لیکن اس کے بارے میں کہتی کچھ نہیں ہے ـــ چاند کی طرف اشارہ کرتی ہوئی انگلی، ایک اشارہ، ایک تیر کا نشان، کچھ نہ کہتے ہوئے۔

کسی جین مندر میں جا کر دیکھو گے تو تم حیران رہ جاؤ گے۔ تم وہاں چوبیس عظیم گیانی گروؤں کے مجسمے پاؤ گے، چوبیس تیرتھ آنکروں کے چوبیس مجسمے ـــ لیکن سب سے حیران کن بات یہ ہوگی کہ وہ سارے مطلقاً ایک جیسے ہوں گے۔

ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ دنیا میں کبھی کوئی دو اشخاص ایک جیسے نہیں ہوتے۔ حتیٰ کہ دو جڑواں بچے بھی سو فیصد ایک جیسے نہیں ہوتے۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہے؟

یہ تاریخ نہیں ہے۔ یہ مجسمے حقیقی اشخاص کی عکاسی نہیں کرتے۔ نہیں، بالکل نہیں۔ وہ تصویری عکاسی نہیں ہیں۔ تو پھر کیا ہیں وہ؟ وہ ایک داخلی شے کی عکاسی کرتے ہیں، داخلی خاموشی کی، ہستی کی، کسی مراقباتی شے کی۔ وہ چوبیس مجسمے تو صرف دکھائی نہ دینے والی ایک شے کی تصویری عکاسی کرتے ہیں۔

دیومالا، اساطیر، متھالوجی لازماً شاعرانہ ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف شاعری ہی نامعلوم کی چند جھلکیاں دکھا سکتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بدھ جدھر جاتا تھا، بے موسم بھی درختوں پر پھول کھل جاتے تھے۔

اب یہ شاعری ہے، خالص شاعری۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہوا۔ تاہم یہ کسی شے کی عکاسی کرتی ہے، کہنے کا کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ یہ جملہ بتاتا ہے کہ جب کبھی بدھ رابطہ جوڑتا ہے تو درختوں پر بھی بے موسم پھول کھلنے لگتے ہیں ـــ انسان کا تو کہنا ہی کیا!

جو شخص ہستی کے سامنے سپردگی اختیار کرتا ہے، اپنے آپ کو ترک کر دیتا ہے، ہستی

اس کی حفاظت کرتی ہے۔

تم اپنے اردگرد جو کچھ دیکھتے ہو حقیقت ہے۔ تم ایک درخت کو دیکھتے ہو، ہرے بھرے درخت کو، پھولوں اور پھلوں سے بھرے درخت کو ـــ یہ ایک حقیقت ہے۔ تاہم اگر تم مراقبہ کرو گے تو تمہیں درخت میں ہستی نظر آئے گی، سچ نظر آئے گا۔

سچ کو مراقباتی آنکھیں درکار ہوتی ہیں۔ اگر تم مراقباتی آنکھیں نہیں رکھتے ہو تو پھر تمہاری ساری زندگی بیکار حقیقتوں سے بھری ہوگی، ایک دوسرے سے بے تعلق، حادثاتی، بے معنی حقیقتیں، محض ایک اتفاقی مظہر۔ اگر تم سچ کو دیکھو گے تو ہر شے آپس میں مربوط ہو جائے گی، ہر شے ایک آہنگ میں ہوگی، ہر شے بامعنی ہوگی۔

ہمیشہ یاد رکھنا، معنی سچ کا سایہ ہے۔ جو لوگ صرف حقیقتوں میں جیتے ہیں وہ سراسر بے معنی زندگی جیتے ہیں۔



آر کسٹرا اور اکیلا بانسری بجانے والا

گیان ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ اگر یہ آر کسٹرا ہو تو پورا آر کسٹرا ہوتا ہے، اگر یہ صرف اکیلی بانسری ہو تو پھر پوری طرح اکیلی بانسری ہوتا ہے۔ ہستی ہمیشہ پوری ہوتی ہے، اسی طرح گیان بھی ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ چھوٹا سا پھول اتنا ہی پورا ہوتا ہے جتنا کہ سورج۔ پورے کا کمیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کا تعلق کیفیت سے ہے۔

کرشنا مورتی کی اکیلی بانسری اتنی ہی پوری ہے جتنا کہ میرا آر کسٹرا۔ میرا آر کسٹرا زیادہ پورا نہیں ہے! پورا پن کم یا زیادہ نہیں ہوتا ہے۔ گیان پائے ہوئے شخص کا ہر عمل پورا ہوتا ہے۔ وہ چائے پی رہا ہو یا کوئی عظیم تصویر بنا رہا ہو، دھن بنا رہا ہو یا محض خاموش بیٹھا ہو، اس کا ہر عمل پورا ہوتا ہے۔ کرشنا مورتی ایک اکیلا بانسری بجانے والا ہے۔

کمیت کے حوالے سے موازنے کرنا چھوڑ دو۔ اپنے شعور کی سطح کو تھوڑا بلند کرو اور کیفیت کے حوالے سے سوچنا شروع کرو۔ تب کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔

کرشنا مورتی اپنا سا بہترین کام کر رہا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ آر کسٹرا بنے۔ نہیں، اس سے دنیا مفلس ہو جائے گی۔ وہ جو کر رہا ہے، کرتا رہے، اس سے زندگی کو رنگ ملتے ہیں، تنوع ملتا ہے۔

میں اکیلا بانسری بجانے والا نہیں بن سکتا ــــ ایسا نہیں ہے کہ یہ خوبصورت نہیں ہے، بس یہ میرا طریقہ نہیں ہے۔ میں آر کسٹرا ہونے سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ میں اسے پسند کرتا ہوں کہ اتیشا مجھے بجائے، اور بہاء الدین اور کبیر اور نانک اور لاؤتزو اور زرتشت اور بہت سے دوسرے۔ میں انہیں بجانا اور اس آر کسٹرا کا حصہ بن جانا پسند کروں گا۔

یہ "میرا" طریقہ ہے۔ کوئی بلند یا پست نہیں ہے۔ جب تم گیان پا جاتے ہو تو کوئی بلند یا پست نہیں رہتا ہے، نہ ہی ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی کنول کا پھول گیان پا جائے تو وہ کنول کا پھول ہی رہے گا۔ اگر کوئی گلاب گیان پا جائے تو وہ گلاب ہی رہے گا۔ دونوں گیان کی ایک ہی کیفیت کے حامل ہوں گے لیکن گلاب گلاب ہی رہے اور کنول کنول ہی رہے گا۔

گیان بلاشبہ پورا ہوتا ہے، ادھورا نہیں ہوتا۔ کرشنا مورتی ادھورا بانسری بجانے والا نہیں ہے۔ وہ پورا بانسری بجانے والا ہے۔ وہ اپنے عمل میں پورا ہوتا ہے، مکمل طور پر اپنے عمل میں۔ وہ کہتا ہے کہ وہ خوش نصیب ہے اس نے وید، انجیل، اپنشد کو نہیں پڑھا۔ تاؤ تے چنگ۔ کیوں؟ ــــ اس لیے کہ ہو سکتا ہے وہ اسے پریشان کر دیتے، شاید کچھ نشان چھوڑ جاتے، شاید اس کی ہستی کا حصہ بن جاتے۔ وہ صرف اور صرف اپنا ہونا چاہتا ہے، کامل خالص پن کے ساتھ۔

میرا طریقہ بالکل مختلف ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جتنا ممکن ہو گیان پائے ہوئے زیادہ لوگوں کی صحبت حاصل ہو۔ یہ ایک مشکل محبت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب مختلف لوگ ہیں۔ ان سب کا میزبان بننا بہت مشکل ہے۔ تاہم میں اس سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ یہ جتنا زیادہ مشکل ہوتا ہے، میں اتنا زیادہ لطف اندوز ہوتا ہوں۔ یہ ایک خوبصورت چیلنج ہے۔ تم نہیں سمجھ سکتے کہ ان سب کو اکٹھا رکھنا کتنا مشکل ہے۔ مہاویر عریاں کھڑا ہوتا ہے۔ بدھ اسے پسند نہیں کرتا۔ چونکہ بدھ عریاں نہیں ہوتا، تو اس سے مہاویر خوش نہیں ہوتا۔ ان سب لوگوں کو اپنے ساتھ ٹھہرانا ایک عظیم چیلنج ہے۔

کرشنا مورتی اکیلا رہتا ہے۔ یہ اس کا اپنا چیلنج ہے۔ میں اس کا انتخاب نہیں کر سکتا۔ میں یہ بھی نہیں کہہ رہا کہ میرا انتخاب اس کا انتخاب ہونا چاہیے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ اسے وہی کرنا ہو گا جو میں کر رہا ہوں۔ میں اپنا کام کرتے ہوئے پورا پورا خوش ہوں اور میں پورا پورا خوش ہوں کہ وہ اپنا کام کر رہا ہے۔

بہت سے لوگوں نے مجھ سے سوال پوچھا ہے کہ میں نے مردہ گروؤں پر بہت گفتگو کی ہے، لیکن کبھی کسی زندہ گرو کے حوالے سے بات کیوں نہیں کی؟

کرشنا مورتی کو مرنے دو، پھر میں اس پر بات کروں گا۔ اس کی ایک وجہ ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اتنے سارے مردہ گروؤں کو ایک ساتھ رکھنا کتنا مشکل ہے تاہم تم مردہ گروؤں کو سنبھال سکتے ہو۔۔۔ اگر میں مہاویر سے کہوں کہ اس کونے میں کھڑا رہے تو اسے اس کونے میں کھڑا رہنا پڑتا ہے۔ لیکن ایک زندہ گرو تو نہیں سنے گا، وہ دخل دینا شروع کر دے گا، وہ دوسروں کے ساتھ بحث شروع کر دے گا۔ اور مجھے تھوڑی نیند کی بھی کبھی کبھار ضرورت ہوتی ہے!

گیان کا علم سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ گیان پایا ہوا شخص علم تک کوئی رسائی نہیں رکھتا۔ ہاں، اسے معصومیت تک پوری پوری رسائی ہوتی ہے۔۔۔ اور کرشنا مورتی اپنی بانسری بجاتا ہوا اتنا ہی معصوم ہے جتنا کہ میں اپنے آرکسٹرا کے ساتھ۔ یہ علم کا نہیں دانائی کا سوال ہے۔ دانائی ایک بالکل مختلف مظہر ہے۔۔۔ دانائی معصومیت ہوتی ہے۔ تم اسے لاعلمی بھی کہہ سکتے ہو۔ یہ بھی ٹھیک ہے لیکن اسے علم مت کہو۔ یہ علم سے زیادہ لاعلمی کے قریب ہے۔

سنا ہے سقراط نے اپنے آخری دنوں میں کہا تھا: ''میں صرف ایک بات جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا۔'' یہی گیان ہے، ایک ہی بات کو جاننا، ''میں کچھ نہیں جانتا۔'' جس لمحے سارا علم غائب ہوتا ہے، انا غائب ہو جاتی ہے، شخصیت غائب ہو جاتی ہے۔ تب تم میں اور ہستی میں علیحدگی، دوئی ختم ہو جاتی ہے۔ تم دوبارہ صاف، شفاف ہو جاتے ہو، کل سے مل کر ایک ہو جاتے ہو۔

محدود وژن کا بھی اپنا ایک حسن ہے۔ تم جو کچھ دیکھتے ہو بہت صاف دیکھتے ہو کیونکہ تمہاری نظریں اسی پر جمی ہوتی ہیں۔

کوئی شخص کرشنا مورتی جتنا واضح نہیں گزرا۔ کوئی شخص اس جتنا منطقی نہیں گزرا، اس قدر عقلیت پسند نہیں گزرا۔ کوئی شخص اتنا تجزیاتی نہیں گزرا۔ وہ اشیاء کی جزئیات کا جتنی گہرائی سے تجزیہ کرتا ہے، ناقابل یقین ہے۔ تاہم یہ اس کے محدود وژن کا حصہ ہے۔ تم ہر شے کے مالک نہیں ہو سکتے، یاد رکھنا۔ اگر تم واضح پن چاہتے ہو تو تمہیں محدود وژن کی ضرورت ہو گی۔ تمہیں کم سے کم پر زیادہ سے زیادہ توجہ مرکوز کرنا ہو گی۔

انہوں نے سائنس کی تعریف ایسے ہی متعین کی ہے نا: ''کم سے کم کے بارے میں

زیادہ سے زیادہ جاننا۔'' اگر سائنس کبھی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تو ہمیں کہنا پڑے گا ''سب کچھ جاننا کسی کے بھی بارے میں نہیں۔'' کم سے کم کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کا واحد منطقی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے۔ یہ کہاں لے جائے گا؟ یہ تمہیں اس نقطے تک لے جائے گا جہاں تم سب کچھ جانتے ہو گے کسی کے بارے میں نہیں۔

سائنس ایک محدود وژن ہے۔ کرشنا مورتی ایک سائنسی فردیت ہے، بہت سائنسی۔ اسی لیے اس میں تجزیے کو پسند کرنے والوں کو بہت کشش محسوس ہوتی ہے، جو چھوٹی چھوٹی جزئیات تک جانا پسند کرتے ہیں۔ وہ لاؤ تزو کا متضاد ہے۔ لاؤ تزو کہتا ہے: ''ہر شخص کتنا واضح، کتنا پُرتیقن دکھائی دیتا ہے۔ میں ہی ہوں جو الجھا ہوا، کنفیوزڈ ہوں۔''

لاؤ تزو جیسا انسان، حتمی گیان والا انسان کہہ رہا ہے: ''ہر شخص ہر شے کے بارے میں کتنا واضح، کتنا پُرتیقن دکھائی دیتا ہے، سوائے میرے۔ میں اتنا الجھا ہوا ہوں کہ مجھے کسی شے کا نہیں پتا ہے۔ ہر شخص کتنے تیقن سے پھر رہا ہے، جبکہ میں ہر قدم پر ہچکچاتا ہوں۔ ہر شخص سیدھا چلا جا رہا ہے، اِدھر اُدھر دیکھے بغیر جبکہ میں اس آدمی کی طرح چلتا ہوں جو سردی کے موسم میں ٹھنڈی یخ ندی کو عبور کر رہا ہو۔''

لاؤ تزو کرشنا مورتی کا متضاد ہے۔ وہ محدود وژن کا حامل نہیں ہے۔ اس کا وژن اتنا وسیع، اتنا پھیلا ہوا ہے کہ واضح ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کا دھندلا، کہر زدہ ہونا لازمی ہے، تاہم اس کا بھی اپنا ایک حسن ہے۔ کرشنا مورتی کے بیانات میں منطق ہوتی ہے۔ لاؤ تزو کے بیانات میں شاعری ہوتی ہے۔

میرا وژن لاؤ تزو کے وژن سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ مجھ میں لاؤ تزو اور بہت سے دوسرے شامل ہیں۔ واضح بات ہے میں لاؤ تزو میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔ پچیس صدیاں گزر چکی ہیں، ان پچیس صدیوں میں اس زمین پر عظیم گیانی ہو گزرے ہیں۔ میں سارے ورثے کا دعوے دار ہوں یا ایسا دعویٰ پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا۔

لاؤ تزو نے کرشن کے بارے میں بالکل نہیں سنا تھا۔ لاؤ تزو نے پتانجلی کے بارے میں بالکل نہیں سنا تھا۔ پتانجلی نے لاؤ تزو یا چوانگ تزو یا لیہہ تزو کے بارے میں بالکل نہیں سنا تھا۔ بدھ کو زرتشت کے بارے میں پتا نہیں تھا۔

اب دنیا ایک چھوٹی سی بستی بن چکی ہے، ایک گلوبل ولیج بن چکی ہے اور نوع انسان کی ساری تاریخ ہماری ہے۔ میں ایک بالکل مختلف صورتحال میں ہوں میں لاؤ تزو، چوانگ تزو، لیہہ تزو، کنفیوشس، مینیکس، میلاریپا، مارپا، تلوپا، نروپا، بودھی دھرما، مہا کیشپ، سری پتر، مہاویر، آدی ناتھ، موسیٰؑ، ابراہیمؑ، یسوعؑ، فرانسس، کبیر، نانک، دادو، میرا، ربیعہ کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔ ساری دنیا مجھے میسر ہے۔

میں پورے آسمان کو دیکھتا ہوں، سب ستاروں کو، سب کہکشاؤں کو۔ میرے وژن کا شاعرانہ ہونا لازمی ہے۔ لیکن جتنا تم شاعری میں گہرا جاتے ہو، یہ اتنا ہی کم منطقی ہوتی جاتی ہے۔ شاعری کی تہہ میں ساری وضاحت، سارا صاف پن غائب ہو جاتا ہے۔ کوئی شے واضح نہیں ہوتی ہے، البتہ ہر شے خوبصورت ہوتی ہے، ہر شے بھید بھری ہوتی ہے۔ کوئی شے واضح نہیں ہوتی لیکن ہر شے نہایت دلکش ہوتی ہے۔

کرشنا مورتی کا اپنا راستہ ہے اور مجھے خوشی ہے کہ وہ دنیا میں ہے۔ وہ دوسری انتہا پر ہے۔ وہ فوت ہو گیا تو دنیا میں اس کی کمی سب سے زیادہ مَیں محسوس کروں گا۔



روحانیت اور خاموشی

بیوقوف ہر جگہ ہوتے ہیں۔ وہ اوشکوش اور بروکلین میں بھی اتنے ہیں جتنے کہ بمبئی اور پونا میں۔ بیوقوفوں پر کسی ایک ملک کا اجارہ نہیں ہے، اور بیوقوف ہمیشہ کسی باطنی شے کی تلاش میں رہتے ہیں۔ صرف بکواسیات انہیں پسند آتی ہیں۔

اور میں کبھی کبھار بکواسیات ''ارشاد فرماتا ہوں'' اس کی وجہ یہ ہے کہ میں یہاں صرف ان کی مدد کے لیے نہیں ہوں جو کہ بیوقوف نہیں ہیں۔ میں اپنا جال زیادہ سے زیادہ دور تک پھیلا رہا ہوں۔ کچھ بیوقوفوں کا میرے جال میں پھنس جانا لازمی ہے۔ وہ اچھے لوگ ہیں!

انسان میں بے قیمت چیزوں کو جاننے کی گہری خواہش موجود ہے، ان چیزوں کو جاننے کی گہری خواہش، جس سے تمہیں خاص ہونے کا احساس ہو ___ کہ صرف تم ہی ان چیزوں کو جانتے ہو اور کوئی نہیں جانتا۔ انسان خاص ہونا چاہتا ہے اور نام نہاد باطنی علم سے زیادہ کوئی شے تمہیں خاص نہیں بناتی۔ اسی لیے تو باطنی علم اتنا اہم ہے۔ باطنی علم کے نام پر سب کچرا کباڑ چل رہا ہے ___ یہ کہ زمین کھوکھلی ہے، یہ کہ زمین کے نیچے عظیم تہذیبیں ہیں۔ ان باتوں پر یقین کرنے والے بھی ہیں، اور ایسی ہی بہت سی دوسری کہانیوں پر۔

انسان اتنی بے کیف زندگی گزار رہا ہے کہ وہ کچھ سنسنی چاہتا ہے۔ جو لوگ تھوڑے عقل مند ہوتے ہیں، وہ سائنس فکشن یا جاسوسی کہانیاں پڑھتے ہیں۔ جو لوگ عقل مند نہیں

ہوتے وہ روحانی فکشن پڑھتے ہیں۔

یہ باتیں ایک خاص گروپ نے مجھ سے کی تھیں، ایسے لوگوں نے جو ایسی ہی باتوں میں دلچسپی رکھتے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ کسی دوسرے موضوع پر بات کرنا بالکل بیکار تھا۔ اب وہ تقریباً غائب ہو چکے ہیں اور اب ایک بالکل مختلف قسم کے لوگ آ گئے ہیں، اب میں سچ کی دنیا میں زیادہ آگے جا سکتا ہوں۔ تاہم اب بھی مجھے لفظ استعمال کرنا پڑتے ہیں، جبکہ لفظ بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔

صرف خاموشی ہی سچ کو جیسا وہ ہو، ویسا بیان کر سکتی ہے۔ میں جو کچھ برسوں سے کہہ رہا ہوں، اسے خاموشی کے ایک لمحے میں کہا جا سکتا ہے۔ جو کچھ نہیں کہا جا سکا وہ صرف اسی صورت میں کہا جا سکے گا کہ تمہارے اور میرے درمیان خیالات کی رکاوٹ نہ ہو ___ جب تمہاری خاموشی اور میری خاموشی ایک دوسرے کے سامنے موجود ہوں، ایک دوسرے کو یوں منعکس کر رہی ہوں جیسے دو آئینے آمنے سامنے دھرے ہوں۔

میرے لیے تم سے باتیں کرنا بہت اذیت دہ ہوتا ہے۔ تم تصور نہیں کر سکتے کہ میں کتنی مشکل سے خود کو مجبور کرتا ہوں تم سے باتیں کرنے کے لیے۔ یہ ایک تنی ہوئی رسی پر چلنے کے مترادف ہے۔ لفظ مجھ میں غائب ہو چکے ہیں۔ مجھے انہیں مسلسل واپس لانا پڑتا ہے۔ یہ عمل بہت مشکل، بہت تھکا دینے والا ہے۔ تاہم میں اس وقت تک بس نہیں کر سکتا جب تک تم نہ کہو، ''میں باز آیا۔''

جس روز تم کہو گے: ''اب میں خاموش ہونے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے کسی شے کی امید نہیں ہے۔ میں امید ترک کرنے کو تیار ہوں۔ میں روحانیت کے سارے تصورات ترک کرنے کو تیار ہوں۔ میں تو فقط آپ کے ساتھ ہونے سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں، لمحۂ موجود سے، یہاں سے، اب سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔'' تب معجزے رونما ہونے لگیں گے۔ تم بے موسم کھل جاؤ گے۔

اور یاد رکھنا! تمہارے لیے معجزے ہونا لازمی ہے، وہ تمہارا پیدائشی حق ہیں۔



اپنی آگ میں جل جانے والا پرندہ

خواہش اپنی پاکیزگی میں الوہی ہوتی ہے، جب خواہش کسی شے کی خواہش نہیں ہوتی، تب الوہی ہوتی ہے۔ جس لمحے خواہش کسی شے کے لیے ہوتی ہے، دنیاوی بن جاتی ہے، غیر الوہی بن جاتی ہے۔ خواہش ایسی پاکیزہ آگ ہے جو پاکیزہ بناتی ہے، خواہش بغیر دھوئیں والی آگ ہے، ایک بغیر دھوئیں والا شعلہ ہے۔ لیکن جس لمحے یہ کسی شے سے جڑتی ہے ___ خواہ دنیاوی شے ہو یا غیر دنیاوی: روپیہ، مراقبہ، نروان، کوئی شے ہو ___ تب خواہش خالص نہیں رہتی۔ شے اسے آلودہ کر دیتی ہے، گندا کر دیتی ہے۔ تب شے خواہش سے زیادہ اہم بن جاتی ہے۔ تب خواہش محض ایک ذریعہ ہوتی ہے، تب وہ خود ایک مقصد نہیں رہتی۔

اور سنیاس کی ساری کوشش یہی ہے کہ تمہیں ان چیزوں کو ترک کرنے میں مدد دے، جن کی خواہش کی جاتی ہے۔ یوں خواہش ختم نہیں ہوتی۔ درحقیقت جتنا زیادہ تم اشیا کو ترک کرو گے، خواہش زیادہ شدید اور زیادہ کامل ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اشیا میں ضائع ہونے والی توانائی آزاد ہو جائے گی۔ پھر وہ لمحہ آئے گا کہ انسان سراپا پیاسا ہو گا ___ کسی شے کا پیاسا نہیں، بلکہ صرف پیاسا ___ بھوکا ___ کسی شے کا نہیں، صرف خواہش کی خالص آگ۔ یہی خالص آگ تمہیں جلا دیتی ہے، تمہیں راکھ کر دیتی ہے۔ پھر اس راکھ سے ایک نئی شے جنم لیتی ہے۔

ققنس والی حکایت کا مفہوم یہی ہے۔ یہ پرندہ اپنی ہستی سے ہی ابھرنے والی آگ میں جل جاتا ہے، اور پھر دوبارہ جنم لیتا ہے۔

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اور یہی یسوع کے صلیب پر مرنے اور دوبارہ جی اٹھنے کا ہے۔ یسوع بار بار کہا کرتے تھے: ''جب تک تم دوبارہ پیدا نہیں ہو گے، تم خداوند کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکو گے۔''

لیکن جب تک تم مرو گے نہیں تو دوبارہ کیسے پیدا ہو گے؟ حتمی جنم سے پہلے حتمی موت کا آنا لازمی ہے۔

خواہش الوہی ہوتی ہے۔ جب کسی شے کی خواہش ہوگی تو تم پست ہو چکے ہو گے، گر چکے ہو گے۔ تم خواہش کی پاکیزگی، خواہش کی دوشیزگی کھو چکے ہو گے۔ یہ گدلی ہو چکی ہو گی۔ یہ زمین پر گر جائے گی، اس کے پر کٹ گئے ہوں گے۔

جب بھی تمہیں میرے بیان میں تضاد نظر آئے تو اس پر مراقبہ کیا کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جوہری اعتبار سے کوئی تضاد ہو ہی نہیں سکتا۔ بظاہر ایسا ہو سکتا ہے لیکن تمہیں کوئی ہوم ورک بھی کرنا ہوگا۔

مراقبہ کرو، تمام ممکنہ پہلوؤں پر غور کرو، تمام ممکنہ معانی پر غور کرو اور تم حیران رہ جاؤ گے۔ جب تم تضاد کے ماوراء دیکھنے کے قابل ہو جاؤ گے، تب وہ لمحہ عظیم بصیرت کا لمحہ ہوگا۔ وہ تمہیں روشنی سے بھر دے گا، وہ تمہیں خوشی کا احساس دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک دریافت ہوگی اور ہر دریافت نشوونما میں مددگار ہوتی ہے۔



ماضی کو بھلا دو، آگے بڑھو

ہماری ساری تعلیم ___ گھر میں، معاشرے میں، سکول میں، کالج میں، یونیورسٹی میں ___ ہم میں تناؤ (Tension) پیدا کرتی ہے۔ ہم سب کی پرورش اسی طرح ہوتی ہے۔ بنیادی تناؤ یہی ہوتا ہے کہ تم وہ نہیں کر رہے ہو جو تمہیں کرنا چاہیے۔

یہ تناؤ تمہاری ساری زندگی موجود رہتا ہے۔ یہ ڈراؤنے خواب کی طرح تمہارا پیچھا کرتا ہے، یہ تمہیں آسیب کی طرح ڈراتا رہتا ہے۔ یہ تمہیں کبھی آرام سے نہیں رہنے دیتا، یہ تمہیں کبھی سکون نہیں رہنے دیتا۔ اگر تم سکون سے ہو گے تو یہ کہے گا: ''یہ کیا کر رہے ہو تم؟ تمہیں تو سکون سے، آرام سے نہیں بیٹھنا چاہیے، تمہیں کچھ کرنا چاہیے۔'' اگر کچھ کر رہے ہو گے تو یہ کہے گا: ''یہ کیا کر رہے ہو تم؟ تمہیں آرام کی ضرورت ہے، آرام لازمی ہے ورنہ تم پاگل ہو جاؤ گے۔''

اگر تم کوئی اچھا کام کرو گے تو یہ کہے گا: ''تم تو احمق ہو۔ اچھا کام کرنے سے کچھ نہیں ملے گا، لوگ تمہیں دھوکا دیں گے۔'' اگر تم کوئی برا کام کرو گے تو یہ کہے گا: ''یہ کیا کر رہے ہو؟ تم نرک کی راہ ہموار کر رہے ہو۔ تمہیں اس کی سزا ضرور بھگتنا پڑے گی۔''

یہ تمہیں سکون سے نہیں رہنے دے گا۔ تم کچھ بھی کرو، یہ تمہاری مذمت کرے گا۔

یہ مذمت کرنے والا تمہارے اندر جڑیں پکڑ چکا ہے۔ نوع انسان کے ساتھ ہونے والا یہ سب سے بڑا المیہ ہے۔ جب تک ہم اپنے اندر کے اس مذمت کرنے والے سے چھٹکارا نہیں پا لیں گے ہم حقیقی انسان نہیں بن پائیں گے، ہم کبھی حقیقتاً خوش نہیں ہو پائیں گے

اور ہم ہستی کے جشن میں شریک نہیں ہو سکیں گے۔

یہ تقریباً ہر انسان کا مسئلہ ہے۔ تم کسی ملک، کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہو، کسی نظریئے کے ماننے والے ہو، تم میں تقسیم ضرور ہوگی۔ اگر تم ایک حصے کی پیروی کرو گے تو دوسرا حصہ تمہاری مذمت کرتا رہے گا، تم دوسرے کی پیروی کرو گے تو پہلا تمہاری مذمت کرے گا۔

تم ایک داخلی تنازعے میں ہو، خانہ جنگی میں ہو۔ خانہ جنگی کو رکنا چاہیے وگرنہ تم ساری خوبصورتی کو گنوا دو گے، زندگی کی نعمت کو گنوا دو گے۔ تم اپنے دل کے سکون کے لیے کبھی ہنس نہیں سکو گے، کبھی محبت نہیں کر سکو گے، تم کبھی کسی شے میں کاملیت سے ہونے کے قابل نہیں ہو گے۔ جبکہ کاملیت ہی سے انسان کھلتا ہے، بہار آتی ہے، اور تمہاری زندگی رنگ اور موسیقی اور شاعری پانے لگتی ہے۔

صرف کاملیت ہی سے دفعتاً تمہیں احساس ہوتا ہے کہ بھگوان تمہارے چاروں طرف ہے۔ تاہم المیہ یہ ہے کہ تقسیم تو تمہارے نام نہاد پنڈتوں، پادریوں نے پیدا کر رکھی ہے۔ درحقیقت پنڈت دنیا میں بھگوان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

ہمیں سب پنڈتوں سے چھٹکارا پانا ہے، وہ انسانی المیئے کی جڑ ہیں۔ انہوں نے ہر شخص کو مریض بنا دیا ہے، انہوں نے نیوروسس کو وبا بنا دیا ہے — اور نیوروسس اتنا پھیل چکا ہے کہ ہم اسے معمول کی شے سمجھنے لگے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ زندگی یہی ہے، زندگی اسی کے لیے ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ زندگی ایک عذاب، ایک طویل عذاب ہے۔

اور اگر ہم اپنی نام نہاد زندگی کی طرف دیکھیں تو ایسا ہی لگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ایک بھی پھول نہیں ہے، دل میں کبھی کوئی گیت نہیں گونجا، الوہی روشنی کی ایک کرن بھی نہیں ہے۔

اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے کہ ساری دنیا کے ذہین لوگ کہہ رہے ہیں کہ زندگی میں کیا معنویت ہے۔ "ہم کیوں جیئے جا رہے ہیں؟ ہم یوں بزدلوں کی طرح جیئے کیوں چلے جا رہے ہیں؟ ہم تھوڑی ہمت یکجا کر کے اس ساری بکواسیات کو ختم کیوں نہیں کر دیتے؟ ہم خودکشی کیوں نہیں کر لیتے؟"

دنیا میں آج سے پہلے کبھی اتنے بہت سارے لوگ یہ نہیں سوچتے تھے کہ زندگی

بالکل بے معنی ہے۔ اس دور میں ایسا کیوں ہوا ہے؟ اس کا اس دور سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ صدیوں سے، کم از کم پانچ ہزار سال سے پنڈت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اب یہ انتہا کو پہنچ گیا ہے۔

یہ ہمارا کیا دھرا نہیں ہے، ہم تو شکار ہیں۔ ہم تاریخ کا شکار ہیں۔ انسان تھوڑا سا باشعور ہو جائے تو کرنے کا سب سے پہلا کام یہی ہے کہ تاریخ کی ساری کتابوں کو جلا دیا جائے۔ ماضی کو بھلا دو۔ وہ ڈراؤنے خواب جیسا تھا۔ الف ب سے شروع کرو، جیسے تم دوبارہ پیدا ہوئے ہو۔ اس طرح شروع کرو جیسے تم پہلے کی طرح پست پنڈت کے شر سے محفوظ، معصوم، غیر آلودہ، پاکیزہ ہو۔

پنڈت بڑے ہی پست رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک بڑا کارگر حربہ سیکھ لیا ہے: انسان کو تقسیم کر دو، اسے بنیادی طور پر شیزوفرینیک بنا دو اور تم ہمیشہ اقتدار میں رہو گے۔ منقسم انسان کمزور ہوتا ہے۔ ایک غیر منقسم انسان، ایک فرد مضبوطی کا حامل ہوتا ہے — ہر مہم کو قبول کرنے کی مضبوطی، ہر چیلنج کو قبول کرنے کی مضبوطی۔

جس دن تم جان لو گے کہ پنڈت تمہارے ساتھ کیا کر چکے ہیں، وہ دن عظیم بصیرت کا دن ہو گا۔ جس دن تم اس ساری بکواسیات کو ترک کر دو گے، وہ دن آزادی کی شروعات کا دن ہو گا۔

جو تمہاری فطرت کرنا چاہتی ہے، وہی کرو۔ وہی کرو جو تمہاری خلقی صلاحیتیں کرنا چاہتی ہیں۔ پستکوں کی مت سنو، اپنے دل کی سنو — میں تو صرف اسی پستک کو تجویز کرتا ہوں۔ ہاں، سنو! بہت توجہ سے، بڑے شعور کے ساتھ، اور تم کبھی غلط نہیں ہو گے۔ اپنے دل کی سنتے ہوئے تم کبھی منقسم نہیں ہو گے۔ اپنے دل کی سنتے ہوئے تم درست سمت میں سفر کرنے لگو گے۔

پس نئے انسان کا سارا ہنر دل کو شعور سے سننے کے راز پر مشتمل ہو گا، اور ہر طرح سے اس کی پیروی کرنے پر، اور جہاں یہ لے جائے وہاں چلے جانے پر۔ ہاں، بعض اوقات یہ تمہیں خطروں میں لے جائے گا لیکن یاد رکھو وہ خطرے تمہیں پختہ بنانے کے لیے ضروری ہیں۔ یہ بعض اوقات تمہیں بھٹکا دے گا لیکن یاد رکھو یہ بھٹکنا تمہاری نشوونما کا حصہ ہے۔ کئی

مرتبہ تم گرو گے۔ دوبارہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انسان اسی طرح تو حوصلہ حاصل کرتا ہے — گرنے سے اور دوبارہ اٹھنے سے۔ انسان اسی طرح مضبوط اور اٹوٹ بنتا ہے۔

تاہم باہر سے تھوپے گئے قوانین کی پیروی مت کرو۔ تھوپا گیا کوئی قانون کبھی درست نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قوانین ان لوگوں کی ایجاد ہیں جو تم پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہاں بعض گیانی لوگ بھی دنیا میں ہوئے ہیں۔ انہوں نے دنیا کو کوئی قانون نہیں دیا، انہوں نے دنیا کو اپنی محبت دی ہے۔ تاہم جلد یا بدیر ان کے ماننے والے اکٹھے ہو کر قوانین بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ جب گرو چلا جاتا ہے، جب روشنی چلی جاتی ہے اور گہرا اندھیرا چھا جاتا ہے تو وہ پیروی کے لیے خاص اصولوں کو ڈھونڈنے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جس روشنی میں دیکھ سکتے تھے وہ نہیں رہی ہوتی۔ اب انہیں قوانین پر انحصار کرنا پڑے گا۔

گرو جو کرتا ہے وہ اس کے دل کی سرگوشی ہوتی ہے، اور چیلے جو کرتے ہیں وہ ان کے دل کی سرگوشی نہیں ہوتی۔ وہ نقال ہوتے ہیں — اور جس لمحے تم نقل کرتے ہو، تم اپنی انسانیت کی توہین کرتے ہو، تم اپنے بھگوان کی توہین کرتے ہو۔

کبھی نقال مت بنو۔ ہمیشہ اوریجنل بنو۔ کاربن کاپی مت بنو۔ تاہم دنیا میں ہر طرف یہی کچھ ہو رہا ہے۔ کاربن کاپیاں ہی کاربن کاپیاں۔

اگر تم اوریجنل ہو تو زندگی حقیقتاً ایک رقص ہے — اور تم اوریجنل ہونے کے لیے ہی ہو۔ دو آدمی کبھی ایک سے نہیں ہوتے، پس میرا طرزِ زندگی کبھی تمہارا طرزِ زندگی نہیں بن سکتا۔

گرو کی خاموشی کو اپناؤ۔ اس کی ہستی سے جتنا ممکن ہو، پیو، لیکن اس کی نقل مت کرو۔ تم اس کی محبت کو پیتے ہوئے، اس کی ہمدردی حاصل کرتے ہوئے اپنے دل کی سرگوشی سننے کے اہل ہو جاؤ گے۔ دل بہت خاموش آواز میں بولتا ہے، وہ چیختا نہیں ہے۔

گرو کی خاموشی کو سنو تا کہ ایک روز تم اپنے داخلی مرکز کو سن سکو۔ تب تمہاری تقسیم ختم ہو جائے۔ مسئلہ اس لیے جنم لیتا ہے کہ تم پر خارجی قوانین حاوی ہیں۔ تم نقال ہو۔

جو کچھ کسی بدھ کے لیے درست ہے، وہ تمہارے لیے درست نہیں ہے۔ ذرا دیکھو کرشن بدھ سے کتنا مختلف ہے۔ اگر کرشن بدھ کی پیروی کرتا تو ہم دنیا کے ایک انتہائی خوبصورت انسان کو کھو دیتے۔ اگر بدھ کرشن کی پیروی کرتا تو وہ حقیر سا نمونہ ہوتا۔ ذرا بانسری

بجاتے بدھ کا تصور تو کرو۔ وہ کئی لوگوں کی نیند خراب کر دیتا۔ وہ بانسری بجانے والا نہیں تھا۔ ذرا بدھ کو رقص کرتے تصور کرو۔ کتنا مضحکہ خیز ہے یہ تصور بھی، بالکل لایعنی۔

یہی معاملہ کرشن کا ہے۔ اگر وہ درخت تلے بیٹھا ہو، بانسری کے بغیر، مور کے پروں والے تاج کے بغیر، خوبصورت کپڑوں کے بغیر، بس کسی فقیر کی طرح درخت تلے آنکھیں بند کیے بیٹھا ہو، اس کے گرد کوئی رقص نہ کر رہا ہو، نہ کوئی رقص، نہ کوئی نغمہ۔ کرشن کتنا غریب، کتنا مسکین لگے گا۔

بدھ بدھ ہے، کرشن کرشن ہے اور تم تم ہو۔ تم کسی اعتبار سے کسی سے بھی کم نہیں ہو۔ اپنا احترام کرو، اپنے اندر کی آواز کا احترام کرو اور اس کی پیروی کرو۔

اور یاد رکھنا! میں یہ ضمانت نہیں دے رہا کہ وہ تمہیں ہمیشہ سیدھا لے جائے گی، بہت مرتبہ وہ تمہیں غلط لے جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ درست دروازے پر آنے سے پہلے انسان کو بہت سے غلط دروازوں پر دستکیں دینی پڑتی ہیں۔ اگر تم اچانک درست دوازے سے ٹکرا گئے تو تم پہچان نہیں پاؤ گے کہ یہ درست دروازہ ہے۔

بہت سے لوگ ہیں جو سیدھے یہاں آ جاتے ہیں۔ وہ کبھی کسی کے پاس نہیں گئے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ رابطہ استوار کرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ وہ نہیں سمجھ سکتے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ ان کا کوئی پس منظر نہیں ہے، ان کا کوئی تناظر نہیں ہے اس کے لیے۔ انہوں نے نہیں جانا کہ غلط کیا ہے، وہ کیسے جان سکتے ہیں کہ درست کیا ہے؟

یاد رکھنا! حتمی جستجو میں کوئی کوشش رائیگاں نہیں ہوتی۔ ساری کوششیں تمہاری نشوونما کے حتمی عروج میں مددگار ہوتی ہیں۔ پس ہچکچاؤ مت، کوئی غلط کام کرتے ہوئے بہت زیادہ فکر مت کرو۔ یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ لوگوں کو سکھایا پڑھایا گیا ہے کہ کبھی غلط کام مت کرو۔ اسی لیے وہ غلط کام کرتے ہوئے بہت زیادہ ڈرتے، جھجکتے ہیں، وہ رکے ہی رہ جاتے ہیں۔ وہ حرکت کر ہی نہیں سکتے۔ وہ ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ چٹانوں جیسے بن جاتے ہیں، وہ ساری حرکت کھو بیٹھتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: جتنی غلطیاں کر سکتے ہو، کرو۔ بس ایک بات یاد رکھو۔ کبھی ایک غلطی کو دوبارہ مت کرو۔ یوں تم ارتقا پا رہے ہو گے۔ بھٹکنا تمہاری آزادی کا حصہ ہے۔ اس سے تم

ریڑھ کی ہڈی پانے لگتے ہو، وگرنہ لاکھوں لوگ، ریڑھ کی ہڈی کے بغیر ہیں ــ کیچوے۔

چونکہ میں ایسی باتیں کرتا ہوں اس لیے کچھ لوگ ناراض ہو گئے ہیں۔ کل ایک صحافی یہاں آیا۔ وہ اس آشرم میں جاری سرگرمیوں کے بارے میں لکھنا چاہتا تھا۔ وہ آشرم کے حامی اور مخالف دونوں طرح کے لوگوں کے تاثرات لکھنا چاہتا تھا۔ اس نے پولیس افسروں سے پوچھا اور پونا کے میئر سے رائے لی۔ میئر نے جو کچھ کہا وہ حقیقتاً خوبصورت تھا۔ مجھے اس کی بات بہت پسند آئی۔

اس نے کہا: "یہ آدمی اتنا خطرناک ہے کہ اسے پونا سے نکال دیا جانا چاہیے، نہ صرف پونا سے بلکہ ہندوستان سے، نہ صرف ہندوستان سے بلکہ دنیا سے نکال دیا جانا چاہیے!"

مجھے یہ بات بہت پسند آئی۔ میں نے اس پر سوچنا شروع کر دیا۔ وہ مجھے دنیا سے کہاں نکالیں گے؟ یہ ایک بہت اچھوتا تصور ہے! اگر وہ مجھے دنیا سے نکال سکتے ہیں تو میں تیار ہوں۔

بھلا دو سب کچھ جو تمہیں بتایا گیا ہے: "یہ درست ہے، یہ غلط ہے۔" زندگی اتنی جامد نہیں ہے۔ جو شے آج درست ہے، ہوسکتا ہے کل وہ غلط ہو، جو شے آج غلط ہے، ہوسکتا ہے کل وہ درست ہو۔ جو شے اس لمحے درست یا غلط ہے، ہوسکتا ہے اگلے لمحے وہ الٹ ہو جائے۔ زندگی کبوتروں کی کابک نہیں ہوسکتی۔ تم اس پر اتنی آسانی سے لیبل نہیں لگا سکتے۔ "یہ درست ہے اور یہ غلط ہے۔" زندگی کیمسٹ کی دکان نہیں ہے کہ ہر بوتل پر لیبل لگا ہو اور تمہیں پتا ہو کہ اس میں کیا ہے۔ زندگی تو ایک بھید ہے۔ کسی لمحے کوئی شے موزوں ہوتی ہے اور وہ درست ہوتی ہے۔ کسی دوسرے لمحے گنگا میں اتنا بہت سا پانی بہہ چکا ہوتا ہے کہ وہ شے موزوں نہیں رہتی اور غلط ہوتی ہے۔

درست کی، خیر کی میری تعریف کیا ہے؟ یہ کہ جو شے ہستی سے ہم آہنگ ہے، خیر ہے اور جو شے ہستی سے ہم آہنگ نہیں ہے، غلط ہے، شر ہے۔ تمہیں ہر لمحہ بہت چوکس رہنا پڑے گا کیونکہ ہر لمحے نیا فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ تم درست اور غلط کے ریڈی میڈ جوابوں پر انحصار نہیں کر سکتے۔ صرف احمق لوگ ریڈی میڈ جوابوں پر انحصار کرتے ہیں کیونکہ یوں انہیں ذہین بننے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیا ضرورت ہے، تم پہلے ہی جانتے ہو کہ درست کیا ہے، غلط کیا

ہے۔

ریڈی میڈی جواب مشکلات پیدا کرتے ہیں کیونکہ جب تک وہ دیئے جاتے ہیں، وہ فرسودہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ زندگی بہت تیزی سے حرکت میں ہے، یہ ایک تحرک ہے۔ یہ جامد نہیں ہے۔ یہ ٹھہرا ہوا پانی نہیں ہے، جوہڑ نہیں ہے۔ یہ تو گنگا ہے، یہ بہتی رہتی ہے۔ یہ مسلسل دو لمحوں میں بھی ایک سی نہیں ہوتی۔ چنانچہ کوئی شے اس لمحے درست ہوسکتی ہے اور ممکن ہے اگلے لمحے درست نہ ہو۔

تو پھر کیا کیا جائے؟ واحد ممکن شے لوگوں کو اتنا آگاہ بنانا ہے کہ وہ بدلتی ہوئی زندگی کے ساتھ ساتھ چلنے کے لیے خود فیصلے کر سکیں۔

ایک زین کہانی سنو:

کسی علاقے میں دو معبد تھے۔ دونوں کے گرو ایک دوسرے کے رقیب تھے ــ ضرور وہ گرو نہیں پنڈت ہوں گے۔ وہ ایک دوسرے کے اتنے مخالف تھے کہ انہوں نے اپنے اپنے چیلوں کو حکم دے رکھا تھا کہ دوسرے معبد کی طرف دیکھیں بھی نہیں۔

ہر پنڈت کے پاس ایک لڑکا خدمت کے لیے تھا۔ پہلے معبد کے پنڈت نے اپنے خادم سے کہا: "دوسرے معبد کے لڑکے سے کبھی بات مت کرنا۔ وہ خطرناک لوگ ہیں۔"

لیکن لڑکے تو لڑکے ہوتے ہیں۔ ایک روز سڑک پر ان کا آمنا سامنا ہو گیا۔ پہلے معبد کے لڑکے نے دوسرے معبد کے لڑکے سے پوچھا: "کہاں جا رہے ہو؟"

دوسرے نے کہا: "جہاں ہوا لے جائے۔" وہ ضرور معبد میں عظیم زین باتیں سنتا رہا ہو گا۔

پہلا لڑکا بہت شرمندہ ہوا۔ اسے غصہ بھی آیا۔ اسے اس بات کا کوئی جواب نہ سوجھا۔ وہ غصے اور اضطراب میں اپنے گرو کے پاس گیا اور اسے سارا ماجرا سنایا۔

گرو نے کہا: ''میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اس معبد کے خطرناک لوگوں سے بات نہ کرنا۔ اب ایسا کرو کل تم اسی جگہ جانا۔ جب وہ آئے تو پوچھنا: ''کہاں جا رہے ہو؟'' جب وہ کہے: ''جہاں ہوا لے جائے۔'' تو تم بھی ذرا فلسفیانہ انداز میں کہنا: ''اگر تمہاری ٹانگیں نہ ہوتیں تو کیا ہوتا؟ کیونکہ صرف روح کو تو ہوا کہیں نہیں لے جاسکتی۔''

لڑکا بہت خوش ہوا۔ اگلے روز وہ اسی جگہ جا کھڑا ہوا۔ کافی انتظار کے بعد دوسرا لڑکا آیا۔ پہلے لڑکے نے پوچھا: ''کہاں جا رہے ہو؟'' ساتھ ہی وہ فلسفیانہ جملے بولنے کے لیے تیار ہو گیا۔

لیکن دوسرے لڑکے نے کہا: ''میں سبزی خریدنے بازار جا رہا ہوں۔''

زندگی ایسی ہی ہے۔ تم اس کے لیے تیاری نہیں کر سکتے۔ یہی اس کا حسن ہے، یہی اس کا تحیر ہے، کہ یہ ہمیشہ تمہیں بے خبری میں آلیتی ہے۔ یہ ہمیشہ حیران کن انداز میں آتی ہے۔ اگر تمہاری آنکھیں ہیں تو تم دیکھو گے کہ ہر لحہ ایک نئی حیرت ہے اور کسی ریڈی میڈ جواب کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔

میں کسی کو حکم نہیں دیتا۔ کسی کو حکم دینا اسے گھٹا کر غلام بنا دینا ہے۔ میں تمہیں حکم نہیں دیتا۔ تم میرے تابع نہیں ہو، نہ ہی کسی اور کے۔ میں تو تمہیں زندگی کا ایک جوہری قانون پڑھاتا ہوں۔ اپنے تابع بنو، اپنے لیے روشنی بنو اور اس روشنی کی پیروی کرو تب تم جو کچھ کرو گے، وہ کرنے کے لیے ہی ہوگا، اور جو کچھ تم نہیں کرو گے، نہیں کرنے کے لیے ہوگا۔

اور پیچھے مت دیکھو کیونکہ زندگی تبدیل ہو رہی ہے۔ آنے والی کل یہ مت سوچو کہ گزری کل تم نے جو کیا تھا، غلط تھا۔ وہ گزری ہوئی کل غلط نہیں تھا، ہوسکتا ہے کہ آنے والی کل غلط دکھائی دے۔ پیچھے دیکھنے کی ضرورت نہیں، زندگی آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ تاہم بہت سے ڈرائیور ایسے ہیں جو عقب نما آئینے میں دیکھے جا رہے ہیں۔ وہ ڈرائیو آگے کو کر رہے ہیں لیکن دیکھ پیچھے کی طرف رہے ہیں۔ ان کی زندگی نے تو المیہ بننا ہی ہے۔

آگے دیکھو۔ جس سڑک سے تم گزر آئے ہو، سو گزر آئے ہو۔ اب وہ ختم ہو چکی ہے، اسے اب ساتھ مت اٹھائے پھرو۔ ماضی کا غیر ضروری بوجھ مت اٹھائے پھرو۔ جو باب

تم پڑھ چکے ہو، اُنہیں بند کر دو، بار بار پیچھے پلٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نئے تناظر کے تحت ماضی کو آنکنے کی کوشش مت کرو کیونکہ نیا نیا ہے، ایسا نیا کہ جس کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ پرانا اپنے تناظر میں درست تھا، جبکہ نیا اپنے تناظر میں درست ہے، اور ان کا موزانہ نہیں کیا جا سکتا۔

میں تم پر جو کچھ واضح کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ خطا کے احساس کو جھٹک دو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خطا کے احساس میں رہنا نرک میں جینا ہے۔ خطا کے احساس کے بغیر تم صبح سویرے کی دھوپ میں چمکتے شبنم کے قطروں کی تازگی کے حامل ہو گے، تم جھیل میں کھلے کنول کی پتیوں کی تازگی کے حامل ہو گے، تم رات میں دمکتے ستاروں کی تازگی کے حامل ہو گے۔ جب خطا کا احساس غائب ہو جاتا ہے تو تم زندگی کی ایک نئی کیفیت کے حامل ہو جاتے ہو، تاباں و درخشندہ، روشن، روشن۔ تمہارے پاؤں رقص کرنے لگتے ہیں اور تمہارا دل ایک ہزار ایک گیت گانے لگتا ہے۔

ایسی مسرت و شادمانی میں جینا ہی سنیاسی ہونا ہے، ایسی خوشی میں جینا ہی الوہی زندگی جینا ہے۔ احساسِ خطا کے بوجھ تلے جینا فقط پنڈتوں کے ہاتھوں اپنا استحصال کروانا ہے، اور کچھ نہیں۔

اپنے زندانوں سے نکل آؤ — ہندو، جین، بودھ، کمیونسٹ۔ اپنے سارے زندانوں سے نکل آؤ، اپنے سارے نظریات سے نکل آؤ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نظریے تمہیں بنے بنائے جواب مہیا کرتے ہیں۔ اگر تم کسی کمیونسٹ سے کوئی سوال پوچھو تو وہ ''داس کیپیٹل'' کے حوالے سے جواب دے گا۔ اسی طرح اگر تم کسی ہندو سے کوئی سوال پوچھو تو وہ تمہیں گیتا کے حوالے سے جواب دے گا۔

تم کب اپنے شعور کو استعمال کرو گے؟ کب؟ تم کب تک مردہ ماضی سے بندھے رہو گے؟ گیتا پانچ ہزار سال پہلے لکھی گئی تھی، زندگی تو بہت بدل چکی ہے۔ اگر تم گیتا کو پڑھنا چاہتے ہو تو اسے خوبصورت ادب کے طور پر پڑھو لیکن صرف اسی طور، اس سے سوا کچھ نہیں۔ یہ خوبصورت ادب ہے، یہ خوبصورت شاعری ہے۔ اس میں کوئی ایسے احکامات نہیں ہیں کہ جن کی پیروی کی جائے۔ اسے ماضی کا ایک تحفہ سمجھ کر اس سے لطف اندوز ہوؤ، ایک عظیم

شاعر ویاس کا تحفہ۔ اسے اپنی زندگی کے لیے راہنما مت بناؤ۔ موجودہ زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہر شے غیر متعلق ہو جاتی ہے، کیونکہ زندگی کبھی تھمتی نہیں ہے، یہ رواں رہتی ہے۔ یہ ساری سرحدوں کو پار کر جاتی ہے، ساری حدوں کو پار کر جاتی ہے۔ یہ ایک ختم نہ ہونے والا عمل ہے۔ گیتا کہیں نہ کہیں ختم ہو جاتی ہے۔ داس کیپیٹل کہیں نہ کہیں ختم ہو جاتی ہے لیکن زندگی کبھی اختتام کو نہیں پہنچتی۔ اپنے آپ کو یہ یاد کروا دو۔

زندگی سے تعلق کا، زندگی کے پیچھے پیچھے نہ گھسٹنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ایک ایسے دل کے حامل بنو جسے خطا کا احساس نہ ہو، ایسا دل جو معصوم ہو۔ تمہیں جو کچھ بتایا گیا ہے اسے بھلا دو___ یہ کرنا ہے، وہ نہیں کرنا___ کوئی تمہارے لیے اس کا فیصلہ نہیں کر سکتا کہ تم نے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔

ان مکاروں، فریبیوں، دھوکے بازوں، اداکاروں سے بچو، گریز کرو جو تمہارے لیے فیصلے کرتے ہیں، لگامیں اپنے ہاتھ میں تھام لو۔ فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ درحقیقت اسی فیصلہ کرنے کی حالت میں تمہاری روح جنم لیتی ہے۔ جب دوسرے تمہارے لیے فیصلے کرتے ہیں تو تمہاری روح سوئی ہوئی اور بجھی بجھی رہتی ہے۔ جب تم خود فیصلے کرنے لگتے ہو تو تمہاری روح جاگ اٹھتی ہے۔ فیصلہ کرنے کا مطلب خطرے مول لینا ہے، فیصلے کرنے کا مطلب ہے کہ ممکن ہے تم غلط کر رہے ہو___ کون جانے کیا ہونے والا ہے۔ یہی خطرہ ہوتا ہے، ضمانت کوئی نہیں ہے۔

پرانے کے ساتھ ضمانت ہوتی ہے۔ لاکھوں کروڑوں لوگ اس پر عمل کر چکے ہوتے ہیں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے بہت سارے لوگ اسے درست کہتے ہیں تو ضرور یہ درست ہوگا۔

درحقیقت زندگی کی منطق بالکل الٹ ہے۔ اگر بہت سارے لوگ کسی خاص شے کی پیروی کر رہے ہوں تو جان لو کہ وہ شے غلط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سارے لوگ گیان پائے ہوئے نہیں ہوتے، اور نہ ہی گیان پا سکتے ہیں۔ اکثریت بیوقوفوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اکثریت سے ہوشیار رہو۔ اگر بہت سارے لوگ کسی شے کی پیروی کر رہے ہوں تو یہ اس بات

کا کافی ثبوت ہے کہ وہ شے غلط ہے۔

سچ افراد پر کھلتا ہے، ہجوم پر نہیں۔ کیا تم نے کبھی کسی ہجوم کے گیان پانے کے بارے میں سنا ہے؟ سچ افراد پر ہی کھلتا ہے___ کسی تلوپا پر، کسی اتیشا پر، کسی نانک پر، کسی کبیر پر، کسی فرید پر۔

سچ افراد پر ہی کھلتا ہے۔

اگر تم حقیقتاً چاہتے ہو کہ سچ تم پر کھلے، تو فرد بنو۔

فرد بننے کے لیے جتنے خطرے ضروری ہیں، انہیں مول لو اور چیلنج قبول کرو تا کہ وہ تمہیں مانجھ (Sharpen) دیں، تمہیں ذہانت اور فطانت عطا کریں۔

سچ سراسر ذہانت ہے۔ یہ تمہاری زندگی کے نہاں سرچشموں کا اُبل پڑنا ہے، یہ تمہارے شعور کے روشن ہونے کا ایک تجربہ ہے۔ تاہم اس کے لیے تمہیں موقعہ فراہم کرنا ہو گا۔ تمہیں اپنے آپ کو جیسے تم ہو ویسے قبول کرنا پڑے گا۔ کسی شے کو رد مت کرو، منقسم مت ہوؤ، خطا محسوس نہ کرو۔

خوش رہو!

میں پھر کہہ رہا ہوں، تم جیسے ہو خوش رہو!



میں متنازعہ کیوں ہوں؟

تم نے پوچھا ہے کہ میں اتنا متنازعہ کیوں ہوں؟ اگر ایسا نہ ہوتا تو تعجب ہوتا، ناقابلِ یقین ہوتا ایسا نہ ہونا۔ ایسا ہونا تو فطری ہے۔ سقراط کے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کی غلطی کیا تھی؟ اس کی غلطی یہ تھی کہ وہ سچ کو جوں کا توں بیان کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کی غلطی، اس کی واحد غلطی یہ تھی کہ وہ ہجوم کی حماقتوں کیساتھ سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ مسلسل تنازعوں کی زد میں رہا، وہ انہی تنازعوں کی وجہ سے مرا۔

تمہارا کیا خیال ہے یسوع نے غیر متنازعہ زندگی گزاری تھی؟ پھر انہیں مصلوب کیوں کیا گیا تھا؟ کیا یہ ایک غیر متنازعہ زندگی کا انعام تھا؟ وہ تو مسلسل تنازعے میں جئے تھے۔ ایسا ہونا ہی تھا۔ بدھ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ بودھی دھرما کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔

سچ تنازعے کو جنم دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کو ہلا دیتا ہے، یہ ان کے واہموں کو توڑ کر بکھیر دیتا ہے۔ جبکہ وہ اپنے واہموں سے چمٹے رہنا چاہتے ہیں۔ وہ واہمے بڑے تسلی بخش ہیں، آرام دہ ہیں، سکون بخش ہیں۔ وہ اپنے خوابوں کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ وہ ہر طرح کے احمقانہ منصوبوں میں کی ہوئی سرمایہ کاری سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتے۔ جب سچ ان سے یہ تقاضا کرتا ہے تو انہیں اس پر غصہ آتا ہے، وہ انتقام لینا چاہتے ہیں۔

ایسا ہونا بالکل فطری ہے۔ مجھے تنازعے میں جینا ہے ــــ اور یہ تو صرف شروعات ہے۔ اس دن کا انتظار کرو جب وہ مجھے دنیا سے نکال دیں گے! میں تو حقیقتاً مزے لے رہا ہوں۔ اس تصور سے کہ وہ مجھے کہاں بھیجیں گے؟ اس دنیا سے باہر جینے کے لیے ہر مشکل سہی

جا سکتی ہے۔

یہ صرف شروعات ہے، یہ صرف چنگاری ہے۔ جلد ہی سارا جنگل جل اُٹھے گا اور یہ آگ ساری دنیا میں پھیل جائے گی کیونکہ میں ہر قسم کے جنون کے خلاف ہوں ــــ صرف ہندومت کے جنون کے خلاف نہیں۔

سقراط صرف اس جھوٹ کے خلاف لڑ رہا تھا جو چھوٹے سے شہر ایتھنز پر چھائے ہوئے تھے۔ بدھ ہندو عقیدوں کے خلاف لڑ رہا تھا۔ یسوع یہودی ورثے کے خلاف لڑ رہے تھے۔ میری لڑائی کثیر جہتی ہے۔ میں یہودیوں کے خلاف لڑ رہا ہوں، میں ہندوؤں کے خلاف لڑ رہا ہوں، میں بودھوں کے خلاف لڑ رہا ہوں، میں جینوں کے خلاف لڑ رہا ہوں۔ میں خاص طور پر کسی سے نہیں لڑ رہا۔ اسی لیے میرے اتنے زیادہ دشمنوں کا جنم لینا لازم ہے، ہر شخص کے دشمنوں سے زیادہ۔

لیکن یقیناً میرے اتنے ہی دوست بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ اتنے کہ پہلے کبھی کسی کے اتنے دوست نہیں رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی توازن رکھا کرتی ہے۔ اگر تمہارے بہت سارے دشمن ہیں تو تمہارے بہت سارے دوست بھی ضرور ہوں گے۔ اگر تمہارے بہت سارے دوست ہیں تو تمہارے بہت سارے دشمن بھی ضرور ہوں گے۔ زندگی ہمیشہ توازن رکھا کرتی ہے، زندگی کبھی توازن نہیں کھویا کرتی۔ چنانچہ جتنے زیادہ دشمن ہیں، اتنے ہی زیادہ دوست بھی ہوں گے۔

یہ سارا معاملہ بڑا دلچسپ ہے اور دلکش بھی۔ یاد رکھو تم سب کو مطمئن نہیں کر سکتے ــــ یہ ممکن نہیں ہے، اور مجھے اس میں دلچسپی ہے بھی نہیں۔ آج سے دو ہزار پانچ سو سال پہلے لقمان نے یہ حکایت کہی تھی:

> ایک خوشگوار دن کا ذکر ہے۔ ایک پہاڑی بستی میں رہنے والا بوڑھا آدمی اپنے پوتے کے ساتھ وادی میں واقع بڑے قصبے کی منڈی میں گدھا بیچنے کے لیے جا رہا تھا۔ انہوں نے گدھے کو نہلایا دھلایا اور تیار کر کے خوشی خوشی روانہ ہوئے۔ کچھ دیر بعد ان کا گزر ایسی جگہ سے ہوا جہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

"ارے دیکھو تو اِن احمقوں کو!" ان میں سے ایک بولا: "گدھے پر سوار ہونے کی بجائے ٹھوکریں کھاتے پیدل چل رہے ہیں۔"

بوڑھے نے یہ بات سن لی۔ اس نے سوچا کہ وہ شخص ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ پس وہ اور لڑکا گدھے پر سوار ہو گئے اور وادی کی طرف چل پڑے۔

تھوڑی دیر بعد انہیں پھر کچھ لوگ راستے میں بیٹھے ملے۔ ان میں سے ایک بولا: "دیکھو تو ان ظالموں کو۔ بیچارے گدھے پر دونوں سوار ہیں۔ ذرا ترس نہیں آتا انہیں۔"

بوڑھے نے سوچا کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے اور چونکہ اس کا وزن زیادہ تھا اس لیے اس نے اپنے پوتے کو گدھے پر سوار رہنے دیا اور خود پیدل چلنے لگا۔

ابھی وہ تھوڑا سا آگے گیا تھا کہ اس نے سنا "بڑا بدتمیز بچہ ہے، خود تو گدھے پر سوار ہے جبکہ بیچارا بوڑھا پیدل چل رہا ہے!"

بوڑھے نے سوچا وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں، اور اس نے سوچا کہ وہ خود گدھے پر سوار ہو جاتا ہے جبکہ بچہ پیدل چلے گا۔

ابھی وہ تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ بوڑھے نے سنا: "عجیب بوڑھا ہے! خود تو مزے سے گدھے پر سوار ہے جبکہ چھوٹا سا بچہ بے چارہ پیدل گھسٹ رہا ہے!"

اتنا کچھ سن کر بوڑھا اور اس کا پوتا دونوں ہی حواس باختہ ہو چکے تھے۔

آخر جب انہوں نے یہ سنا کہ اتنا چل چل کر اور دونوں کو ڈھو ڈھو کر گدھے کا تو برا حال ہو جائے گا اور منڈی میں اس کے دام اچھے نہیں لگیں گے تو وہ بے حال ہو کر راستے ہی میں بیٹھ گئے۔ دونوں بہت اداس اور دل گرفتہ اور حواس باختہ تھے۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کریں۔

تھوڑی دیر ستانے کے بعد وہ دوبارہ قصبے کی طرف روانہ ہوئے، لیکن ایک بالکل مختلف انداز میں۔ سہ پہر کے وقت دونوں منڈی میں ہانپتے کانپتے داخل ہوئے۔ ان کے کندھوں پر ایک ڈنڈا رکھا تھا اور درمیان میں اس ڈنڈے سے گدھا لٹکا ہوا تھا۔

لقمان نے کہا ہے: "تم ہر کسی کو خوش نہیں کر سکتے۔ اگر ایسی کوشش کرو گے تو خود کو دکھ دو گے۔"

میں ہر کسی کو خوش نہیں کر سکتا، نہ ہی مجھے کسی کو خوش کرنے میں دلچسپی ہے۔ میں سیاستدان تو نہیں ہوں نا! سیاستدان ہر کسی کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں تو یہاں ان کی مدد کرنے کے لیے ہوں، جو حقیقتاً چاہتے ہیں کہ ان کی مدد کی جائے۔ مجھے ہجوم سے دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے تو صرف ان مخلص متلاشیوں سے دلچسپی ہے جو خود کو پانے کے لیے ہر خطرہ۔۔۔ ہاں ہر خطرہ۔۔۔ مول لینے کو تیار ہیں۔

اس سے بہت سارے لوگ مشتعل ہوں گے، اس سے بہت تنازعہ کھڑا ہو گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں سمجھوتہ نہ کرنے والا شخص ہوں۔ میں صرف وہی کہتا ہوں جو میرے لیے سچ ہوتا ہے، نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو۔ مجھے برا بھلا کہا جائے یا قتل کر دیا جائے، سب ٹھیک ہو گا۔ لیکن میں سمجھوتہ بالکل بھی نہیں کروں گا۔

میرے پاس کھونے کو کچھ نہیں ہے، پس سمجھوتہ کس لیے؟ مجھے کچھ نہیں پانا ہے، پس سمجھوتہ کس لیے؟ جو ہوتا ہے، ہو رہے۔ مجھ سے کچھ نہیں لیا جا سکتا، کیونکہ میرا خزانہ تو داخلی ہے۔ اس میں کچھ اضافہ بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ میرا خزانہ داخلی جو ہے۔

پس میں جس طرح جینا چاہتا ہوں ویسے ہی جیوں گا۔ میں اپنی بے ساختگی اور اپنے مصدقہ پن کے ساتھ جیوں گا۔ میں کسی کی توقعات پوری نہیں کروں گا۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے کہ مجھے روحانی شخص یا سادھو کہا جائے۔ مجھے کسی شخص سے کسی خطاب کی، کسی تعریف کی ضرورت نہیں۔ میں ہجوم سے پوجا پرستش نہیں کروانا چاہتا۔ یہ سارے احمقانہ کھیل ختم ہو چکے ہیں۔

میں ایسی حالت میں ہوں کہ جہاں مزید کچھ نہیں ہو سکتا۔ سو میں ایسی باتیں کہتا

رہوں گا جو لوگوں کو غصہ دلائیں گی۔ ایسا نہیں ہے کہ میں لوگوں کو غصہ دلانا چاہتا ہوں لیکن میں کیا کروں اگر سچ انہیں اشتعال دلاتا ہے تو وہ انہیں اشتعال دلائے گا۔ زندگی جس طرح مجھ پر رونما ہو رہی ہے میں اسے ویسے ہی جیوں گا۔ اگر یہ ان کی توقعات کے مطابق نہیں ہے تو یا تو وہ اپنی توقعات کو بدل سکتے ہیں یا غصے ہو سکتے ہیں اور اپنی توقعات سے چمٹے رہ سکتے ہیں۔

مجھے ان کی باتوں کی ذرا بھی پروا نہیں ہے، مجھے ان سے ذرا بھی سروکار نہیں ہے۔

یاد رکھو سمجھوتے کی زندگی جینا موت سے بدتر ہے۔ جبکہ سچ کی زندگی جینا ___ لمحہ بھر کے لیے ہی سہی ___ جھوٹ میں ابد تک جینے سے زیادہ بیش قدر ہے۔ سچ کے لیے مر جانا تو جھوٹ میں جینے سے بہت ہی زیادہ بیش قدر ہے۔

بے ساختگی، سچ، محبت اور خوبصورتی کی زندگی جینا سوَرگ میں جینا ہے۔ منافقت، جھوٹ اور سمجھوتوں کی زندگی جینا نرک میں جینا ہے، دوسروں کے مطابق جینا نرک میں جینا ہے۔ آزادی میں جینا سوَرگ ہے اور غلامی میں جینا نرک ہے۔

تم اپنے زنداں کی کوٹھڑی کو خوبصورتی سے سجا سکتے ہو لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، رہتی تو وہ زنداں کی کوٹھڑی ہی ہے لوگ یہی کچھ کر رہے ہیں، وہ اپنی زنداں کی کوٹھڑی کو سجاتے رہتے ہیں۔ وہ اسے خوبصورت نام دے دیتے ہیں۔ وہ اس پر رنگ روغن کرتے رہتے ہیں، دیواروں پر نئی نئی تصویریں سجاتے رہتے ہیں، فرنیچر کو نئے نئے انداز سے ترتیب دیتے رہتے ہیں، زیادہ سے زیادہ چیزیں خریدتے رہتے ہیں ___ لیکن وہ رہتے زندانوں میں ہی ہیں۔

تمہاری شادی ایک زنداں ہے، تمہارا مندر ایک زنداں ہے، تمہاری قومیت ایک زنداں ہے۔ کتنے زنداں تم نے بنا لیے ہیں! تم ایک زنداں میں نہیں رہتے، تمہارے زنداں چینی صندوق کے مانند ہیں۔ چینی صندوق ایسا صندوق ہوتا ہے جس میں ایک صندوق کے اندر دوسرا صندوق ہوتا ہے اور یوں ان گنت صندوق ہوتے ہیں۔ تم ایک پیاز کے مانند ہو، اسے چھیلو ایک کے بعد ایک پرت، ایک کو اتارو تو ایک اور پرت اور پھر ایک اور۔ ایک زنداں کو تباہ کرو گے تو اس کے اندر ایک اور زنداں تم پاؤ گے۔ یہ نرک ہی تو ہے۔

پیاز کے عین مرکز تک پہنچنا، جہاں ساری پرتیں ختم ہو جاتی ہیں اور تمہارے ہاتھوں

میں صرف عدم ہوتا ہے، یہی آزادی ہے، نروان ہے، بودھی چت ہے۔ یہی سوَرگ ہے۔

زمین بہت خوبصورت ہے۔ اگر تم اس کی خوبصورتی کو جینا شروع کرو گے، اس کی ساری مسرتوں سے بغیر خطا کے احساس کے لطف اندوز ہو گے تو یہ سوَرگ بن جائے گی۔ اگر تم ہر شے کو برا بھلا کہو گے، ہر چھوٹی چھوٹی خوشی کو برا کہو گے، اگر تم برا کہنے والے بن جاؤ گے، زہر دینے والے بن جاؤ گے تو یہی زمین نرک بن جائے گی ___ لیکن صرف تمہارے لیے۔ یہ تم پر منحصر ہے کہ تم کہاں رہتے ہو، یہ تمہاری اپنی داخلی قلبِ ماہیئت کا سوال ہے۔

خوشی سے جیو، خطا کے احساس کے بغیر جیو، کاملاً جیو، شدت سے جیو۔ تب یوں ہو گا جیسے تم سوَرگ میں جی رہے ہو۔



زندگی جدلیاتی ہے

یاد رکھنے والی سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ زندگی جدلیاتی (Dialectical) ہے۔ یہ ثنویت (Duality) کے وسیلے وجود پذیر ہوتی ہے، یہ دو متخالفوں کا آہنگ ہے۔ تم ہمیشہ خوش نہیں رہ سکتے۔ بصورتِ دیگر خوشی ساری معنویت کھو دے گی۔ تم ہمیشہ صلح میں نہیں رہ سکتے، بصورتِ دیگر تم صلح سے غیر آگاہ رہو گے۔ صلح کے بعد جھگڑا ضرور آتا ہے اور خوشی کے بعد غم ضرور آتا ہے۔ ہر سکھ کا اپنا ایک دکھ ہوتا ہے اور ہر دکھ کا اپنا ایک سکھ ہوتا ہے۔

جب تک تم ہستی کی اس ثنویت کو نہیں سمجھتے ہو، تم عذاب و اذیت میں رہتے ہو۔ کُل کو قبول کرو، اس کی ساری اذیتوں اور مسرتوں کے ساتھ۔ ناممکن کی آرزو مت کرو، یہ خواہش مت کرو کہ صرف اور صرف خوشی ہو، درد و اذیت نہ ہو۔

خوشی اکیلی وجود پذیر نہیں ہو سکتی، اسے تضاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اذیت تختۂ سیاہ (بلیک بورڈ) بنتی ہے، تب مسرت بہت واضح ہو جاتی ہے، بالکل ایسے ہی جیسے رات کے اندھیرے میں ستارے زیادہ چمکنے لگتے ہیں۔ رات جتنی اندھیری ہو گی، ستارے اتنے ہی زیادہ چمکیں گے۔ دن میں وہ غائب نہیں ہو جاتے وہ تو بس نظر نہیں آتے۔ تم انہیں اس لیے نہیں دیکھ سکتے کہ ان کا تضاد نہیں ہوتا ہے۔

ذرا موت سے عاری زندگی کا تصور تو کرو۔ تب یہ ایک ناقابلِ برداشت عذاب محسوس ہو گی، ایک ناقابل برداشت وجود۔ موت کے بغیر جینا ناممکن ہے۔ موت زندگی کی تعریف متعین کرتی ہے، اسے ایک قسم کی شدت دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی تیزی سے رواں ہے۔ ہر لمحہ قیمتی ہے۔ اگر زندگی ابدی ہوتی تو کون پروا کرتا؟ اگر انسان آنے والی

کل کا ہمیشہ انتظار کر سکتا تو پھر "اب" اور "یہاں" میں کون جیتا؟ چونکہ آنے والی کل میں موت ہے، اس لیے تمہیں "اب" اور "یہاں" میں جینا ہوتا ہے۔ تمہیں لمحۂ موجود میں غوطہ زن پڑتا ہے، تمہیں اس کی گہرائی کے آخیر تک جانا پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کون جانے اگلا لمحہ آتا بھی ہے کہ نہیں؟

یہ آہنگ دیکھتے ہوئے انسان سکون میں ہوتا ہے، دونوں کے حوالوں سے سکون میں ہوتا ہے۔ جب غم آتا ہے تو انسان اسے خوش آمدید کہتا ہے۔ جب خوشی آتی ہے تو انسان اسے خوش آمدید کہتا ہے۔ وہ انہیں خوش آمدید اس جانکاری کے تحت کہتا ہے کہ یہ ایک ہی کھیل کے دو ساتھی ہیں۔

یہ ایسی بات ہے جسے مسلسل یاد کرتے رہنا چاہیے۔ اگر یہ تم میں ایک بنیادی یاد بن جائے تو تمہاری زندگی ایک بالکل نئی خوشبو کی حامل ہو گی ___ آزادی کی خوشبو، چمٹے نہ ہونے کی خوشبو، بندھے ہوئے نہ ہونے کی خوشبو۔

اور جو شخص خاموش اور پرسکون رہنے کا اہل ہوتا ہے اور درد و اذیت، اضطراب اور الم کو قبول کرنے کے قابل ہوتا ہے تو وہ الم کی کیفیت ہی کی کایا کلپ کر دیتا ہے۔ اس کے لیے الم ایک خزانہ بن جاتا ہے۔ اس کے لیے درد بھی ذہانت عطا کرنے والا ہوتا ہے۔ اس کے لیے تاریکی بھی اپنے ایک حسن، گہرائی اور لامحدودیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس کے لیے موت بھی اختتام نہیں ہوتی بلکہ کسی نامعلوم شے کا آغاز ہوتی ہے۔

تعلق داری اور باہمی انحصار مترادف الفاظ نہیں ہیں۔ تعلق داری ایک شے ہے، باہمی انحصار مکمل طور پر دوسری۔ تعلق کا فیصلہ تم کرتے ہو۔ تعلق داری باہمی انحصار نہیں ہے، یہ تو دو آزاد افراد کے مابین ایک معاہدہ ہے۔ اسی لیے تمام تعلقات جھوٹے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر آزادی جھوٹی ہے۔ کوئی شخص آزاد نہیں ہے ___ اور اگر تم آزاد ہی نہیں ہو تو تم تعلق کیسے قائم کر سکتے ہو؟ کس سے تم تعلق قائم کر سکتے ہو؟ کس سے تم تعلق قائم کر سکتے ہو؟

زندگی باہمی انحصار ہے۔ کوئی شخص آزاد نہیں ہے۔ تم لمحہ بھر کے لیے بھی اکیلے زندہ نہیں رہ سکتے ہو۔ تمہیں اپنی مدد کے لیے ساری ہستی کی ضرورت ہے، ہر لمحہ تم اسی میں تو سانس

لے رہے ہو۔ یہ تعلق داری نہیں ہے، یہ تو سراسر باہمی انحصار ہے۔ یادرکھو میں اسے انحصار نہیں کہہ رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انحصار کے تصور کے پیچھے یہ مفروضہ ہوتا ہے کہ ہم آزاد ہیں۔ اگر ہم آزاد ہوں گے تب ہی انحصار ممکن ہوگا نا! دونوں ناممکن ہیں، یہ باہمی انحصار ہوتا ہے۔

تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا لہریں سمندر سے آزاد ہیں یا وہ سمندر پر انحصار رکھتی ہیں؟ دونوں باتیں ہی درست نہیں ہیں۔ لہریں سمندر ہیں، نہ وہ آزاد ہیں نہ انحصار رکھتی ہیں۔ سمندر لہروں کے بغیر وجود پذیر نہیں ہوسکتا، لہریں سمندر کے بغیر وجود پذیر نہیں ہوسکتیں۔ وہ دونوں کاملاً ایک ہیں، یہ ایک وحدت ہے۔

اور ایسے ہی ہماری ساری زندگی ہوتی ہے۔ ہم شعور کے کائناتی سمندر کی لہریں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ محبت کی تین جہتیں (Dimensions) ہوسکتی ہیں۔ ایک انحصار، جیسا کہ اکثریت کے ساتھ ہوتا ہے۔ شوہر بیوی پر انحصار رکھتا ہے، بیوی شوہر پر۔ وہ ایک دوسرے کا استحصال کرتے ہیں، وہ ایک دوسرے پر غالب ہوتے ہیں، وہ ایک دوسرے کے مالک ہوتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کو شے میں، چیز میں بدل دیتے ہیں۔ ننانوے فیصد معاملات میں دنیا میں یہی ہورہا ہے۔ اسی لیے تو محبت، جو کہ سؤرگ کے دروازے کھول سکتی ہے، صرف نرک کے دروازے کھولتی ہے۔

دوسری جہت ہے دو آزاد اشخاص کے مابین محبت۔ یہ کبھی کبھی رونما ہوتی ہے۔ تاہم یہ بھی عذاب و اذیت ہی لاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تب مستقل تنازعہ ہوتا ہے۔ کوئی مطابقت ممکن نہیں ہوتی۔ دونوں آزاد ہوتے ہیں اور سمجھوتہ کرنے کے لیے کوئی بھی آمادہ نہیں ہوتا، ایک دوسرے کے ساتھ مطابق پیدا کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا۔

شاعر، فنکار، مفکر، جو کہ ایک قسم کی آزادی میں جیتے ہیں ـــ کم از کم اپنے ذہنوں میں ـــ ان کے ساتھ رہنا، جینا ناممکن ہوتا ہے، یہ اتنے عجیب ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ رہنا، جینا ناممکن ہوتا ہے۔ وہ دوسرے کو آزادی دیتے ہیں لیکن ان کی آزادی، آزادی کی نسبت بے اعتنائی، لاپروائی زیادہ لگتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے انہیں کوئی پروا نہ ہو، ایسا لگتا ہے جیسے انہیں کوئی سروکار نہ ہو۔ وہ ایک دوسرے کو اپنے اپنے مقام پر چھوڑ دیتے ہیں۔ تعلق محض سطحی لگتا ہے، وہ ایک دوسرے کی گہرائی میں جاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محبت

سے زیادہ اپنی آزادی سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں، اور سمجھوتہ کرنا نہیں چاہتے۔

تیسری جہت ہے باہمی انحصار۔ یہ تو شاذ ہی رونما ہوتا ہے لیکن جب کبھی یہ رونما ہوتا ہے تو زمین سؤرگ بن جاتی ہے۔ دو اشخاص، نہ تو آزاد ہوتے ہیں اور نہ انحصار رکھنے والے بلکہ ایک تحیر خیز ہم آہنگی میں ہوتے ہیں، جیسے ایک ساتھ سانس لے رہے ہوں، دو جسم ایک جان ہوں ـــ جب بھی ایسا ہوتا ہے، محبت رونما ہوتی ہے۔ صرف اسی کو محبت کہا کرو۔ باقی دو حقیقی محبت نہیں ہیں۔ وہ تو محض بندوبست ہیں ـــ سماجی، نفسیاتی، حیاتیاتی بندوست۔ تیسری جہت روحانی ہے۔

درست ہے کہ دو پرندے ہوا میں ایک دوسرے کے ساتھ انتہائی قربت میں پرواز کررہے ہوتے ہیں، کامل ہم آہنگی میں لیکن پرندے آگاہ نہیں ہوتے۔ وہ شعور کے حامل نہیں ہوتے۔ وہ شعور سے نیچے وجود رکھتے ہیں۔ ان کی ہم آہنگی تمہیں ہم آہنگی لگتی ہے، انہیں نہیں۔ وہ پرواز کرتے ہوئے صرف تمہیں ہی خوش دکھائی دیتے ہیں، وہ خوش ہوتے نہیں ہیں۔ یادرکھو! یہ صرف تمہاری تعبیر (Interpretation) ہے۔ وہ تعبیر نہیں کرسکتے۔ وہ شعور کے حامل ہی نہیں ہوتے کہ تعبیر کرسکیں، ماضی پر غور کرسکیں، مستقبل پر غور کرسکیں، اشیا کا مشاہدہ اور ان پر غور وفکر کرسکیں۔ ان کا رویہ میکانکی ہوتا ہے۔

انسان اعلیٰ تر وجود ہے، انسان شعور کا حامل ہونے کی استعداد رکھتا ہے ـــ اور شعور سے مشکل کی شروعات ہوتی ہے۔ تم جتنا بلندی پر جاتے ہو، ہر قدم اتنا ہی خطرناک ہو جاتا ہے۔ اگر تم وہاں سے گرو تو کھائی کی گہرائی میں کہیں گم ہو جاؤ گے۔ اس کے برعکس وادی میں تم شعور کے بغیر گھوم پھر سکتے ہو، یہاں کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ تاہم جب تم چوٹی کی طرف جارہے ہوتے ہو تو تمہیں زیادہ سے زیادہ باشعور بننا پڑتا ہے۔

انسان بھگوان کے بہت قریب ہے، قریب ترین ہے۔ اسی نسبت سے ذمہ داری اور خطرہ اور دقتیں زیادہ ہیں۔ تم گر بھی سکتے ہو۔

میں جانتا ہوں پرندوں سے حسد ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم پرندوں کی طرح ہوا میں نہیں اڑ سکتے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تم ان سے کمتر ہو، تم ان سے اعلیٰ ہو۔ تم بدھ بن سکتے ہو، تم میں بدھ بننے کا امکان مخفی ہے۔ پرندے تو بیچارے بڑے مفلس ہیں لیکن انسان اتنا

گر چکا ہے کہ وہ پرندوں سے بھی حسد کرنے لگتا ہے۔

شعور تمہیں آزادی عطا کرتا ہے۔آزادی کا مطلب صرف درست ہونے کی آزادی نہیں ہے۔اگر آزادی کا یہی مطلب ہوتا تو یہ کیسی آزادی ہوتی؟ اگر تم صرف درست کام کرنے کے لیے آزاد ہو تو تم آزاد نہیں ہو۔آزادی دونوں متبادلوں پر محیط ہے ___ درست کام کرنے کی آزادی، غلط کام کرنے کی آزادی۔آزادی کا مطلب ہے ہاں اور نہیں کہنے کی آزادی۔

یہ نکتہ اتنا باریک ہے کہ اسے سمجھنا مشکل ہے۔نہیں کہنا ہاں کہنے سے زیادہ آزادی محسوس ہوتا ہے۔ میں فلسفہ نہیں بگھار رہا ہوں۔ یہ تو ایک سادہ سی حقیقت ہے جس کا مشاہدہ تم اپنے آپ میں کر سکتے ہو۔ جب کبھی تم نہیں کہتے ہو، تم زیادہ آزادی محسوس کرتے ہو۔ جب کبھی تم ہاں کہتے ہو، تم آزادی محسوس نہیں کرتے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاں کا مطلب ہے تم اطاعت اختیار کر چکے ہو، ہاں کا مطلب ہے تم خود کو دوسرے کے حوالے کر چکے ہو___ کہاں ہے آزادی؟ نہیں کا مطلب ہے کہ تم اٹل ہو، الگ تھلگ ہو، نہیں کا مطلب ہے تم اپنا اثبات کر رہے ہو، نہیں کا مطلب ہے تم لڑنے کے لیے تیار ہو۔ ہاں تو لایعنی ہوتی ہے، یہ بادل جیسی ہوتی ہے۔نہیں ٹھوس ہوتی ہے، چٹان کی طرح۔

نفسیات داں کہتے ہیں کہ چودہ سے سترہ سال کے دوران بچہ زیادہ سے زیادہ نہیں کہنا سیکھتا ہے۔نہیں کہہ کر وہ اپنی ماں کی نفسیاتی کوکھ سے باہر آ رہا ہوتا ہے۔حد تو یہ ہے کہ جب نہیں کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ تب بھی نہیں کہتا ہے۔حد تو یہ ہے کہ جب ہاں کہنا اس کے فائدے میں ہوتا ہے، تب بھی وہ نہیں کہتا ہے۔

بہت کچھ داؤ پر لگا ہوتا ہے۔اسے زیادہ سے زیادہ نہیں کہنا سیکھنا ہوتا ہے۔جب وہ چودہ سال کی عمر میں جنسی اعتبار سے بالغ ہوتا ہے تو اپنی ماں کو "حتمی نہیں" کہتا ہے۔ وہ کسی لڑکی سے محبت کرنے لگتا ہے۔ یہ اپنی ماں کے لیے اس کی "حتمی نہیں" ہوتی ہے۔ وہ ماں کی طرف سے رُخ بدل رہا ہوتا ہے۔وہ کہتا ہے: "آپ سے میرا ربط ختم، میں نے اپنی عورت کا انتخاب کر لیا ہے۔ میں فرد بن چکا ہوں۔اب میں آزاد ہوں۔ میں اپنی زندگی جینا چاہتا ہوں، میں اپنی مرضی سے کام کرنا چاہتا ہوں۔"

اگر والدین ضد کریں "بال چھوٹے کرواؤ" تو وہ لمبے بال رکھ لیتا ہے۔ اگر والدین کہیں کہ "لمبے بال رکھو" تو وہ بال چھوٹے کروا لیتا ہے۔ ہپیوں کو دیکھو۔ جب وہ باپ ماں بنیں گے تو ان کے بچے چھوٹے بال رکھیں گے___ اسی لیے کہ انہیں نہیں کہنا سیکھنا ہے۔

اگر والدین تاکید کریں کہ "بھگوان کو صفائی بہت پسند ہے" تو بچے ہر طرح گندگی میں جینا شروع کر دیں گے۔وہ گندے بن جائیں گے۔وہ نہانا چھوڑ دیں گے، وہ اپنے آپ کو صاف ستھرا نہیں رکھیں گے، وہ صابن استعمال نہیں کریں گے۔ وہ اس کے جواز بھی تلاش کر لیں گے۔ وہ کہیں گے صابن جلد کے لیے خطرناک ہوتا ہے، یہ غیر فطری ہے، کوئی جانور صابن استعمال نہیں کرتا۔ وہ تمام ممکن جواز تلاش کر لیں گے تاہم یہ سارے جواز نقاب ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ "نہیں" کہنا چاہتے ہیں۔ بلاشبہ جب تم "نہیں" کہنا چاہتے ہو تو تمہیں جواز تلاش کرنا ہی پڑتے ہیں۔

اسی لیے نہیں تمہیں آزادی کا احساس دیتی ہے، نہ صرف یہ بلکہ یہ تمہیں ذہانت کا احساس بھی دیتی ہے۔ ہاں کہنے کے لیے کسی ذہانت کی ضرورت نہیں۔ جب تم ہاں کہتے ہو تو کوئی تم سے نہیں پوچھتا کہ تم نے ہاں کیوں کہی ہے۔ جب تم ہاں کہہ ہی چکے ہو تو کسی کو کیا پڑی کہ تم سے پوچھے کیوں؟ کسی جواز یا دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، تم تو ہاں کہہ ہی چکے ہو۔ جب تم "نہیں کہتے" ہو تو کیوں پوچھا جانا لازمی ہے۔ یہ تمہاری ذہانت کو اجالتی ہے، یہ تمہیں ایک پہچان دیتی ہے، ایک اسلوب دیتی ہے، آزادی دیتی ہے۔ "نہیں" کی نفسیات کا مشاہدہ کرو۔

شعور کی وجہ سے انسانوں کا ہم آہنگ رہنا مشکل ہے۔

شعور تمہیں آزادی دیتا ہے، شعور تمہیں نہیں کہنے کی استعداد دیتا ہے۔

ہاں کے بغیر ہم آہنگی نہیں ہوتی۔ ہاں ہم آہنگی ہے۔ تاہم اس سطح پر پہنچنے میں وقت لگتا ہے کہ تم ہاں بھی کہو اور آزاد بھی رہو، تم ہاں بھی کہو اور منفرد بھی رہو، تم ہاں بھی کہو اور غلام نہ بنو۔

نہیں سے آنے والی آزادی طفلانہ آزادی ہوتی ہے۔ یہ سات سال سے چودہ سال والوں کے لیے اچھی ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کی گرفت میں آ جائے اور ساری

زندگی نہیں کہتا رہے تو اس کی نشوونما رک جاتی ہے۔

حتمی نشوونما اس میں ہے کہ ایسی مسرت سے ہاں کہی جائے جیسے بچہ کہتا ہے۔ یہ دوسرا بچپنا ہوتا ہے۔ جو شخص آزادی کے ساتھ اور خوشی کے ساتھ ہاں کہہ سکتا ہے۔ خالص آزادی اور خوشی کے ساتھ ــــ وہ دانا بن جاتا ہے، وہ شخص ایک بار پھر ہم آہنگی میں جینے لگتا ہے۔ یہ ہم آہنگی درختوں، جانوروں اور پرندوں کی ہم آہنگی سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ وہ تو اس لیے ہم آہنگی میں جیتے ہیں کہ ''نہیں'' نہیں کہہ سکتے جبکہ دانا انسان اس لیے ہم آہنگی میں جیتا ہے کہ وہ نہیں نہیں کہتا ہے۔ دونوں کے درمیان ــــ بدھاؤں اور پرندوں کے درمیان ــــ سارے انسان ہیں ــــ نابالغ، بچگانہ، کہیں نہ کہیں چمٹے ہوئے، ''نہیں'' کہنے کی کوشش کرتے ہوئے، آزادی کا تھوڑا سا احساس رکھتے ہوئے۔

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ''نہیں'' کہنا مت سیکھو۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ سیکھو کہ جب نہیں کہنے کا وقت ہو تو ''نہیں'' کہو لیکن اس سے چمٹے نہیں رہو۔ آہستہ آہستہ تم دیکھو گے کہ ایک اعلیٰ آزادی رونما ہو رہی ہے، جو کہ ہاں سے آتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی عظیم ہم آہنگی بھی آتی ہے۔



مسلسل ایڈوینچر

محبت تعلق نہیں ہے۔ محبت تعلق قائم کرتی ہے لیکن یہ تعلق نہیں ہوتی۔ تعلق ایک ایسی شے ہے جو کہ اختتام کو پہنچی ہوئی ہو۔ تعلق ایک اسم ہے، فل سٹاپ آ چکا ہے، ہنی مون ختم ہو چکا ہے۔ اب نہ کوئی مسرت ہے، نہ ولولہ و جوش۔ اب سب ختم ہو چکا ہے۔

تم تعلق کو اٹھائے پھر سکتے ہو، صرف وعدے نبھانے کے لیے۔ تم اسے اس لیے اٹھائے پھر سکتے ہو کہ یہ سہولت بخش ہوتا ہے، فائدہ مند ہوتا ہے، سکون بخش ہوتا ہے۔ تم اسے اس لیے اٹھائے پھر سکتے ہو کہ کرنے کو اور کچھ نہیں ہوتا۔ تم اسے اس لیے اٹھائے پھر سکتے ہو کہ اگر یہ ٹوٹ گیا تو تمہارے لیے بہت مشکلیں کھڑی کرے گا۔

تعلق کا مطلب ہے کوئی اختتام کو پہنچی ہوئی شے، بند ہو گئی ہوئی، پوری ہو گئی ہوئی۔ محبت تعلق بالکل نہیں ہوتی، کبھی نہیں ہوتی۔ محبت تعلق قائم کرنے کا عمل ہوتی ہے۔ یہ ہمیشہ ایک بہتا ہوا دریا ہوتی ہے، جس کا کوئی اختتام نہیں ہوتا۔ محبت کسی فل سٹاپ کو نہیں جانتی، ہنی مون شروع ہوتا ہے لیکن کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہ کوئی ناول نہیں ہوتا جو ایک خاص نکتے سے شروع ہو اور ایک خاص نکتے پر ختم ہو جائے۔ یہ تو رواں رہتی ہے۔ محبت کرنے والے ختم ہو جاتے ہیں، محبت جاری رہتی ہے۔ یہ ایک تسلسل ہے، یہ ایک فعل (Verb) ہے، اسم نہیں۔

سوال یہ ہے کہ ہم تعلق قائم کرنے کے عمل کی خوبصورتی کو پست کر کے تعلق کیوں بنا دیتے ہیں؟ ہم اتنی جلدی میں کیوں ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلق قائم کرنے کا عمل غیر محفوظ ہے، تعلق تحفظ ہے، تعلق تیقن ہے۔ تعلق قائم کرنے کا عمل دو اجنبیوں کا صرف ملنا ہے۔

ممکن ہے قیام رات بھر کا ہو اور صبح سویرے ہم خدا حافظ کہہ کر چل دیں۔ کون جانے کل کیا ہونے والا ہے؟ ہم اتنے خوفزدہ ہیں کہ ہم اسے یقینی بنانا چاہتے ہیں، ہم اسے پیشگوئی کے قابل بنانا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آنے والی کل ہمارے تصورات کے مطابق ہو۔ ہم اسے اپنی کہنے کی آزادی نہیں دیتے۔ پس ہم اسے فوراً فعل (Verb) سے اسم (Noun) میں بدل دیتے ہیں۔

تم کسی مرد یا عورت سے محبت کرتے ہو اور فوراً اس سے شادی کرنے کا سوچنے لگتے ہو۔ اسے قانونی معاہدہ بنانے کا سوچنے لگتے ہو۔ کیوں؟ قانون محبت میں کیسے آیا؟ قانون محبت میں اس لیے آتا ہے کہ محبت ہوتی ہی نہیں ہے۔ یہ تو محض سراب ہے، اور تم جانتے ہو کہ سراب جلد غائب ہو جائے گا۔ اس سے پہلے کہ وہ غائب ہو، قانونی معاہدہ کر لو، اس سے پہلے کہ وہ غائب ہو کچھ ایسا کر لو کہ الگ ہونا ممکن نہ رہے۔

لوگ ایک بہتر دنیا میں، زیادہ مراقباتی لوگوں کے ساتھ، زمین پر تھوڑی اور ذہانت پھیلا کر محبت کریں گے، بے پناہ محبت کریں گے لیکن ان کی محبت تعلق قائم کرنے کا عمل رہے گی، تعلق نہیں بنے گی۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ان کی محبت محض لمحاتی ہوگی۔ اس امر کا ہر امکان ہے کہ ان کی محبت تمہاری محبت سے گہری ہو، قربت کی اعلیٰ تر صفت کی حامل ہو، ہو سکتا ہے زیادہ شاعری کی حامل ہو۔ اس امر کا ہر امکان ہے کہ ان کی محبت تمہارے نام نہاد تعلق سے زیادہ عرصہ قائم دائم رہے۔ تاہم اس کی ضمانت نہ قانون نے دی ہوگی، نہ عدالت نے، نہ پولیس نے۔

ضمانت تو داخلی ہوگی، یہ تو دل کا عہد ہوگا، یہ ایک خاموش ملاپ ہوگا۔ اگر تم کسی کے ساتھ سے خوش ہوتے ہو تو تم زیادہ سے زیادہ خوش ہونا چاہو گے۔ اگر تم قربت سے خوش ہوتے ہو تو تم زیادہ سے زیادہ قربت کو دریافت کرنا چاہو گے۔

اور محبت کے کچھ پھول ایسے ہیں جو صرف طویل قربت کے بعد ہی کھلتے ہیں۔ موسمی پھول بھی ہوتے ہیں، چھ ہفتوں کے اندر اندر وہ کھل جاتے ہیں لیکن چھ ہی ہفتوں کے اندر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلے جاتے ہیں۔ ایسے بھی پھول ہیں جو آنے میں سال لیتے ہیں، اور ایسے بھی پھول ہیں جو آنے میں کئی سال لیتے ہیں۔ جتنا زیادہ عرصہ آنے میں لگتا ہے، اتنا ہی

عرصہ جانے میں لگتا ہے۔

تاہم اسے ایک دل کا دوسرے دل کے ساتھ عہد بننا چاہیے۔ حد تو یہ ہے کہ اسے لفظوں میں بھی نہیں ڈھلنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظوں میں ڈھلنے سے یہ آلودہ ہو جائے گا۔ اسے ایک خاموش عہد ہونا چاہیے، آنکھ سے آنکھ کے درمیان، دل سے دل کے درمیان، ہستی سے ہستی کے درمیان۔ اسے کہا ہوا نہیں ہونا چاہیے، سمجھا ہوا ہونا چاہیے۔

لوگوں کو شادی کرنے کے لیے گرجا گھر یا عدالت جاتے دیکھنا بہت گندا ہے۔ یہ بہت گندا ہے، غیر انسانی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتے، وہ اپنے اندر کی آواز سے زیادہ پولیس مین پر اعتبار کرتے ہیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ اپنی محبت پر اعتبار نہیں کر سکتے، وہ قانون پر اعتبار کرتے ہیں۔

تعلق کو بھلا دو اور تعلق قائم کرنے کے عمل کو سیکھو۔ جب تعلق قائم ہو جاتا ہے تو تم ایک دوسرے کو یونہی سا سمجھنے لگتے ہو۔ اسی نے تو ساری محبتوں کو برباد کیا ہے۔ عورت سوچتی ہے کہ وہ مرد کو جانتی ہے۔ مرد سوچتا ہے کہ وہ عورت کو جانتا ہے۔ حالانکہ کوئی کسی کو نہیں جانتا۔ ایک دوسرے کو جاننا ناممکن ہے، دوسرا ہمیشہ راز ہی رہتا ہے۔ جبکہ دوسرے کو یونہی سا لینا بے توقیری کرنا ہے، تحقیر کرنا ہے۔

یہ سوچنا کہ تم اپنی بیوی کو جانتے ہو نہایت لایعنی بات ہے۔ تم کیسے عورت کو جان سکتے ہو؟ تم کیسے مرد کو جان سکتی ہو؟ دونوں جاری عمل ہیں، اشیا نہیں ہیں۔ جس عورت کو تم گزری کل جانتے تھے، وہ آج نہیں ہے۔ گنگا میں سے بہت سے پانی گزر چکا ہے۔ یہ کوئی اور عورت ہے، بالکل مختلف۔ دوبارہ تعلق قائم کرو، نئے سرے سے آغاز کرو، اسے یونہی سا مت سمجھو۔

اور جس آدمی کے ساتھ تم کل رات سوئی تھیں صبح اس کے چہرے کو دوبارہ دیکھو۔ وہ پہلے والا شخص نہیں رہا ہے، بہت کچھ بدل گیا ہے۔ بہت کچھ، اتنا کچھ بدل گیا ہے کہ تم شمار نہیں کر سکتیں۔

شے اور شخص میں یہ فرق ہوتا ہے۔ کمرے کا فرنیچر ویسا ہی ہے، لیکن آدمی اور عورت ویسے نہیں ہیں۔ دوبارہ دریافت کرو، پھر سے شروع کرو۔ تعلق قائم کرنے سے میری

مراد یہ ہے۔

تعلق قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ تم ہمیشہ شروع کر رہے ہوتے ہو، تم مسلسل شناسائی، واقفیت پیدا کرنے کی کوششیں کر رہے ہوتے ہو۔ تم بار بار ایک دوسرے سے اپنا تعارف کراتے ہو۔ تم دوسرے کی شخصیت کے بہت سے پہلوؤں کو دیکھنے کی کوششیں کر رہے ہوتے ہو۔ تم اس کے داخلی احساسات کی سلطنت میں مزید آگے تک جانے کی کوششیں کر رہے ہوتے ہو، اس کی ہستی کے زیادہ گہرے حصوں تک جانے کی کوششیں کر رہے ہوتے ہو۔ تم اس راز کو کھولنے کی کوشش کر رہے ہو، جسے کھولا نہیں جا سکتا۔

یہ ہے محبت کی مسرت: شعور کی دریافت۔ اگر تم تعلق قائم کرتے ہو، اور اسے پست کر کے تعلق قرار نہیں دیتے تو دوسرا تمہارا آئینہ بن جائے گا۔ اسے دریافت کرتے ہوئے تم اپنے آپ کو بھی دریافت کر رہے ہو گے۔ دوسرے میں گہرا اترتے ہوئے، اس کے احساسات کو جانتے ہوئے، اس کے خیالات کو جانتے ہوئے، اس کی داخلی تحریکات کو جانتے ہوئے تم اپنے آپ سے بھی آگاہ ہو رہے ہو گے۔ محبت کرنے والے ایک دوسرے کا آئینہ بن جاتے ہیں اور تب محبت مراقبہ بن جاتی ہے۔ تعلق بدصورت ہے، تعلق قائم کرنا خوبصورت ہے۔

تعلق میں دونوں اشخاص ایک دوسرے کی طرف سے اندھے ہو جاتے ہیں۔ ذرا سوچو کہ تم نے کتنے عرصے سے اپنی بیوی کی آنکھوں میں نہیں جھانکا؟ کتنے عرصے سے تم نے اپنے شوہر کی آنکھوں میں نہیں جھانکا؟ ہو سکتا ہے کئی سال بیت گئے ہوں۔ کون دیکھتا ہے اپنی بیوی کو؟ تم سوچتے ہو کہ تم تو اسے جانتے ہی ہو۔ اب دیکھنے کو کیا ہے؟ تم اپنے جاننے والے لوگوں سے زیادہ اجنبیوں میں دلچسپی لیتے ہو۔ تم اپنے جاننے والوں کے جسموں کو جانتے ہو، تم جانتے ہو کہ وہ کیسے جواب دیتے ہیں، تم ہر بات جانتے ہو۔ تمہیں لگتا ہے کہ ہر شے بار بار رونما ہو رہی ہے۔

ایسا نہیں ہے۔ کبھی کچھ دوسری بار رونما نہیں ہوتا۔ ہر شے ہر روز نئی ہوتی ہے۔ صرف تمہاری آنکھیں پرانی ہو جاتی ہیں۔ تمہارے مفروضے پرانے ہو جاتے ہیں، تمہارے آئینے پر گرد جم جاتی ہے اور تم دوسرے کو منعکس کرنے سے قاصر ہو جاتے ہو۔

اسی لیے تو میں کہتا ہوں تعلق قائم کرو۔ یہ کہنے سے میری مراد ہے ایک مسلسل ہنی مون پر رہو۔ دوسرے کو مسلسل جانتے رہو۔ ایک دوسرے سے محبت کرنے کے نئے طریقے ڈھونڈتے رہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہونے کے نئے طریقے ڈھونڈتے رہو۔ ہر شخص ایسا لامحدود راز ہے کہ یہ کہنا ممکن نہیں ہے تم کبھی کہہ سکو ''میں اس عورت کو جان چکا ہوں۔'' یا ''میں اس مرد کو جان چکی ہوں۔'' زیادہ سے زیادہ تم یہ کہہ سکتے ہو: ''میں نے بہت کوشش کی، لیکن راز راز ہی رہا۔''

درحقیقت جتنا زیادہ تم جانتے ہو، دوسرا اتنا ہی رازوں بھرا لگتا ہے۔ یوں محبت ایک مسلسل ایڈونچر بن جاتی ہے۔



صرف سچ آزادی دلاتا ہے

وہ وقت گیا جب ایسی کہانیاں لکھی جاتی تھیں کہ شہزادہ مینڈک بن گیا، اور جب شہزادے نے مینڈک کو چوما تو وہ شہزادہ بن گیا۔ دنیا بہت بدل چکی ہے۔ اب تو اس کے الٹ ہوتا ہے۔ اب شہزادی چومے تو شہزادہ مینڈک بن جاتا ہے۔ یہ کہانی اب اطلاق کے قابل نہیں رہی۔ تاہم اس کی گہرائی کو جاننا اچھا رہے گا۔ اس قسم کی کہانیاں کیوں لکھی گئیں؟ ان کی نفسیات کیا ہے؟ اس کی نفسیات یہ ہے کہ انسانوں کی کسی بدصورت، گندی شے کو ڈھانپا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس لمحے تم کسی مرد یا عورت کو چومتے ہو، جس لمحے تم کسی مرد یا عورت کی محبت میں گرفتار ہوتے ہو اسی لمحے یہ عمل شروع ہو جاتا ہے کہ مرد مینڈک بن جاتا ہے اور عورت مینڈکی بن جاتی ہے۔

یہ حقیقت ہے اور تم اس حقیقت سے واقف ہو۔ یہ کہانیاں حقیقت کو چھپانے کے لیے گھڑی گئی تھیں۔ یہ کہانیاں تمہیں دھوکا دینے کے لیے گھڑی گئی تھیں — کہ تم کسی مینڈک کو چومو تو وہ شہزادہ بن جائے گا۔ یہ کہانیاں زندگی کی حقیقتوں کے حوالے سے تمہیں دھوکا دینے کے لیے گھڑی گئی تھیں۔ چھوٹے بچے ان کہانیوں کو پڑھتے ہیں اور ان پر یقین کر لیتے ہیں۔ بعد میں وہ ان کے فریب سے نکل آتے ہیں۔

یہ کہانیاں فنتاسیاں (Fatasies) ہیں، انسان چیزوں کو ایسا دیکھنا چاہتا ہے۔ مینڈک کو چومو — وہ خوبصورت شہزادہ بن جائے گا۔ یہ خواہشیں ہیں، ایسا ہوتا نہیں ہے۔ ہوتا اس کے الٹ ہے۔ حقیقت چھپانے کے لیے ہی، حقیقت کو دیکھنے سے بچنے کے لیے ہی ایسی

خوبصورت کہانیاں گھڑی گئی تھیں۔

ہمارا دھرم ننانوے فیصد اور ادب سو فیصد انہی دھوکوں پر مشتمل ہے۔ یہ چیزوں کے بارے میں ایسی باتیں کرتا ہے جیسے وہ نہیں ہیں، نہ کبھی تھیں، نہ کبھی ہوں گی۔

تاہم انسان ایسا حیوان ہے جو کہ واہموں کے ذریعے زندہ رہتا ہے۔ وہ حقیقت کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا۔ حقیقت زخم دیتی ہے، اذیت دیتی ہے۔ کیا تم نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا؟ کسی عورت سے محبت کرو۔ وہ جب تک حاصل نہیں ہوتی، بہت خوبصورت لگتی ہے، جب وہ تمہاری دسترس سے باہر ہوتی ہے تو قلوپطرہ جیسی لگتی ہے، اور جب تم اس سے شادی کر لیتے ہو تو تم اس سے اکتا جاتے ہو، مرنے کی حد تک اکتا جاتے ہو۔ اب تم خود یقین نہیں کر سکتے کہ یہی عورت تمہیں قلوپطرہ دکھائی دیتی تھی۔ اب وہ تمہیں ہر حوالے سے نہایت بدصورت لگتی ہے۔

عورت کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ وہ تمہیں ایک خوبصورت شہزادہ تصور کر رہی تھی۔ کہانیوں میں خوبصورت گھوڑوں پر آنے والے خوبصورت شہزادوں جیسا۔ وہ سوچتی تھی کہ اسے اپنے خوابوں کا شہزادہ مل گیا ہے۔ جب وہ حقیقت کے ساتھ زندگی گزارتی ہے کہ وہ رات کو خراٹے لیتا ہے، اس میں سے بدبو آتی ہے اور اس کی عادتیں بہت گندی ہیں — وہ سگریٹ پیتا ہے، بیوی تمباکو کی شدید بو کی وجہ سے شوہر کو چوم بھی نہیں سکتی۔ دفعتاً عورت کو پتا چلتا ہے کہ خوبصورت شہزادہ حقیقت نہیں تھا، وہ تو سراب تھا۔ یہ سراب خود عورت نے بنایا تھا۔ شوہر ہر روز زیادہ عام سا ہونے لگتا ہے۔ حقیقت یہ ہے: شہزادے کو چومو، وہ مینڈک بن جائے گا۔ لیکن پھر یوں جیا کیسے جا سکتا ہے؟

اگر ساری حقیقتوں کا پتا چل جائے تو زندگی ناممکن ہو جائے۔ پس ہم فنتاسیاں، کہانیاں، فکشن گھڑ لیتے ہیں — دل کی تسلی کے لیے، تھوڑی سکوں بخش فضا کے لیے، اگر یہ حقیقی نہیں ہے تو کم از کم تم خواب تو دیکھ ہی سکتے ہو۔ تم یقین کر سکتے ہو کہ آج یہ حقیقی نہیں تو کیا، کل تو یہ حقیقی بن سکتی ہے۔ مینڈک کو چومتے رہو، جلد یا بدیر وہ شہزادہ بن جائے گا۔ یہ سب جھوٹے یقین ہیں، دم دلاسے ہیں۔

لوگ آتما کے لافانی ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ موت سے

ڈرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ انہیں "علم" ہے کہ آتما لافانی ہے۔ دراصل انہوں نے ہر شخص کو مرتے ہوئے دیکھ کر، موت کے یقینی ہونے سے واقف ہو کر ایسا سوچ لیا ہے۔

حقیقت سے فرار کیسے ممکن ہے؟

ایک فکشن گھڑ لو۔ ایک کہانی گھڑ لو۔

یاد رکھنا! میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آتما لافانی نہیں ہے۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ لوگوں کا یہ یقین کہ آتما لافانی ہے، ایک کہانی ہے، یقین فکشن ہے۔

ہم دھرم، ادب، شاعری، موسیقی کے نام پر اپنے اردگرد بفر (Buffers) بناتے رہتے ہیں۔ تاکہ حقیقت کے دھچکے ہم تک رسائی نہ پا سکیں۔

تم نے ریلوے ٹرینوں میں بفر ضرور دیکھے ہوں گے۔ دو بوگیوں کے درمیان بفر ہوتے ہیں، تاکہ اگر کبھی حادثہ ہو تو بوگیاں ایک دوسرے سے نہ ٹکرا جائیں اور حادثے کا دھچکا بفر جذب کر لیں۔ کاروں میں سپرنگ ہوتے ہیں تاکہ تمہیں سڑکوں پر جھٹکے نہ لگیں ...... یہ سپرنگ جھٹکوں کو جذب کرتے رہتے ہیں، وہ شاک ایبزوربر (Shock Absorber) ہوتے ہیں۔

انسان نے اپنے اردگرد بہت سے شاک ایبزوربر بنا لیے ہوئے ہیں، اور میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک تم ان شاک ایبزوربرز کو نہیں چھوڑو گے تم کبھی آزاد نہیں ہو گے۔

صرف سچ آزادی دلاتا ہے۔ ابتدا میں سچ بہت دھچکے لگاتا ہے، جھٹکے لگاتا ہے ــــ لیکن چیزیں ہیں ہی ایسی، فطرت ایسے ہی عمل کرتی ہے۔ تمہیں اپنے آپ کو کھولنا ہو گا، تمہیں زندگی کے ان سارے دھچکوں اور جھٹکوں کے لیے اپنے آپ کو مہیا کرنا ہو گا۔ اس سے زخم لگیں گے، تم چیخو گے، تم روؤ گے، تم زندگی پر غصہ کرنے لگو گے لیکن آہستہ آہستہ تم دیکھنے لگو گے کہ سچ سچ ہے اور سچ پر غصہ کرنا بیکار ہے۔ جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو تمہیں سچ خوبصورت دکھائی دے گا۔ سچ آزادی دلاتا ہے۔

گرو کا حقیقی کام اپنے چیلوں کے ایبزوربروں کو تباہ کرنا ہے ــــ اور یہ حقیقتاً بڑا مشکل کام ہے۔ مشکل ان معنوں میں کہ چیلے ہر ممکن طریقے سے مزاحمت کرتے ہیں۔ وہ

اپنے ایبزوربروں کی حفاظت کرتے ہیں، اور اگر انہیں کوئی خطرہ محسوس ہو تو وہ اپنے گرد مزید ایبزوربر بنا لیتے ہیں۔ اگر وہ دیکھیں کہ کوئی ان کے ایبزوربر چھیننے کے درپے ہے تو وہ بہت مزاحمت کرنے لگتے ہیں اور مزید ایبزوربر بنا لیتے ہیں۔

حقیقی گرو تمہیں تسلی دلاسے نہیں دے سکتا، وہ تمہیں صرف آزادی دے سکتا ہے۔

وہ تمہیں خوشی تو دے سکتا ہے لیکن تسلی نہیں دے سکتا۔ اسے تمہارے اندر موجود ایسی بہت سی چیزوں کو تباہ کرنا ہوتا ہے جن سے تم طویل عرصے سے مزے لے رہے ہوتے ہو، طویل عرصے سے پروان چڑھا رہے ہوتے ہو۔ اسے ان سارے کپڑوں کو لے لینا ہوتا ہے جو تمہاری حفاظت کر رہے ہوتے ہیں، اسے تمہیں حقیقت کے اندر عریاں چھوڑنا ہوتا ہے۔

اس سے خوف آتا ہے لیکن تم صرف اسی طرح ترقی کر سکتے ہو۔ ترقی حقیقت کے ساتھ ممکن ہے، حقیقت کے خلاف نہیں۔ جب تم حقیقت کا مزا چکھ لیتے ہو تو تم اپنے اردگرد بفر اور شاک ایبزوربر بنانا چھوڑ دیتے ہو۔



ہمدردی سے ابھرنے والا خالص غصہ

گیان میں نہ تو کوئی غصہ کرنے والا ہوتا ہے اور نہ ہی غصہ نہ کرنے والا۔ کرشنا مورتی اس طرح غصے نہیں ہوتا ہے جس طرح تم غصے ہوتے ہو۔ گیان پائے ہوئے شخص کے ساتھ جو کچھ ہوتا بالکل مختلف ہوتا ہے۔ کرشنا مورتی کا غصہ ہمدردی سے ابھرتا ہے۔ تمہارا غصہ نفرت سے، جارحانہ پن سے، سفاکی سے ابھرتا ہے۔ وہ غصے ہوتا ہے ___ بعض اوقات وہ اپنے بال نوچنے لگتا ہے، بعض اوقات اپنا ماتھا پیٹنے لگتا ہے ___ لیکن یہ سب اس کی ہمدردی سے ابھرتا ہے۔

ذرا سوچو تو سہی، وہ چالیس سال سے سچ کی ایک خاص قسم کا درس دنیا کو دے رہا ہے، اور کوئی نہیں جو اسے سمجھتا ہو۔ ایک سے لوگ ہر سال اسے سننے جمع ہو جاتے ہیں ___ ایک سے لوگ۔

ایک بار وہ بمبئی میں تقریر کر رہا تھا...... مجھے یہ واقعہ ایک بوڑھی لیڈی نے سنایا تھا، وہ کرشنا مورتی سے عمر میں بڑی تھی۔ اس نے کرشنا مورتی کو اس کے بچپن میں دیکھا تھا۔ وہ اسے چالیس سال سے دیکھ اور سن رہی تھی۔ بوڑھی ہونے کی وجہ سے اسے اونچا سنائی دیتا تھا اس لیے وہ اس کی کرسی کے سامنے بیٹھتی تھی۔ کرشنا مورتی چالیس سال سے کہہ رہا ہے کہ مراقبے کا کوئی طریقہ نہیں ہے، مراقبے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ صرف حال میں ہوؤ اور اپنی زندگی جیو، یہی مراقبہ کافی ہے، کسی اور طریقے کی ضرورت نہیں......

وہ ڈیڑھ گھنٹے تک اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہا۔ آخر میں وہ لیڈی کھڑی ہو گئی۔

اس نے پوچھا: ''مراقبہ کیسے کیا جائے؟''

اب تمہی بتاؤ، کہ وہ کیا جواب دیتا؟ اس نے تو اپنا سر پیٹ لیا۔

وہ تمہارا غصہ نہیں تھا۔ یہ نہایت ناقابلِ یقین ہے! وہ اس لیڈی سے تھک گیا ہے لیکن وہ لیڈی اس سے نہیں تھکی۔ وہ اس کی ہر تقریر سننے آتی ہے اور ایسے ہی احمقانہ سوال پوچھتی رہتی ہے۔

جب میں یہ کہتا ہوں کہ کرشنا مورتی کو غصہ آ سکتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اسے تمہاری طرح غصہ آ سکتا ہے۔ اس کا غصہ ہمدردی سے ابھرتا ہے۔ یہ صورتحال ناقابلِ یقین ہے! وہ اس لیڈی کی مدد کرنا چاہتا ہے لیکن بڑی بے بسی محسوس کرتا ہے۔ وہ ہر طریقے سے کوشش کرتا ہے۔ اس کا پیغام بہت سادہ ہے، ایک جہت والا ہے۔ وہ پچاس سال سے ایک ہی لفظ بول رہا ہے۔ اس کی ساری تعلیمات کا نچوڑ ایک پوسٹ کارڈ پر لکھا جا سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جتنے لوگ ہیں اتنے طریقے ممکن ہیں۔ وہ اسی بات کو گھما پھرا کر کرتا رہتا ہے اور لوگ اسی کو سنتے اور احمقانہ سوال کرتے رہتے ہیں۔

اسے یقیناً غصہ آتا ہے اور جب کرشنا مورتی جیسے انسان کو غصہ آتا ہے تو یہ غصہ خالص ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ کرشنا مورتی سے اس وجہ سے مایوس ہیں کہ اسے غصہ آتا ہے۔ وہ اس خاص تصور کے حامل ہیں کہ ایک بدھ کو غصہ نہیں آنا چاہیے۔ وہ ایک تعصب کے ساتھ جاتے ہیں اور جب کرشنا مورتی کو غصے میں آتا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں: ''یہ آدمی بدھ نہیں ہے۔ اس نے ابھی گیان نہیں پایا ہے۔''

میں کہتا ہوں کہ وہ اس دنیا میں آنے والا سب سے زیادہ گیانی انسان ہے۔ وہ غصے میں آ سکتا ہے لیکن اس کا غصہ ہمدردی سے ابھرتا ہے، یہ مجتمع ہمدردی ہوتی ہے۔ وہ تمہاری فکر کرتا ہے، اتنی زیادہ کہ اسے غصہ آ جاتا ہے۔ یہ ایک بالکل مختلف کیفیت والا غصہ ہے۔

جب وہ غصے میں آتا ہے تو اس کا غصہ حقیقی غصہ ہوتا ہے۔ تمہارا غصہ ادھورا ہوتا ہے، نیم گرم۔ تمہارا غصہ اس کتے جیسا ہوتا ہے جسے یہ یقین نہیں ہوتا کہ اجنبی کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے ___ ہوسکتا ہے وہ مالک کا دوست ہو، سو وہ دم دبا لیتا ہے، ہوسکتا ہے وہ دشمن ہو، سو وہ بھونکنے لگتا ہے۔ وہ دونوں کام کرتا ہے۔ ایک طرف تو وہ بھونکتا ہے، دوسری طرف دم

دبائے رکھتا ہے۔ وہ ڈپلومیسی کھیل رہا ہوتا ہے، کوئی بھی صورت درست نکلے، وہ درست ثابت ہوتا ہے۔ مالک آجائے اور وہ اجنبی سے دوستانہ انداز میں ملے تو کتا بھونکنا بند کر دیتا ہے اور اس کی ساری توانائی دُم میں چلی جاتی ہے۔ اگر مالک اجنبی پر غصے ہو تو دُم رک جاتی ہے اور ساری توانائی بھونکنے میں چلی جاتی ہے۔

تمہارا غصہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے لیکن جب کرشنا مورتی جیسے انسان کو غصہ آتا ہے تو وہ خالص غصہ ہوتا ہے اور خالص غصہ خوبصورت ہوتا ہے کیونکہ وہ کامل ہوتا ہے۔ وہ صرف غصے ہوتا ہے۔ چھوٹے بچے کے مانند ہو جاتا ہے ــ لال چہرا، غصہ ہی غصہ ہر طرف، ساری دنیا کو تباہ کرنے پر آمادہ۔ ایسا غصہ ہمدردی سے ابھرتا ہے۔

خالص غصے کی ایک مثال یسوع کا وہ غصہ ہے جب انہوں نے سود خوروں کو معبد میں دیکھا تھا۔ وہ غصہ بھی ہمدردی سے ابھرا تھا۔ وہ غصہ بھی کامل تھا، خالص تھا۔ اسی لیے یسوع جیسے جسمانی طور پر کمزور انسان نے ان دولت مند سود خوروں کو تن تنہا معبد سے نکال باہر کیا تھا۔

ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں جو یسوع کو گیان پایا ہوا انسان نہیں مانتے۔ لوگ اپنے ہی تعصبات کا حامل ہوتے ہیں، ان کے اپنے تصورات ہوتے ہیں۔ لوگ کسی انسان کو جیسا وہ ہو ویسا قبول کرنے کی بجائے کچھ خاص تصورات کے تحت دیکھتے ہیں اور اگر وہ ان پر پورا نہیں اترتا تو وہ اس کو برا کہنا شروع کر دیتے ہیں۔

ایک عورت مجھ سے ملی۔ وہ کرشنا مورتی کی پیروکار رہ چکی تھی۔ اس نے صرف ایک معمولی سی بات پر اسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ واقعی بہت عام سی بات تھی۔ ہوا یہ کہ وہ عورت کرشنا مورتی کے ایک کیمپ میں شرکت کے لیے ہندوستان سے ہالینڈ گئی۔ دنیا بھر سے دو ہزار کے لگ بھگ لوگ وہاں آئے ہوئے تھے۔ پہلے دن کرشنا مورتی نے لیکچر دینا تھا۔ وہ عورت صبح کے وقت سپر مارکیٹ میں شاپنگ کرنے گئی اور وہاں وہ واقعہ ہوا جس کی وجہ سے اس نے کرشنا مورتی کو چھوڑ دیا۔ سپر مارکیٹ میں کرشنا مورتی بھی شاپنگ کر رہا تھا۔ ایک گیانی اور شاپنگ؟ کیا تم یقین کر سکتے ہو؟ بدھ اور سپر مارکیٹ میں؟ نہ صرف یہ بلکہ وہ ایک نیک ٹائی خرید رہا تھا۔ گیانی کو نیک ٹائی کی کیا ضرورت؟ اور یہی نہیں بلکہ سارا کاؤنٹر نیک ٹائیوں سے بھرا ہوا تھا اور

کرشنا مورتی کو کوئی نیک ٹائی پسند ہی نہیں آ رہی تھی۔

وہ عورت سارا منظر دیکھتی رہی اور آسمان سے گر پڑی۔ اس نے سوچا: "میں ہندوستان سے یہاں آئی ہوں اور وہ بھی ایسے عام سے انسان کے لیے، جو نیک ٹائیاں خرید رہا ہے اور اتنی بہت ساری ٹائیوں میں سے اسے کوئی پسند ہی نہیں آ رہی۔ کیا یہی دنیا سے بے تعلقی ہے؟ کیا یہی آ گہی ہے؟"

وہ واپس آ گئی۔ اس نے کیمپ میں شرکت نہیں کی اور فوراً ہندوستان واپس آ گئی۔ واپس آ کر اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مجھ سے ملی۔ اس نے کہا: "آپ ٹھیک ہیں۔"

میں نے کہا: "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

وہ بولی: "آپ ٹھیک ہیں، میں کرشنا مورتی کے پاس وقت ہی ضائع کرتی رہی۔ اب میں آپ کی سنیاسن بننا چاہتی ہوں۔"

میں نے کہا: "میں تمہیں قبول نہیں کر سکتا۔ اگر تم کرشنا مورتی کو قبول نہیں کر سکتیں تو میں تمہیں کیسے قبول کر سکتا ہوں؟ دفع ہو جاؤ! یہاں تو تمہیں زیادہ مایوس کن چیزیں دیکھنی پڑیں گی۔ تم میری مرسیڈیز بینز کا کیا کرو گی؟ پس ایسا ہونے سے پہلے تم چلی جاؤ یہاں سے۔ تم میرے ائیر کنڈیشنڈ کمرے کے بارے میں کیا کہو گی؟ نہ تو تم کرشنا مورتی کو سمجھنے کی اہل ہو، اور نہ ہی تم مجھے سمجھ سکو گی۔"

کرشنا مورتی جیسے لوگ بالکل مختلف علاقے میں رہتے ہیں۔ ان کا غصہ تمہارا غصہ نہیں ہوتا۔ کون جانے وہ ٹائیوں سے صرف اس احمق عورت کی وجہ سے کھیل رہا ہو؟ گرو ایسے طریقے استعمال کرنے کی شہرت رکھتے ہیں۔ اس طرح اس نے احمق عورت سے بڑی آسانی سے نجات پالی تھی۔



زہریلی خوراک

مشرق کی صوفیانہ روایت کے مطابق تم خوراک کے سوا کچھ نہیں ہو۔ تمہارا جسم خوراک ہے، تمہارا ذہن خوراک ہے، تمہاری روح خوراک ہے۔ روح سے ماورا جو شے ہے، یقیناً وہ خوراک نہیں ہے۔ اس شے کو ''ان ات'' یعنی لاذات کہا جاتا ہے۔ یہ خالی پن ہوتا ہے۔ گوتم بدھ اسے ''شونیہ'' کہتا ہے، جس کا مطلب ہے خالی۔ یہ خالص خلا ہوتا ہے۔ یہ اپنے سوا کسی شے پر مشتمل نہیں ہوتا۔ یہ بے مواد شعور ہوتا ہے۔

جب تک مواد ہوتا ہے، تب تک خوراک ہوتی ہے۔ ''خوراک'' کا مطلب ہے وہ کچھ جسے خارج سے لیا جائے۔ جسم کو طبیعی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے بغیر یہ ختم ہو جائے گا۔ اس کی وجہ سے یہ باقی رہتا ہے۔ جسم صرف طبیعی خوراک پر مشتمل ہوتا ہے۔

تمہارا ذہن یادوں، خیالوں، خواہشوں، حسد، اقتدار کی ہوس اور ایسی ہی ایک ہزار ایک چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ سب بھی خوراک ہے، اک ذرا لطیف خوراک۔ خیال خوراک ہے۔ اسی لیے جب تم خیالوں کو پروان چڑھاتے ہو تو تمہارا سینہ پھول جاتا ہے۔ جب تم ایسے خیالوں کے حامل ہوتے ہو جو تمہیں توانائی دیتے ہیں تو تم خوش ہو جاتے ہو۔ تم صحت مند ہو جاتے ہو۔ جب کوئی شخص تمہارے بارے میں کچھ غلط کہتا ہے تو تمہیں یوں لگتا ہے جیسے کوئی شے تم سے چھین لی گئی ہے۔ تم پہلے سے زیادہ کمزور ہو جاتے ہو۔

ذہن ایک لطیف قسم کی خوراک ہے۔ ذہن جسم کی اندرونی سمت ہے لہٰذا جو تم کھاتے ہو تمہارے ذہن پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر وہ خوراک کھاؤ گے جو سبزی خور نہیں کھاتے

تو تمہارا ذہن اور طرح کا ہوگا۔ اگر تم سبزی خوروں والی خوراک کھاؤ گے تو تمہارا ذہن اور طرح کا ہوگا۔

تم خود مشاہدہ کر سکتے ہو۔ کوئی شے کھاؤ اور مشاہدہ کرو۔ کوئی اور شے کھاؤ اور مشاہدہ کرو۔ تم حیران رہ جاؤ گے کہ جو شے تم نے ہضم کی ہوگی اس کا نہ صرف جسمانی اثر ہوا ہوگا بلکہ نفسیاتی اثر بھی ہوا ہوگا۔ ہر خوراک ذہن پر مخصوص اثرات ڈالتی ہے۔

چنانچہ صدیوں سے یہ جستجو جاری ہے کہ ایسی خوراک تلاش کی جائے جو ذہن کو مضبوط نہ کرے بلکہ اسے تحلیل کرنے میں مدد دے، ایسی خوراک جو ذہن کو نہیں بلکہ مراقبے کو تقویت دے، لاذہن کو مضبوط کرے۔ اس کے لیے کوئی مخصوص اور متعین قوانین نہیں بتائے جا سکتے کیونکہ لوگ مختلف ہیں اور ہر شخص کو اپنے لیے خود فیصلہ کرنا ہے۔

اور جو کچھ تم اپنے ذہن کو دے رہے ہو، اس پر نظر رکھو۔ لوگ مکمل طور پر لاعلم ہیں۔ وہ ہر شے پڑھتے ہیں، وہ ٹی وی دیکھتے رہتے ہیں اور ایسی ہی احمقانہ چیزیں۔ وہ ریڈیو سنتے رہتے ہیں، وہ گپیں ہانکتے رہتے ہیں اور لوگ ایک دوسرے کے کانوں میں کچرا ڈالتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس سب کچرا ہی تو ہے۔

ایسی صورتحال سے بچو جس میں تم یہ کچرا غیر ضروری طور پر ڈال دیا جائے۔ تم تو پہلے ہی بہت سارے کچرے کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو، اور اسے یوں اکٹھا کرتے رہتے ہو جیسے وہ کوئی قیمتی شے ہو۔

کم بولو، صرف نہایت ضروری اور اہم باتیں سنو۔

بولنے اور سننے میں نہایت اختصار سے کام لو۔ اگر تم کم بولو گے، کم سنو گے تو رفتہ رفتہ تم محسوس کرو گے کہ تمہارے اندر پاکیزگی پیدا ہونے لگی ہے، جو مراقبے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ ہر طرح کی بکواسیات مت پڑھا کرو۔

ایک مرتبہ مجھے ایک ایسے گھر میں رہنے کا اتفاق ہوا جہاں پڑوس میں ایک پاگل بھی رہتا تھا۔ اسے اخبار پڑھنے کا خبط تھا۔ وہ روز آ کر مجھ سے سارے اخبار لے جاتا۔ اگر وہ بیمار ہوتا یا میں گھر پر نہ ہوتا تو وہ بعد میں آ کر اخبار لے جاتا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ میں دس دن کے لیے چلا گیا۔ جب میں واپس آیا تو وہ اخبار

لینے آ گیا۔ میں نے اس سے کہا: ''یہ تو پرانے اخبار ہیں ـــ دس دن پرانے۔''

اس نے کہا: ''تو پھر کیا ہوا؟ سب کچھ تو وہی ہے، صرف تاریخ بدلی ہے نا!''

یقیناً وہ اس پاگل کی زندگی کا سب سے زیادہ ہوش مندانہ وقت تھا۔ ہاں ایسا ہوتا ہے کہ ہوش مند لوگوں کی زندگی میں پاگل پن سے بھرے لمحے آتے ہیں اور پاگلوں کی زندگی میں ہوش مندی سے بھرے لمحے آتے ہیں۔ وہ پاگل سچ کہہ رہا تھا'' کچرا تو وہی ہے۔''

میں نے اس سے پوچھا: ''تم نے اِن دس دنوں میں کیا پڑھا؟''

اس نے کہا: ''میں پرانے اخباروں کو بار بار پڑھتا رہا۔''

اپنے ذہن میں کچھ حصے خالی رہنے دو۔ خالی شعور کے وہ لمحے مراقبے کی پہلی جھلکیاں ہوں گی، ماورا میں پہلے قدم ہوں گے، لاذہن کے پہلے جھماکے ہوں گے۔ اگر تم ایسا کرلو تو اگلا قدم یہ ہوگا کہ ایسی خوراک کھاؤ جو تمہیں تشدد اور جارحیت سے بچنے میں مدد دے، جو کہ زہریلی نہ ہو۔

اب تو سائنسدان بھی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ جب تم کسی جانور کو مارتے ہو تو وہ خوف کی کیفیت میں ہر قسم کا زہر چھوڑتا ہے۔ موت آسان نہیں ہوتی۔ جب تم کسی جانور کو مارتے ہو تو خوف کی وجہ سے اندر ایک عظیم ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ جانور زندہ رہنا چاہتا ہے، ہر طرح کے زہر نکلتے ہیں۔

جب تم خوفزدہ ہوتے ہو تب تم بھی اپنے جسم کے اندر زہر چھوڑتے ہو۔ وہ زہر مددگار ہوتے ہیں۔ وہ تمہیں لڑنے یا بھاگ جانے میں مدد دیتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تم غصے میں ایسا کام کرگزرتے ہو جس کے کرنے کا تم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔ تم چٹان کو اٹھا لیتے ہو، حالانکہ عام صورتحال میں تم اسے ہلا بھی نہیں سکتے، لیکن غصے کی وجہ سے زہر نکل آئے تھے، تبھی ایسا ممکن ہوا۔

خوف میں لوگ اتنا تیز دوڑ سکتے ہیں کہ اولمپک مقابلوں میں دوڑنے والے بھی پیچھے رہ جائیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ تم کتنا تیز دوڑو گے جب کوئی قاتل خنجر لہراتا ہوا تمہیں قتل کرنے کے لیے دوڑا آ رہا ہو تمہارا سارا جسم اپنی انتہائی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کو تیار ہوگا۔

جب تم کسی جانور کو مارتے ہو تو غصہ ہوتا ہے، اضطراب ہوتا ہے، خوف ہوتا ہے۔

موت اس کے سامنے ہوتی ہے۔ اس کیفیت میں جانور کے سارے گلینڈز کئی اقسام کے زہر خارج کرتے ہیں۔ اسی لیے جدید سوچ یہ ہے کہ جانور کو مارنے سے پہلے اسے بے ہوش کر دیا جانا چاہیے۔ جدید مذبحوں میں جانوروں کو بے ہوش کیا جاتا ہے۔ تاہم اس سے فرق نہیں پڑتا۔ فرق صرف انتہائی سطحی ہوتا ہے کیونکہ گہرائی میں جہاں بے ہوشی کی دوا کا اثر نہیں پہنچ سکتا، موت کا اثر پہنچ سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے جانور ہوش میں نہ ہو، اسے خبر نہ ہو کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے لیکن گہرائی میں موت اس پر اثر انداز ہو رہی ہوتی ہے۔

ہر زہریلی خوراک سے بچو۔ جو خوراک جسمانی سطح پر زہریلی ہو، اس سے بچو۔ جو خوراک ذہنی سطح پر زہریلی ہو، اس سے بچو۔ ذہن کا معاملہ تو زیادہ پیچیدہ ہے۔ اگر سوچتے ہو کہ تم ہندو ہو تو تم زہریلے ہوگے۔ اگر تم سوچتے ہو کہ تم بودھ ہو تو تم زہریلے ہوگے۔ اگر تم سوچتے ہو کہ تم جین ہو تو تم زہریلے ہو۔ تمہیں زہر اتنا آہستہ دیا گیا ہے کہ تم اس کے عادی ہو گئے ہو۔ تم زہر کے نشئی ہو چکے ہو۔

تمہیں پہلے دن سے چمچ سے زہر پلایا جاتا رہا ہے، تمہاری ماں کی چھاتی سے زہر پلایا جاتا رہا ہے۔ ہر طرح کی ذہن سازی (Conditioning) زہر ہے۔ اپنے آپ کو ہندو تصور کرنا ساری انسانیت کی مخالفت کرنے کے مساوی ہے۔ اپنے آپ کو جرمن تصور کرنا، ہندوستانی تصور کرنا، امریکی تصور کرنا انسانیت کی مخالفت ہے۔ ایسا سوچنا دشمنی کے ساتھ سوچنا ہے، دوستی کے ساتھ نہیں۔

اپنے آپ کو صرف انسان تصور کرو۔ اگر تم میں تھوڑی سی بھی ذہانت ہے تو اپنے آپ کو انسان (Human Being) تصور کرو۔ جب تمہاری ذہانت تھوڑی مزید بڑھے تو اسمِ صفت ''انسانی'' (Human) کو بھی ترک کردو۔ اپنے آپ کو صرف ہستی (Being) تصور کرو۔ ہستی میں سب آ جاتے ہیں ـــ درخت، پہاڑ، دریا، ستارے، پرندے اور جانور۔

بڑے بنو، وسیع بنو۔ تم سرنگوں میں کیوں جی رہے ہو؟ تم چھوٹے چھوٹے تاریک سوراخوں میں کیوں رینگ رہے ہو؟ لیکن تم تو سوچتے ہو کہ تم عظیم نظریاتی نظاموں میں جی رہے ہو! تم عظیم نظریاتی نظاموں میں نہیں جی رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی عظیم نظریاتی نظام وجود نہیں رکھتا۔ کوئی تصور اتنا عظیم نہیں ہے کہ انسان کو خود میں سمو سکے۔ ہستی کسی تصور میں

نہیں سما سکتی۔ سارے تصور اپاہج اور مفلوج ہیں۔

نہ کیتھولک بنو اور نہ کمیونسٹ، انسان بنو۔ یہ سب زہر ہیں، یہ سب تعصبات ہیں۔

المیہ یہ ہے کہ تمہیں صدیوں سے انہیں تعصبات کے ذریعے ہپناٹائز کیا جا رہا ہے۔ یہ تمہارے خون میں شامل ہو چکے ہیں، تمہاری ہڈیوں تک اتر چکے ہیں، تمہاری ہڈیوں کے گودے میں شامل ہو چکے ہیں۔ تمہیں انتہائی ہوشیاری کے ساتھ ان سارے زہروں سے نجات پانی ہے۔

تمہارے جسم کو اتنا زہر نہیں دیا گیا جتنا تمہارے ذہن کو دیا گیا ہے۔ جسم تو سادہ سا مظہر ہے۔ اسے آسانی سے صاف کیا جا سکتا ہے۔ اگر تم زہریلی خوراک کھاتے رہے ہو تو تم اسے کھانا چھوڑ سکتے ہو۔ یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ اگر تم زہریلی خوراک کھانا چھوڑ دو گے تو تین مہینے کے اندر اندر تم سارے زہروں سے پاک ہو جاؤ گے۔ یہ تو سادہ سا معاملہ ہے۔ جسم بہت پیچیدہ نہیں ہوتا۔

مسئلہ نفسیات کا ہے۔ کوئی جین بھکشو کبھی زہریلی خوراک نہیں کھاتا، لیکن اس کا ذہن زہر کے اثر سے نہیں بچا ہوا۔ جین مت کا زہر اس پر اثر کر چکا ہے۔

اصل آزادی کسی آئیڈیالوجی، کسی نظریے سے آزادی ہوتی ہے۔ کیا تم نظریے کے بغیر جی سکتے ہو؟ کیا نظریہ ضروری ہوتا ہے؟ نظریہ اتنا ضروری کیوں ہے؟ اس کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ یہ تمہیں احمق بنے رہنے میں مدد دیتا ہے، اس کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ یہ تمہیں بغیر ذہانت کے رہنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ یہ تمہیں بنے بنائے جواب مہیا کرتا ہے اور تمہیں جواب خود ڈھونڈنے نہیں پڑتے۔

حقیقی ذہین انسان کسی نظریے سے نہیں چمٹتا۔ اس کی کیا وجہ ہوتی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ بنے بنائے جوابوں کا بوجھ اٹھانے سے بچتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے پاس اتنی ذہانت ہے کہ وہ ہر صورتحال کا جواب خود دے سکتا ہے۔ ماضی کا اتنا غیر ضروری بوجھ اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔

اور درحقیقت جتنا زیادہ تم ماضی کو اٹھائے پھرتے ہو اتنا ہی تم حال کا جواب دینے کے کم اہل ہوتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حال ماضی کی تکرار (Repetition) نہیں ہوتا، یہ ہمیشہ نیا ہوتا ہے، ہمیشہ ہمیشہ نیا۔ یہ کبھی پرانا نہیں ہوتا، ہو سکتا ہے کبھی یہ پرانا دکھائی دے تاہم

یہ پرانا ہوتا نہیں ہے، بنیادی فرق ہوتے ہیں۔

زندگی کبھی خود کو دہراتی نہیں ہے۔ یہ ہمیشہ تازہ ہوتی ہے، ہمیشہ نئی ہوتی ہے، ہمیشہ نشوونما پا رہی ہوتی ہے، ہمیشہ نئے ایڈونچرز میں مصروف ہوتی ہے۔ تمہارے پرانے بنے بنائے جواب مددگار نہیں ہوتے۔ درحقیقت وہ تو رکاوٹ ہوتے ہیں۔ وہ تمہیں نئی صورتحال کو دیکھنے نہیں دیتے۔ صورتحال نئی ہو گی اور جواب پرانے تو بات نہیں بنے گی۔

اسی لیے تو تم زندگی میں اتنے احمق دکھائی دیتے ہو۔ تاہم احمق ہی رہنا سستا لگتا ہے۔ ذہین بننے کے لیے محنت کی ضرورت ہوتی ہے، ذہین ہونے کا مطلب ہے تمہیں نشوونما پانا ہو گا جبکہ نشوونما تکلیف دہ ہوتی ہے۔ ذہین ہونے کا مطلب ہے کہ تمہیں ہمہ وقت چوکس اور آگاہ رہنا ہے۔ تم سوئے ہوئے نہیں رہ سکتے، تم نیند میں چلنے والوں کی طرح نہیں جی سکتے۔

اور ذہین ہونے کا مطلب چند مزید خطروں کا ہونا بھی ہے۔ ذہین ہونا بہت مشکل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہیں احمق ہجوم کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ آنکھیں رکھتے ہوئے، اندھے لوگوں میں رہنا ایک خطرناک صورتحال ہے، وہ تو تمہاری آنکھیں لازماً پھوڑ دیں گے۔ وہ تمہیں برداشت نہیں کر سکیں گے۔

اسی لیے سقراط کو زہر دے دیا گیا تھا، یسوع کو مصلوب کر دیا گیا تھا، حلاج کو قتل کر دیا گیا تھا، سرمد کا سر قلم کروا دیا گیا تھا۔ یہ دنیا میں پیدا ہونے والے سب سے ذہین لوگ تھے ___ اور ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ سقراط جیسے ذہین انسان کو قتل کیوں کیا گیا؟ اس لیے کہ وہ برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔ اس کا وجود ہی اشتعال انگیز بن گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکنا آئینہ دیکھنے کے مترادف تھا۔ جبکہ ہم بہت بدصورت ہیں اور اپنے بدصورت چہرے کو قبول کرنے کی بجائے آئینے کو توڑ دینا آسان سمجھتے ہیں۔ ہم آئینہ توڑ کر اپنی بدصورتی بھلا دیتے ہیں اور اسی پرانے خواب کے ساتھ جینا شروع کر دیتے ہیں کہ ہم تو دنیا کے سب سے خوبصورت شخص ہیں۔

ہم نے سقراط کو اس لیے قتل کر دیا کیونکہ وہ آئینہ تھا۔ اسی لیے لوگوں نے فیصلہ کیا ہے کہ میڈیا کر ہی رہنا بہتر ہے، احمق رہنا ہی بہتر ہے۔

ابھی کل ہی میں نے ایک رپورٹ پڑھی ہے۔ انگلینڈ کے چند نفسیات دانوں نے تحقیق سے پتا چلایا ہے کہ جب عظیم سیاستدان اعلیٰ ترین عہدوں پر پہنچتے ہیں تو وہ ذہانت کھو چکے ہوتے ہیں۔ ذرا ایک 84 سالہ شخص کے وزیراعظم بننے کا تصور تو کرو! نفسیات دانوں نے خبردار کیا ہے کہ یہ امر ساری دنیا کے لیے خطرناک ہے۔ جو لوگ 60، 70، 80 سال سے زیادہ کے ہو چکے ہوتے ہیں وہ وزیراعظم اور صدر بنتے ہیں۔ یہ دنیا کے لیے خطرناک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس اختیارات بہت زیادہ ہوتے ہیں لیکن ذہانت بہت کم ہوتی ہے۔

یہ نفسیات دان ایک دوسری بات سے واقف نہیں ہیں کہ لوگ انہیں اسی لیے وزیراعظم اور صدر منتخب کرتے ہیں کہ وہ ذہین نہیں رہ گئے ہوتے۔ لوگ ذہین لوگوں کو پسند نہیں کرتے۔ لوگ اپنے جیسے لوگوں کو پسند کرتے ہیں۔ وہ انہیں اجنبی محسوس نہیں کرتے۔ ذہین لوگ اجنبی محسوس ہوتے ہیں۔

میرا خیال ہے کوئی ملک بھی سقراط کو وزیراعظم منتخب نہیں کر سکتا___ ناممکن! وہ بہت مختلف ہے، زندگی کے حوالے سے اس کی سوچ بہت مختلف ہے، اشیا کے حوالے سے اس کی بصیرت بہت گہری ہے۔ کوئی ملک اسے وزیراعظم نہیں بنا سکتا کیونکہ وہ انتشار پیدا کر دے گا۔ وہ ہر چیز کو بدلنا شروع کر دے گا۔ اس لیے کہ ہر شے کو بدلنا ضروری ہوگا۔

اس سڑے گلے معاشرے کو مکمل طور پر تباہ کر دیا جانا چاہیے۔ صرف تبھی ایک نیا معاشرہ تخلیق کیا جا سکتا ہے۔ لیپا پوتی سے کام نہیں چلے گا۔ ہم صدیوں سے ایک ہی ملبے کی لیپا پوتی کیے جا رہے ہیں۔ اب لیپا پوتی نہیں چلے گی، سفیدی کرنے سے کام نہیں چلے گا! ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اس کو گرا دو، مسمار کر دو، اور ہمیں ایک نیا معاشرہ تخلیق کرنے دو۔ ہم ایک نئے انسان کو لانے دو۔ ہمیں ایک نئے ذہن، نئے شعور کو جنم دینے دو۔

لوگ بے جان، مردہ لوگوں کو اسی لیے اقتدار میں لاتے ہیں کہ تم ان کے ساتھ محفوظ رہ سکتے ہو۔ اب ہندوستان مرار جی ڈیسائی کے ساتھ بہت محفوظ ہے۔ وہ کچھ بھی تو نہیں کر سکتا۔ وہ ہر شے کو جوں کا توں رہنے دے گا۔ وہ اس ملک کی بدصورت، گندی بیورو کریسی کو یونہی رہنے دے گا۔ وہ کسی شے کو تبدیل نہیں کرے گا۔ اس کی تو پوری کوشش ہوگی کہ تبدیلی کو روکا جائے۔

لوگ میڈیاکر لوگوں کو اقتدار میں لاتے ہیں، کیونکہ وہ ان کی روایتوں، رسموں کو تحفظ دیتے ہیں، ان کے تعصبات کو تحفظ دیتے ہیں۔ وہ ان کے زہروں کا تحفظ کرتے ہیں۔ وہ انہیں ختم کرنے کی بجائے بڑھاتے ہیں۔

بیوقوف لوگوں کا اعلیٰ اختیارات والے عہدوں پر ہونا خطرناک ہے اور یہ زیادہ سے زیادہ خطرناک ہوتا جا رہا ہے کیونکہ انہیں زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل ہو رہے ہیں جبکہ ان کی ذہانت کم ہو رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسا ہوا کیوں ہے؟ اس کی ایک منطق ہے۔ لوگ تبدیلی نہیں چاہتے۔ تبدیلی مشکل ہوتی ہے نا!

اگر تم اپنی زہریلی خوراک کو بدل لو گے تو تم حیران رہ جاؤ گے: تم میں ایک نئی ذہانت نمودار ہوگی۔ یہ نئی ذہانت ممکن بنا دے گی کہ تم اپنے آپ کو بکواسیات سے بھرنے سے باز رہو۔ یہ نئی ذہانت تمہیں ماضی کو اور اس کی یادوں کو چھوڑنے کا اہل بنا دے گی، غیر ضروری خواہشوں اور خوابوں کو چھوڑنے کا اہل بنا دے گی۔ حسد، غصے، لالچ اور ہر طرح کے نفسیاتی زخموں سے نجات دلا دے گی۔

چونکہ تم نفسیاتی زخموں سے نجات نہیں پانا چاہتے اس لیے تم نفسیاتی دھوکے بازوں کا شکار ہو جاتے ہو۔ دنیا مختلف قسم کے نفسیاتی ماہروں سے بھری پڑی ہے۔ وہ ہر شکل اور جسامت میں موجود ہیں۔ دنیا ہر قسم کے سائیکوتھیراپسٹوں سے بھری ہوئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اتنے بہت سارے نفسیاتی معالج کیوں موجود ہیں؟ اس لیے کہ تم اتنے ذہین نہیں ہو کہ اپنے زخموں کا علاج خود کر سکو۔ تم ان کا علاج کرنے کی بجائے، انہیں دھوپ اور ہوا کے سامنے کھولنے کی بجائے، انہیں چھپاتے رہتے ہو۔ تمہیں اپنے زخموں کو سورج کے سامنے کھولنے کے لیے نفسیاتی معالجوں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ ان کو ٹھیک کر سکیں۔

تاہم ایک حقیقی نفسیاتی معالج کا ملنا بہت مشکل ہے۔ سو میں سے ننانوے نفسیاتی معالج نہیں نفسیاتی دھوکے باز ہیں۔

تم یہ جان کر حیران رہ جاؤ گے کہ دنیا میں ہر پیشے کے لوگوں سے زیادہ خودکشی کرنے والے نفسیاتی معالجین اور نفسیاتی ماہرین ہیں۔ تعداد تقریباً دگنی ہے۔ یہ کس قسم کے لوگ ہیں؟ وہ کیسے دوسروں کی مدد کریں گے؟ وہ ساری زندگی لوگوں کی مدد کر کے کیا کرتے

رہے ہیں؟

ہر پیشے کے لوگوں سے زیادہ نفسیاتی معالجین پاگل ہوتے ہیں۔ تعداد تقریباً دگنی ہے۔ کیوں؟......اور وہ لوگوں کو ہوش مند بننے میں مدد دیتے ہیں!! وہ خود تو پاگل ہو جاتے ہیں!!! اس بات کا امکان بھی ہے کہ وہ اپنے پاگل پن کی وجہ سے نفسیاتی معاملے میں دلچسپی لیتے ہوں۔ ہو سکتا ہے یہ اپنے لیے علاج ڈھونڈنے کی کوشش ہو۔

اور تم حیران ہو گے کہ ایک قسم کے نفسیاتی معالج دوسری قسم کے نفسیاتی معالجوں سے اپنا علاج کرواتے ہیں۔ فرائیڈین ژونگین کے پاس جاتے ہیں، ژونگین فرائیڈین کے پاس جاتے ہیں۔ یہ بڑی عجیب صورتحال ہے۔

اگر تم میں ذہانت پیدا ہو جائے تو تم ہر وہ کام کرنے کے اہل ہو جاؤ گے جو کہ ضروری ہے۔ تم اپنے زخموں کا علاج کرنے کے اہل ہو جاؤ گے، تم اپنے امراض کو دیکھنے کے اہل ہو جاؤ گے، تمہیں نفسیاتی معالج کے پاس جانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

ہم زندگی کی ایک ذہین قسم کو وجود میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں کوئی زیادہ مذہبی انسان نہیں ہوں، میں پنڈت نہیں ہوں۔ روحانیت سے میرا کوئی سروکار نہیں ہے۔ میرے لیے یہ سارے زمرے بیکار ہیں۔ تم مجھے کسی زمرے میں شامل نہیں کر سکتے۔ تم مجھے کبوتروں کی کابک میں بند نہیں کر سکتے۔ تاہم تم ایک بات کہہ سکتے ہو کہ میری ساری کوشش یہ ہے کہ میں تمہیں ''محبت ذہانت'' کہلانے والی توانائی کو پیدا کرنے میں مدد دوں۔ اگر محبت ذہانت پیدا ہو جائے تو تم صحت یاب ہو جاؤ گے۔

زہریلی خوراک کی تیسری قسم روحانی ہے۔ یہ ذات ہے۔ ذات کو تسلسل کے لیے توجہ درکار ہوتی ہے۔ یہ توجہ پر پلتی ہے۔ توجہ اس کی خوراک ہے۔ نہ صرف سیاستدان توجہ کے لیے مرے جاتے ہیں بلکہ تمہارے نام نہاد پنڈت بھی اسی کے لیے مرے جاتے ہیں۔ پنڈتوں، سیاستدانوں اور اداکاروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کوئی فرق نہیں ہے۔ ان کی بنیادی ضرورت ایک ہی ہے ـــ توجہ۔ ''زیادہ لوگوں کو مجھ پر توجہ دینی چاہیے، زیادہ لوگوں کو میری طرف دیکھنا چاہیے۔'' یہ ان کی انا کی خوراک بن جاتی ہے اور یہ لطیف ترین قسم کی زہریلی خوراک ہے۔

اتیشا کہتا ہے: ''زہریلی خوراک چھوڑ دو۔''

جسمانی، نفسیاتی، روحانی۔ اپنے جسم کو تمام زہروں سے پاک کرو اور اپنے ذہن کو ہر قسم کے کچرے سے صاف کرو اور اپنی روح کو ذات کے تصور سے آزاد کرو۔ جب روح ''میں'' کے تصور سے آزاد ہو گی تو تم اس داخلی مقام پر پہنچ جاؤ گے جسے لاذات، ان ات کہتے ہیں۔ یہی آزادی ہے، یہی نروان ہے، یہی گیان ہے۔ تم گھر آ چکے ہو۔ اب کہیں نہیں جانا ہے، اب تم قیام پذیر ہو چکے ہو، اب آرام کرو۔ اب تم ہستی کی طرف سے نچھاور کی جانے والی لاکھوں خوشیوں سے فیض یاب ہو سکتے ہو۔

تم جب ان زہریلی خوراکوں کو ترک کر دیتے ہو تو خالی ہو جاتے ہو۔ یہ خالی پن منفی قسم کا خالی پن نہیں ہوتا۔ تم ان معنوں میں خالی ہوتے ہو کہ سارے زہر، سارے مواد (Contents) نکل گئے ہوتے ہیں۔ تاہم تم بھرے ہوئے ہوتے ہو، اس چیز سے جسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ اتیشا اس کے لیے کوئی لفظ استعمال نہیں کرتا، وہ اس کے حوالے سے بالکل خاموش ہے۔ وہ کہتا ہے تینوں زہریلی خوراکوں کو چھوڑ دو اور پھر جو کچھ بچ رہتا ہے، وہ تم ہوتے ہو، حقیقی تم۔



ٹھہراؤ مت پیدا کرو

کیا تم نے کبھی پہلے کسی کو یہ کہتے سنا ہے: ''ٹھہراؤ مت اپناؤ۔'' جب تم اسے پہلی بار سنو گے تو سوچو گے کہ ایسا غلطی سے کہا گیا ہے۔ کہیں پڑھو گے تو سوچو گے کہ پروف کی غلطی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے نام نہاد پنڈت تمہیں اس کے بالکل الٹ کہتے رہے ہیں: ''تلون مت اپناؤ۔'' وہ کہتے ہیں: ''ٹھہراؤ اپناؤ، مستقل مزاج بنو۔''

یہاں انتیشا کمال کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: ''ٹھہراؤ مت اپناؤ، مستقل مزاج مت بنو۔''

کیوں؟ ٹھہراؤ کیا ہے؟ ٹھہراؤ کا مطلب ہے ماضی کے مطابق جینا۔ تم کیسے مستقل مزاج ہو سکتے ہو؟ اگر تم ٹھہراؤ اپنانا چاہتے ہو، مستقل مزاج بننا چاہتے ہو تو تمہارا ایک حوالہ ہونا چاہئے، اور وہ ہے ماضی۔ ٹھہراؤ اپنانے، مستقل مزاج بننے کا مطلب ہے ماضی کے مطابق جینا، اور ماضی کے مطابق جینا بہرحال جینا نہیں ہے۔ ماضی کے مطابق جینا مردہ ہوتا ہے۔ تب تمہاری زندگی محض تکرار ہوگی۔

مستقل مزاج ہونے کا مطلب ہے کہ تم طے کر چکے ہو کہ اب زندگی مزید نہیں ہے، کہ تم فل سٹاپ تک آ چکے ہو، تم زندگی کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ تمہیں کوئی نئی شے دے، تم اپنے دروازے بند کر چکے ہو۔ سورج ابھرے گا لیکن تم اس کی کرنوں کو اپنے کمرے میں نہیں آنے دو گے۔ پھول کھلیں گے لیکن تم ان کی خوشبو سے غیر آگاہ ہی رہو گے۔ چاند آئیں گے اور چلے جائیں گے لیکن تم جامد رہو گے۔ تم دریا ہو لیکن تم تھم چکے ہو۔

دریا ٹھہرا ہوا مظہر نہیں ہو سکتا۔ صرف تالاب ٹھہرا ہوا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

اس میں روانی نہیں ہوتی، بہاؤ نہیں ہوتا۔ روانی اپنی فطرت میں ہی غیر مستقل ہے کیونکہ اسے نئی صورتحال کا، نئے چیلنجوں کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ اس کے سامنے نئے مقامات آتے رہتے ہیں۔ اسے بے ساختہ پن کے ساتھ جواب دینا ہوتا ہے، ماضی کے ساتھ نہیں۔

مستقل مزاج آدمی منطقی ہوتا ہے، اس کی زندگی یک سمتی (One-Dimensional) ہوتی ہے۔ وہ حساب میں جیتا ہے، وہ منطق کی پیروی کرتا ہے۔ اگر کوئی شے منطق کے خلاف ہو تو وہ اسے دیکھنے سے بھی گریز کرتا ہے، وہ ایسی اداکاری کرتا ہے جیسے وہ شے موجود ہی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کی منطق کے لیے پریشان کن ہوتی ہے۔

منطقی انسان دنیا کا مفلس ترین انسان ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی صرف منطق ہی نہیں بلکہ محبت کی حامل بھی ہے، اور محبت غیر منطقی ہوتی ہے۔ زندگی کا صرف ایک حصہ منطقی ہے، سطحی حصہ۔ تم جتنا گہرا جاؤ گے، تم اتنا زیادہ غیر منطقی میں سفر کرو گے یا زیادہ درست الفاظ میں سپرلوجیکل (Superlogical) میں۔

منطق بازار میں ٹھیک رہتی ہے، معبد میں نہیں۔

منطق دفتر میں ٹھیک رہتی ہے، دکان میں ٹھیک رہتی ہے، فیکٹری میں ٹھیک رہتی ہے۔ منطق اس وقت ٹھیک نہیں رہتی جب تم اپنے دوستوں کے ساتھ ہوتے ہو، جب تم اپنی محبوبہ کے ساتھ ہوتے ہو، اپنے بچوں کے ساتھ ہوتے ہو۔ منطق اس وقت ٹھیک رہتی ہے جب تم کاروباری انداز میں معاملہ کر رہے ہو لیکن زندگی کاروبار نہیں ہے۔ زندگی میں کاروبار سے زیادہ قیمتی ایک شے ہوتی ہے، اسے اہمیت دو۔

فلسفے کا ایک پروفیسر ڈاکٹر کے پاس گیا اور اسے اپنی جنسی زندگی کو بہتر بنانے کا مشورہ مانگا۔

ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کرنے کے بعد کہا: ''تم جسمانی اعتبار سے تو بالکل ٹھیک ہو۔ میرا مشورہ ہے کہ ایک ہفتے تک روزانہ دس میل دوڑا کرو۔ اس کے بعد مجھے فون کرنا۔''

ایک ہفتے بعد پروفیسر نے ڈاکٹر کو فون کیا تو ڈاکٹر نے پوچھا: ''کہو دوڑنے سے تمہاری جنسی زندگی بہتر ہوئی؟''

''مجھے نہیں پتا'' پروفیسر نے کہا۔ ''میں تو اس وقت اپنے گھر سے 70 میل دور ہوں۔''

منطقی ذہن اس طرح کام کرتا ہے۔ وہ یک سمتی ہوتا ہے۔ زندگی کثیر جہتی ہے۔ اسے محدود مت کرو۔ اسے لکیر کی طرح مت جیو۔ اس کی ساری جہتوں کو جیو، اس طرح تم ٹھہراؤ کے حامل نہیں ہو سکتے، کیونکہ زندگی پیراڈوکسیکل (Paradoxical) ہے۔ یہ ایک لمحے خوشی ہوتی ہے اور دوسرے لمحے غم۔ اگر تم بہت ٹھہراؤ والے ہو، بہت مستقل مزاج ہو تو پھر تمہیں مسکراتے رہنا چاہیے، خواہ تمہارا دل رو رہا ہو یا مسکرا رہا ہو۔ تمہیں مستقل مزاج ہونا ہے۔ تمہیں جمی کارٹر بننا ہے اور مسکرائے چلے جانا ہے۔

میں نے سنا ہے اس کی بیوی ہر رات اس کا منہ بند کرتی ہے کیونکہ وہ سوتے میں بھی مسکراتا رہتا ہے۔ اگر تم سارا دن ایسا کام کرو گے تو فطری بات ہے رات کو تم ایک دم اسے کیسے چھوڑ سکتے ہو؟ یہ ایک فکسڈ پیٹرن بن جاتا ہے۔

زندگی غم پر بھی مشتمل ہے ــ اور غم بھی خوبصورت ہے۔ یہ اپنی ہی گہرائی کا، دلکشی کا، ذائقے کا حامل ہے۔ وہ انسان زیادہ مفلس ہے جو غم سے واقف نہیں ہے۔ وہ مفلس ہے، بہت مفلس۔ اس کی ہستی سطحی ہوگی، اس کی ہنسی گہرائی کی حامل نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گہرائی غم سے آتی ہے۔ جو شخص غم سے واقف ہوتا ہے، وہ ہنستا ہے تو اس کی ہنسی گہرائی کی حامل ہوتی ہے۔ اس کی ہنسی میں اس کے غم کا بھی کچھ حصہ ہوتا ہے۔ اس کی ہنسی زیادہ رنگین ہوتی ہے۔

جو شخص زندگی کو اس کے پورے پن کے ساتھ جیتا ہے، وہ ایک قوسِ قزح ہوتا ہے۔ وہ اس کے ساتوں رنگ جیتا ہے۔ وہ ٹھہراؤ کا حامل نہیں ہوتا۔

اتیشا تمہیں ایک انتہائی تحیرانگیز شے دے رہا ہے، انتہائی قیمتی شے دے رہا ہے۔ زندگی کے ہر مُوڈ (Mood) کو جیو، وہ سب تمہارے موڈ ہیں اور سب تمہاری نشوونما میں کچھ نہ کچھ حصہ لیں گے۔ کسی چھوٹی سی جگہ میں محدود مت رہو۔ چھوٹی سی جگہ کتنی ہی پُرسکون اور آرام دہ لگتی ہو، اس میں محدود نہ رہو۔ مہم جُو بنو۔ زندگی کے ہر رخ کو تلاش کرو، زندگی کے سارے پہلوؤں کو تلاش کرو۔

کہا گیا ہے کہ ناول کسی اچھے انسان کے بارے میں نہیں لکھا جا سکتا ــ اور یہ سچ ہے۔ اچھا آدمی حقیقتاً زندگی کا حامل نہیں ہوتا۔ تم اس کے بارے میں ناول کیا لکھ سکتے ہو؟ زیادہ سے زیادہ تم اس کے لیے کیریکٹر سرٹیفیکیٹ لکھ سکتے ہو کہ وہ اچھا ہے ــ اور یہ ہے اس کی ساری زندگی۔ وہ کی زندگی کثیر جہتی سے محروم ہوتا ہے۔

جیو، اور جو کچھ ممکن ہے، ہونے دو۔ گاؤ، ناچو، چیخو، روؤ، ہنسو، محبت کرو، مراقبہ کرو، تعلق قائم کرو، تنہا رہو۔ بازار میں جیو اور کبھی کبھار پہاڑوں میں جیو۔

زندگی مختصر ہے، جتنا ممکن ہو اسے بھرپور انداز سے جیو اور مستقل مزاج بننے کی بالکل کوشش نہ کرو۔ مستقل مزاج، ٹھہراؤ والا آدمی بہت مفلس ہوتا ہے۔ بلاشبہ معاشرہ ٹھہراؤ والے آدمی کا احترام کرتا ہے کیونکہ اس کے حوالے سے پیش گوئی کی جا سکتی ہے۔ تمہیں پتا ہوتا ہے کہ آنے والی کل وہ کیا کرے گا، تمہیں پتا ہوتا ہے کہ وہ کیسے ردِعمل کرے گا۔ اس کو آسانی سے قابو میں لایا جا سکتا ہے۔ تمہیں پتا ہوتا ہے کہ کون سے بٹن دبانے سے وہ کیا کرے گا۔ وہ مشین ہوتا ہے، وہ سچ مچ انسان نہیں ہوتا۔ تم اسے آن آف کر سکتے ہو، اور وہ تمہارے مطابق عمل کرے گا، وہ تمہارے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔

معاشرہ ٹھہراؤ والے آدمی کا احترام کرتا ہے۔ معاشرہ ٹھہراؤ کو ''کردار'' کہتا ہے۔ جبکہ حقیقی آدمی کسی کردار کا حامل نہیں ہوتا۔ حقیقی آدمی کردار کے بغیر (Characterless) ہوتا ہے یا کردار سے ماورا ہوتا ہے۔ حقیقی انسان کردار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کردار کو صرف زندگی کی قیمت پر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اگر تم زندگی کو ترک کر دو تو تم کردار کے حامل ہو سکتے ہو۔ اگر تم زندگی کو ترک نہیں کرتے تو تم کئی کرداروں کے حامل تو ہو گے، لیکن تم کردار کے حامل نہیں ہو گے۔ اگر تم زندگی کو ترک نہ کرو تو تم کردار کے حامل کیسے ہو سکتے ہو؟ زندگی تو ہر لمحے نئی ہوتی ہے، اور تم بھی۔

معاشرہ تمہارا احترام نہیں کرے گا، تم قابلِ احترام شہری نہیں ہو گے ــ لیکن کسے پروا ہے؟ صرف میڈیا کر لوگ ہی معاشرے سے ملنے والے احترام کی پروا کرتے ہیں۔ حقیقی انسان کو صرف ایک شے کی پروا ہوتی ہے، اور وہ یہ کہ میں اپنی زندگی جی رہا ہوں یا نہیں، میں اسے اپنے وژن کے مطابق جی رہا ہوں یا نہیں؟ یہ میری زندگی ہے اور میں اپنا ذمہ دار ہوں۔

سب سے اہم ذمہ داری نہ ملک کے لیے ہے، نہ چرچ کے لیے، نہ کسی شخص کے لیے۔ حقیقی ذمہ داری اپنے لیے ہوتی ہے۔ ذمہ داری یہ ہے کہ تمہیں اپنی زندگی اپنی روشنی میں گزارنی ہے اور تمہیں جہاں زندگی لے جائے وہیں جانا ہے، بغیر کسی سمجھوتے کے۔

کردار والا آدمی سمجھوتے کرتا ہے۔ اس کا کردار کچھ نہیں ہوتا سوائے معاشرے کو یہ ضمانت دینے کے کہ "میں خطرناک نہیں ہوں۔" وہ معاشرے پر واضح کر دیتا ہے۔ "میں کھیل کے اصولوں کو مانوں گا، میں مکمل طور پر حاضر ہوں۔"

پنڈت کردار کا حامل ہوتا ہے، اسی لیے اُس کا احترام کیا جاتا ہے۔ دانا انسان کسی کردار کا حامل نہیں ہوتا، اسی لیے اسے تسلیم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ سقراط دانا انسان ہے، لاؤ تزو دانا انسان ہے، لیکن انہیں تسلیم کرنا بہت مشکل ہے، تقریباً ناممکن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے پیچھے کوئی نشان نہیں چھوڑتے۔ وہ کسی خانے میں نہیں سماتے، وہ خالص آزادی ہوتے ہیں۔ وہ آسمان پر اُڑتے ہوئے پرندوں جیسے ہوتے ہیں، وہ قدموں کے کوئی نشان نہیں چھوڑتے ہیں۔

صرف بہت ہی کم حساس روحوں کو دانا انسان گرو کی حیثیت سے ملتا ہے کیونکہ میڈیا کر تو پنڈت کی پیروی کرتے ہیں۔ صرف بہت ذہین لوگ ہی خود کو کسی دانا انسان کے مطابق ڈھالتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دانا انسان کسی کردار کا حامل نہیں ہوتا اور وہ تمہاری کسی توقع کو پورا نہیں کر سکتا۔ یہ لازمی ہوتا ہے کہ وہ تمہیں اشتعال دلائے، یہ لازمی ہوتا ہے کہ وہ تمہیں مایوس کرے، یہ لازمی ہوتا ہے کہ وہ تمہیں کئی طریقوں سے ہلا ڈالے اور بکھیر کر رکھ دے۔

وہ دھیرے دھیرے تمہیں بھی اپنی طرح آزاد بنا دیتا ہے۔



گندے لطیفے مت سناؤ

اتیشا کہتا ہے: "گندے لطیفے مت سناؤ۔" اتیشا کہنا چاہتا ہے کہ کسی کے بارے میں کوئی بات مت کرو، جب کوئی شخص موجود نہ ہو تو اس کی برائی مت کرو، کسی کی غیبت مت کرو۔ اتیشا کہتا ہے کہ ارادتاً کسی کو دکھ دینے کی غرض سے کسی کے بارے میں افواہیں مت پھیلاؤ کیونکہ یہ مذاق نہیں ہوتا، یہ دل بہلانے والی باتیں نہیں ہوتیں، یہ مزاح نہیں ہوتا۔ اتیشا حسِ مزاح کے خلاف نہیں ہے، یہ ناممکن ہے اس جیسا ذہین اور آگاہ انسان حسِ مزاح کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت اتیشا جیسے انسانوں نے دنیا کو بہترین مذہبی مزاح عطا کیا ہے۔ اتیشا کا تعلق گوتم بدھ کی روایت سے ہے۔ زین لوگوں کا تعلق گوتم بدھ کی روایت سے ہے۔ زین واحد دھرم ہے جس نے مزاح کو پوجا کے طور پر قبول کیا ہوا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے، کسی طور ممکن نہیں ہے کہ اتیشا حسِ مزاح کا مالک نہ رہا ہو۔

پس یہ سوترا لطیفوں کے حقیقتاً خلاف نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ان لوگوں کے خلاف ہے جو لطیفوں، اور جھوٹی باتوں کے ذریعے دوسروں کو دکھ دیتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس کا مطلب ہے کہ لطیفے کی نفسیات میں گہرا اترو، لطیفے کے پیچھے موجود جواز کو جانو۔ یہی بات ایک ہزار سال بعد سگمنڈ فرائیڈ نے کہی ہے۔ سگمنڈ فرائیڈ کا خیال ہے کہ جب تم کسی کے بارے میں لطیفہ سناتے ہو تو پورا پورا امکان ہوتا ہے کہ تم جارح ہو، تم میں غصہ ہے، تم مصنوعی انداز میں مزاحیہ انسان ہونے کی اداکاری کر رہے ہو لیکن حقیقتاً تم جارح ہو۔

تاہم باہر سے کسی کے بارے میں یہ فیصلہ نہیں دیا جا سکتا، صرف تمہی جج ہو سکتے

ہو۔ اگر تم کسی شخص کو پریشان کرنا، دُکھ دینا چاہتے ہو، کسی کو گزند پہنچانا چاہتے ہو، اگر مزاح کے بہروپ میں تشدد ہے تو اس سے بچو۔ تاہم اگر تشدد نہیں ہے، صرف خالص حسِ مزاح ہے، زندگی کو سنجیدگی سے نہ لینے کی حس ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر کسی دن اتیشا مجھے ملا تو میں اسے چند لطیفے سناؤں گا، اور میرا خیال ہے کہ وہ ان سے لطف اندوز ہوگا۔

لطیفے ایسے ہو سکتے ہیں کہ ان میں تشدد نہ ہو، اور وہ خالص مزاح ہوں۔ بعض اوقات سطح سے دوسروں کو یہ خیال گزرتا ہے کہ تھوڑا تشدد ہے اس میں، لیکن دوسروں کی سوچ کو توجہ مت دو، یہ دیکھو کہ تمہارا ارادہ، تمہاری نیت کیا ہے۔ یہ نیت کا سوال ہے۔ تم غصہ دلانے کی نیت سے مسکرا سکتے ہو، تب مسکراہٹ گناہ بن جائے گی۔ اگر گہرائی میں تشدد کی خواہش ہو تو ہر شے گناہ بن سکتی ہے۔ اگر گہرائی میں زندگی میں مزید خوشی، مزید ہنسی تخلیق کرنے کی خواہش ہے تو ہر شے نیکی بن سکتی ہے۔

میرا اپنا ایقان ہے کہ ہنسی سے زیادہ قیمتی شے کوئی نہیں ہے۔ ہنسی تمہیں پوجا کے قریب تر لے آتی ہے۔ درحقیقت جب تم پورے ہو جاتے تب صرف ہنسی تم میں بچ رہتی ہے۔ تم ہر شے میں ادھورے رہتے ہو ــــ حد تو یہ ہے کہ محبت میں بھی۔ تاہم جب تم دل کی گہرائی سے ہنستے ہو، جب تمہارے وجود کے سارے حصے ــــ جسمانی، نفسیاتی، روحانی حصے ــــ ہنسی میں شامل ہوتے ہیں، تو پھر ان میں ایک عظیم ہم آہنگی ابھرتی ہے۔

اسی لیے تو ہنسی سکون دیتی ہے ــــ اور سکون روحانی شے ہے۔ ہنسی تمہیں زمین پر لے آتی ہے۔ ہنسی تمہیں تمہارے دوسروں سے زیادہ مقدس ہونے کے تصور سے نیچے لے آتی ہے۔ ہنسی تمہیں حقیقت جیسی ہے، اس تک لے آتی ہے۔ جب تک تم دنیا کو ایک کائناتی لطیفہ نہیں سمجھو گے، تب تک تم حتمی بھید کو سمجھنے سے قاصر رہو گے۔

میں سارے کا سارا لطیفوں کے لیے ہوں، میں سارے کا سارا ہنسی کے لیے ہوں۔

اتیشا کہنا چاہتا ہے کہ متشدد مت بنو، اپنے لفظوں میں بھی متشدد مت بنو۔ لطیفے سنا رہے ہو تو متشدد مت بنو کیونکہ تشدد مزید تشدد کو جنم دیتا ہے، غصہ مزید غصے کو جنم دیتا ہے۔ اس سے ایک منحوس چکر جنم لیتا ہے، جس کا کوئی اختتام نہیں ہوتا۔



موقعے کا انتظار مت کرو

اتیشا کہتا ہے: ''موقعے کا انتظار مت کرو۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ موقعہ ہے ''اب'' موقعہ ہے ''یہاں'' پس جو کہتے ہیں: ''ہم موقعے کا انتظار کر رہے ہیں''، وہ دھوکے باز ہیں، اور وہ کسی دوسرے کو نہیں اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔

موقعہ کل نہیں آئے گا۔ موقعہ تو پہلے ہی آ چکا ہے، یہ تو ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ یہ تو اس وقت بھی موجود تھا، جب تم نہیں تھے۔ ہستی ایک موقع ہے۔ ہونا موقعہ ہے۔

موقعے کا انتظار مت کرو۔

یہ مت کہو ''میں کل مراقبہ کروں گا، میں کل محبت کروں گا، میں کل ہستی کے ساتھ رقصاں تعلق (Dancing Relationship) قائم کروں گا۔'' کل کیوں؟ کل تو کبھی نہیں آتی۔ اب کیوں نہیں؟ التوا کیوں؟ التوا ذہن کی ایک چال ہے، وہ تمہیں لٹکائے رکھتا ہے اور اس دوران موقعہ نکل جاتا ہے۔ آخر تم موت تک پہنچ جاتے ہو، اور پھر کوئی موقعہ نہیں بچتا۔

ماضی میں ایسا بہت مرتبہ ہو چکا ہے۔ تم یہاں نئے نہیں ہو، تم کئی بار جنم لے چکے ہو اور کئی بار مر چکے ہو۔ ہر بار ذہن ایک ہی چال چلتا رہا ہے، اور تم اب تک کچھ نہیں سمجھے۔

اتیشا کہتا ہے: ''موقعے کا انتظار مت کرو۔''



دل پر چوٹ نہ لگاؤ

انیشا کہتا ہے لوگوں کے ذہنوں پر تنقید کرو، ان کے نظریات پر تنقید کرو، ان کے نظام ہائے فکر پر تنقید کرو، ہر چیز پر تنقید کرو ___ لیکن کبھی کسی کی محبت پر تنقید نہ کرو، کبھی کسی کے بھروسے پر تنقید مت کرو۔

کیوں؟

اس لیے کہ محبت قیمتی ہے، بھروسہ بہت قیمتی ہے۔ اسے تباہ کرنا، اس پر تنقید کرنا، اسے توڑ پھوڑ دینا، کسی کو پہنچایا جانے والا سب سے بڑا نقصان ہے۔

تم ذہن پر تنقید کر سکتے ہو ___ اس پر تنقید کی جانی چاہیے ___ لیکن دل پر نہیں۔ جب بھی تم کوئی دل والی شے دیکھو تو اس پر تنقید کرنے کی ترغیب سے بچو۔

لوگوں کا معاملہ اس کے بالکل الٹ ہے۔ وہ تمہارے نظریے کو برداشت کر سکتے ہیں، وہ تمہارے ذہن کو برداشت کر سکتے ہیں، لیکن جس لمحے وہ تمہاری محبت کو دیکھتے ہیں، تمہارے بھروسے کو دیکھتے ہیں، وہ تم پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ وہ تمہارے بھروسے کو برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ کہیں گے کہ یہ ہپناسس (Hypnosis) ہے، وہ کہیں گے کہ تم ہپناٹائزڈ ہو، تم دھوکا کھا چکے ہو، تم سراب میں جی رہے ہو۔ وہ کہیں گے کہ محبت تو پاگل پن ہے، محبت تو اندھی ہے، منطق آنکھیں رکھتی ہے اور محبت اندھی ہے۔

سچ اس کے بالکل اُلٹ ہے۔ منطق اندھی ہے۔ اس پر تنقید کرو! محبت آنکھیں رکھتی ہے، صرف محبت آنکھیں رکھتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت بھگوان کو دیکھ سکتی ہے

یقینوں پر تنقید کرو کیونکہ یقین خوبصورت الفاظ کے پیچھے چھپائے گئے شک کے سوا کچھ نہیں ہوتے۔ کسی کے یقین پر تو تنقید کرو لیکن اس کے بھروسے پر تنقید مت کرو۔

دونوں میں کیا فرق ہے؟ بھروسہ محبت کی کیفیت کا حامل ہوتا ہے۔ یقین صرف عقلی رسائی ہوتا ہے۔ اگر کوئی کہے: ''میں فلاں شے پر یقین رکھتا ہوں کیونکہ اس کے ثبوت موجود ہیں۔'' تب اس پر تنقید کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ثبوت صرف یقین کو ثابت کرتے ہیں۔ لیکن جب کوئی کہے ''میں بھگوان سے محبت کرتا ہوں۔ مجھے پتا نہیں کہ میں کیوں بھگوان سے محبت کرتا ہوں۔ بس مجھے بھگوان سے محبت ہے۔ میں محبت میں ہوں۔''

پس جب بھی تم کسی کو محبت میں دیکھو، کسی کو بھروسے میں دیکھو تو اس پر تنقید مت کرو۔ تنقید کرنا آسان ہے، کسی معاملۂ محبت پر زہر پھینکنا آسان ہے۔ تاہم تم نہیں جانتے کہ تم تباہ کار بن چکے ہو، تم نہیں جانتے کہ تم ایک انتہائی خوبصورت شے کو تباہ کر چکے ہو۔ تم نے گلاب کے پھول پر بھاری پتھر پھینک دیا ہے۔



گائے کا بوجھ

اتیشا کہتا ہے: ''گائے کا بوجھ بیل پر مت لادو۔''

لوگ ہمیشہ قربانی کے بکرے ڈھونڈتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مضبوط انسان کو جواب نہیں دے سکتے، وہ غریب شخص سے اس کا انتقام لیتے ہیں۔

ایک شخص کسی بادشاہ کا درباری مسخرہ تھا۔ درباری مسخرے کی کسی بات پر بادشاہ کو غصہ آ گیا۔ اس نے غصے میں مسخرے کو تھپڑ مارا۔ مسخرے کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے سوچا کہ وہ اس تھپڑ کا بدلہ ضرور لے گا۔ تاہم بادشاہ کو تھپڑ مارنے کا مطلب سیدھا سیدھا موت کے گھاٹ اتر جانا تھا۔ درباری مسخرے نے اپنے ساتھ کھڑے آدمی کو تھپڑ مارا۔

وہ آدمی حیرانی سے بولا: ''میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم نے مجھے تھپڑ مارا ہے؟''

درباری مسخرے نے کہا: ''مجھ سے بحث مت کرو۔ تم اپنے ساتھ کھڑے شخص کو تھپڑ مار دو۔ دنیا بہت بڑی ہے۔ جب ہماری دوبارہ تھپڑ کھانے کی باری آئے گی تب دیکھا جائے گا۔ بحث چھوڑو اپنے ساتھ کھڑے شخص کو تھپڑ مارو!''

لوگ یہی کچھ تو کر رہے ہیں، حقیقت میں، واقعی میں یہی کچھ تو کر رہے ہیں۔ باس کسی شخص کی بے عزتی کرتا ہے، وہ گھر آ کر سارا غصہ بیوی پر اتار دیتا ہے، بلاوجہ اسے ڈانٹتا، جھڑکتا یا مارتا پیٹتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی وجہ بھی ڈھونڈ نکالے، اور ایسی وجوہات بڑی معمولی ہوتی ہیں — یہ کہ کھانے میں نمک زیادہ کیوں ہے یا روٹی جلی ہوئی کیوں ہے۔ وجہ کچھ بھی ہوسکتی ہے — آٹا گوندھتے ہلتی کیوں ہو! وہ وجہ ڈھونڈ نکالے گا، اور وہ خود کو یقین دلا لے گا کہ اس کا غصہ بلاوجہ، بے جواز نہیں ہے، اس کی ایک وجہ ہے، یہ وجہ ہے۔ اصل وجہ یہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسے اپنے باس پر غصہ ہے لیکن باس ایک بااختیار، طاقتور انسان ہے، اسے کچھ کہنا خطرناک ہوسکتا ہے، وہ اسے نوکری سے نکال بھی سکتا ہے۔ چنانچہ جب باس اس کی بے عزتی کر رہا تھا تو وہ مسکرا رہا تھا، وہ دم دبائے ہوئے تھا۔ اب وہ باس کا غصہ بیوی پر اتار رہا ہے۔

اگر معاملہ مغرب کا ہو تو بیوی بھی اس پر چڑھائی کر سکتی ہے۔ تاہم اگر یہ معاملہ مشرق کا ہو تو بیوی کچھ نہیں کر سکتی۔ مشرق میں شوہر بیویوں سے کہتے ہیں کہ انہیں شوہروں کو بھگوان تصور کرنا چاہیے۔ بیوی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اسے بچے کے سکول سے واپس آنے کا انتظار کرنا ہوتا ہے، پھر وہ اس کے ساتھ وہ کچھ کرے گی جو وہ اپنے شوہر کے ساتھ کرنا چاہتی ہے۔ وہ بچے کو مارتی پیٹتی ہے۔ بچے کو سکول سے واپس میں دیر ہو گئی ہے، اس کے کپڑے پھر پھٹے ہوئے ہیں، اس نے دوبارہ یہ یا وہ کیا ہے — کوئی بھی وجہ بنا کر وہ اسے مار سکتی ہے — وہ برے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا!

اور بچہ کیا کر سکتا ہے؟ وہ اپنے کمرے میں جائے گا اور اپنے کھلونے توڑ دے گا۔ اس طرح غصہ منتقل ہوتا ہے۔

اتیشا کہتا ہے: ''چیزوں کو منتقل مت کرو۔''

وگرنہ تمہاری ساری زندگی منتقلی ہی منتقلی ہو گی۔ ذمہ داری قبول کرو، خطرہ مول لو۔ صورتحال کا سامنا کرو، قیمت خواہ کچھ بھی ادا کرنی پڑے۔

اتیشا کہتا ہے: ''پسند اور ناپسند مت رکھو۔''

صرف ہوؤ، بااخلاق ہوؤ، تعصبات کے ذریعے فیصلے مت کرو، اپنی پسند ناپسند کے

تحت فیصلے مت کرو۔ ہر معاملے کا فیصلہ اس کی خصوصیات کی بنیاد پر کرو۔ اس طرح تمہاری زندگی سچ کا حسن پالے گی، تمہاری زندگی سچ کی قوت پالے گی۔

اتیشا کہتا ہے: ''بری آراء و تصورات مت رکھو۔''

ساری آراء، سارے تصورات برے ہیں، غلط ہیں۔ زندگی کو تصورات کے بغیر جینا چاہیے۔ زندگی کو حقیقت سے براہِ راست تعلق میں جینا چاہیے۔ تاہم اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو پھر کم از کم برے تصورات تو مت رکھو۔

برے تصورات کیا ہیں؟

ایسے تصورات جن کی جڑیں تعصب، نفرت، غصے، لالچ، تشدد میں ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی قسم کے تصورات مت رکھو۔ جینے کے کسی فلسفے کے بغیر زندگی کو جیو۔ زندگی کو جینے کے لیے کسی فلسفے کی ضرورت نہیں ہے۔ درحقیقت بہترین اور شاندار زندگی وہ ہے جسے کسی فلسفے کے بغیر جیا جاتا ہے___ سادہ، معصوم، بے ساختہ۔

تاہم اگر ابھی ایسا ممکن نہیں تو پھر کم از کم غلط تصورات کو تو چھوڑ دو۔ تعصبات کے وسیلے مت جیو، غصے کے وسیلے مت جیو، نفرت کے وسیلے مت جیو، لالچ اور ہوس (Ambition) کے وسیلے مت جیو، خوابوں کے وسیلے مت جیو۔ زیادہ نارمل ہوؤ، زیادہ حقیقت پسند ہوؤ۔ اک ذرا زیادہ چوکس ہوؤ، ہر عمل کا شعوری طور پر مشاہدہ کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر عمل اعمال کے ایک سلسلے کو جنم دیتا ہے۔ تم جو کچھ کرتے ہو، وہ دنیا ہی میں رہ جاتا ہے، خواہ تم چلے گئے ہو دنیا سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سلسلہ برقرار رہتا ہے۔ اگر تم دنیا میں کوئی خوبصورت عمل نہیں کر سکتے تو کم از کم کوئی بدصورت عمل بھی نہ کرو۔

سب سے اعلیٰ امکان یہ ہے کہ تم تصورات کے بغیر جیو، صرف جیو، صرف ہوؤ۔ دوسرا بہترین امکان یہ ہے کہ کم از کم منفی حصے کو چھوڑ دو اور مثبت حصے کے مطابق عمل کرو۔ رفتہ رفتہ تم دیکھو گے کہ اگر تم منفی کو چھوڑ سکتے ہو تو مثبت کو بھی چھوڑا جا سکتا ہے۔ درحقیقت منفی کو چھوڑنا مثبت کو چھوڑنے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

جو شخص نہیں کو چھوڑ سکتا ہے، وہ ہاں کو آسانی سے چھوڑ سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاں سے زیادہ نہیں انا کو مضبوط کرتی ہے۔ جو شخص غصے، نفرت اور لالچ کو چھوڑ سکتا ہے، وہ

مثبت احساسات کو آسانی سے چھوڑ سکتا ہے۔

اور تمام دوئیوں، ثنویتوں (Dualities) سے ماورا رہنا ہی اتیشا اور دوسرے تمام عظیم گروؤں کی حتمی منزل ہے۔

اتیشا کہتا ہے: ''شیطان سے بچو۔''

انا کو شیطان کہا جاتا ہے۔ ہمیشہ یاد رکھو، زندگی کے ہر لمحے میں یاد رکھو کہ انا بہت باریک ہوتی ہے اور بڑے شاطرانہ طریقوں سے بار بار واپس آ جاتی ہے۔ یہ آخر تک تمہارا پیچھا کرتی ہے۔ یہ آخر تک اس امید میں رہتی ہے کہ تم جال میں پھنس جاؤ گے۔ اس سے ہوشیار رہو۔

شروع میں صرف چند لمحوں کے لیے ''میں'' کے بغیر جینے کی کوشش کرو۔ تم باغ کی زمین میں صرف ایک سوراخ کھود رہے ہو۔ صرف سوراخ کھودو، صرف کھودنا بن جاؤ، اور بھلا دو کہ ''میں یہ کام کر رہا ہوں۔'' کام کرنے والے کو غائب ہو جانے دو۔ تم دھوپ میں پسینے پسینے ہو رہے ہو گے اور کام کرنے والا کوئی نہیں ہو گا، اور کھدائی جاری رہے گی۔ تم حیران رہ جاؤ گے کہ اگر انا ایک لمحے کے لیے بھی غائب ہو سکے تو زندگی الوہی بن جاتی ہے۔

نہاتے ہوئے، پانی کو اپنے اوپر گرنے دو، لیکن ''میں'' کی حیثیت سے وہاں مت ہوؤ۔ سکون میں رہو ''میں'' کو بھلا دو اور تم حیران رہ جاؤ گے۔ پانی نہ صرف تمہارے جسم کو ٹھنڈک دے رہا ہو گا بلکہ یہ تمہارے داخلی مرکز کو بھی ٹھنڈا کر دے گا۔

اگر تم ڈھونڈو تو تمہیں ہر روز معمول کی زندگی میں بہت سے لمحے ایسے مل جائیں گے جب انا کو پرے دھرا جا سکتا ہے۔ تب خوشی اتنی زیادہ ہو گی کہ اگر تم نے ایک بار ایسا کر لیا تو تم اسے بار بار کر سکو گے۔ رفتہ رفتہ تم اسے بالکل چھوڑنے کے قابل ہو جاؤ گے تاوقتیکہ یہ بہت ضروری نہ ہو جائے۔ پھر وہ رحمتوں والا دن بھی آتا ہے جب تمہیں پتا چلتا ہے کہ انا تو کسی صورت ضروری نہیں رہی۔ تم اسے آخری بار خدا حافظ کہتے ہو۔ جس دن انا مرتی ہے، تم لاذات کی منزل پر پہنچ جاتے ہو، جو کہ تمہاری حقیقی ہستی ہے۔ کوئی شے تمہاری حقیقی ہستی نہیں ہے۔ نہ ہونا ہی پہلی بار ہونا ہے۔



موت انا کا سایہ ہے

موت کے بارے میں جاننے والی پہلی بات یہ ہے کہ موت ایک جھوٹ ہے۔ موت وجود نہیں رکھتی، یہ ایک انتہائی وہم وگمان والی شے ہے۔ موت ایک اور جھوٹ کا سایہ ہے__ اس جھوٹ کا نام انا ہے۔ موت انا کا سایہ ہے۔ چونکہ انا ہوتی ہے اس لیے ایسا لگتا ہے کہ موت نے بھی ہونا ہے۔

موت کو جاننے کا، سمجھنے کا راز موت میں نہیں ہے۔ تمہیں انا کے وجود پر گہرا غور کرنا ہوگا۔ تمہیں دیکھنا ہوگا، مشاہدہ کرنا ہوگا، آگاہ ہونا ہوگا کہ انا کیا ہے۔ جس روز تم پا جاتے ہو کہ انا نہیں ہے، نہ ہی کبھی تھی__ یہ اس لیے موجود لگتی ہے کہ تم آگاہ نہیں ہو، یہ اس لیے موجود لگتی ہے کہ تم خود اپنی ہستی کو اندھیرے میں رکھتے ہو__ جس روز یہ سمجھ آ جائے کہ انا بے شعور ذہن کی پیداوار ہے، انا غائب ہو جاتی ہے، اور اس کے ساتھ ہی موت بھی غائب ہو جاتی ہے۔

''حقیقی تم'' ابدی ہے۔ زندگی نہ تو جنم لیتی ہے اور نہ ہی مرتی ہے۔ سمندر برقرار رہتا ہے، لہریں آتی ہیں، چلی جاتی ہیں__ لیکن سوال یہ ہے کہ لہریں کیا ہیں؟ لہریں صرف صورتیں (Forms) ہیں، ہوا سمندر سے کھیل رہی ہوتی ہے۔ لہریں ٹھوس وجود کی حامل نہیں ہوتیں۔ ہم بھی ایسے ہی ہیں، لہریں ہیں، کھیل کی چیزیں ہیں۔

تاہم اگر ہم لہر کے نیچے گہرائی میں دیکھیں تو وہاں ایک سمندر ہوتا ہے اور اس کی ابدی گہرائی ہوتی ہے اور اس کا ناپا نہ جا سکنے والا بھید ہوتا ہے۔ اپنی ہستی کی گہرائی میں جھانکو،

تمہیں سمندر ملے گا۔ سمندر ہے، سمندر ہمیشہ ہوتا ہے۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے، ''وہ تھا'' تم یہ نہیں کہہ سکتے، ''وہ ہوگا۔'' تم اس کے لیے صرف ایک ہی زمانہ استعمال کر سکتے ہو: زمانہ حال۔ وہ ہے۔

دھرم کی ساری جستجو یہی ہے۔ اسے پانے کی جستجو جو کہ سچ مچ ہے۔ ہم نے ایسی چیزوں کو قبول کر لیا ہوا ہے جو کہ حقیقتاً نہیں ہیں، اور ان میں سے سب سے بڑی اور سب سے مرکزی شے ہے انا۔

اور بلاشبہ اس کا سایہ بھی بہت بڑا ہے__ سایہ موت ہے۔

جو لوگ موت کو براہِ راست سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ کبھی اس کے اسرار میں داخل نہیں ہو سکتے۔ وہ اندھیرے سے لڑ رہے ہوں گے۔ اندھیرا غیر وجودی ہوتا ہے، تم اس سے لڑ نہیں سکتے۔ روشنی لاؤ، اندھیرا نہیں رہے گا۔

ہم انا سے کیسے واقف ہو سکتے ہیں؟ اپنی ہستی میں تھوڑی سی مزید آگہی لاؤ۔ اب تک تمہیں ہر کام خودکار انداز میں کرنا ہوگا، اور چابی تمہارے پاس ہے۔ اگر تم چل رہے ہو تو روبوٹ کی طرح مت چلو۔ اس طرح مت چلو جیسے تم ہمیشہ چلتے رہے ہو، میکانکی انداز میں مت چلو۔ اس میں تھوڑی سی آگہی لاؤ، رفتار کم کرو، ہر قدم پورے شعور سے اٹھاؤ۔

گوتم بدھ اپنے چیلوں سے کہا کرتا تھا کہ جب تم اپنا بایاں پاؤں اٹھاؤ تو دل میں کہو ''بایاں۔'' جب تم اپنا دایاں پاؤں اٹھاؤ تو دل میں کہو، ''دایاں۔'' پھر رفتہ رفتہ لفظ غائب ہو جائیں گے۔

چھوٹے چھوٹے کاموں میں اسے آزماؤ۔ تم سے بڑے کاموں کی توقع بھی نہیں ہے۔ کھاتے ہوئے، سانس لیتے ہوئے، تیرتے ہوئے، چلتے ہوئے، گفتگو کرتے ہوئے، باتیں سنتے ہوئے، اپنے لیے کھانا پکاتے ہوئے، اپنے کپڑے دھوتے ہوئے__ ان سارے کاموں کو غیر خودکار (Deautomatize) بنا لو۔ اس لفظ غیر خودکار کو یاد رکھو، یہ آگاہ ہونے کا کُل راز ہے۔

ذہن ایک روبوٹ ہے۔ روبوٹ کا بھی فائدہ ہوتا ہے۔ ذہن اس طرح سے کام کرتا ہے۔ تم کچھ سیکھتے ہو تو جب تم سیکھ رہے ہوتے ہو تو شروع میں تم آگاہ ہوتے ہو۔ مثال

کے طور پر اگر تم تیرنا سیکھتے ہو تو تم بہت چوکس ہوتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ زندگی خطرے میں ہوتی ہے۔ یا اگر تم کار ڈرائیو کرنا سیکھتے ہو تو تم بہت چوکس ہوتے ہو۔ تمہیں چوکس ہونا پڑتا ہے۔ تمہیں بہت سی چیزوں کے حوالے سے احتیاط کرنی پڑتی ہے — سٹیئرنگ ویل، سڑک، راہگیر، ایکسلریٹر، بریک، کلچ۔ تمہیں ہر چیز سے آگاہ رہنا پڑتا ہے۔ یاد رکھنے کو بہت سی چیزیں ہوتی ہیں، اور تم نروس ہوتے ہو، اور غلطی کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ یہ بہت خطرناک عمل ہوتا ہے، اسی لیے تمہیں آگاہ رہنا پڑتا ہے۔ تاہم جب تم ڈرائیونگ سیکھ جاتے ہو تو اس آگاہی کی ضرورت نہیں رہتی۔ تب تمہارے ذہن کا روبوٹ حصہ اسے سنبھال لیتا ہے۔

اسے ہم سیکھنا کہتے ہیں۔ کسی کام کو سیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے شعور سے روبوٹ کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے۔ سیکھنا یہی کچھ ہے۔ جب تم کسی کام کو سیکھ جاتے ہو تو وہ تمہارے شعور کا حصہ نہیں رہتا، وہ لاشعور کو بھیج دیا جاتا ہے۔ اب لاشعور اسے کر سکتا ہے، اب تمہارا ذہن کچھ اور سیکھنے کے لیے فارغ ہے۔

یہ عمل اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ بصورتِ دیگر تم صرف ایک شے سے ساری زندگی ڈرتے رہو گے۔ ذہن عظیم خادم ہے، ایک عظیم کمپیوٹر ہے۔ اسے استعمال کرو لیکن یاد رکھو کہ اسے تم پر غالب نہیں آ جانا چاہیے۔ یاد رکھو کہ تمہیں آگاہ رہنا ہے، ایک دروازہ کھلا رکھنا ہے کہ جہاں سے تم روبوٹ سے باہر آ سکو۔

اس دروازے کو کھولنا مراقبہ کہلاتا ہے۔ تاہم یاد رکھو روبوٹ بہت چالاک ہے، وہ مراقبے کو بھی اپنے کنٹرول میں لے سکتا ہے۔ جب تم اسے سیکھ جاؤ گے تو ذہن کہے گا، ''اب تم اس کی فکر مت کرو۔ میں اسے کر لوں گا۔ تم اسے مجھ پر چھوڑ دو۔''

ذہن بہت چالاک ہے، یہ ایک بہت خوبصورت مشین ہے۔ یہ اچھا کام کرتی ہے۔ درحقیقت ہماری ساری سائنس، اور ہماری علم کی نام نہاد ترقی انسانی ذہن جیسی کامل مشین نہیں بنا سکتی۔ دنیا کے عظیم ترین کمپیوٹر بھی ذہن کے آگے کچھ نہیں ہیں، معمولی ہیں۔

ذہن تو ایک معجزہ ہے۔

لیکن جب کوئی شے بہت زیادہ طاقتور ہو جاتی ہے تو اس میں خطرہ ہوتا ہے۔ تم اس سے اور اس کی طاقت سے اتنے ہپناٹائزڈ ہو سکتے ہو کہ تم اپنی روح کو کھو بیٹھتے ہو۔ اگر تم مکمل

طور پر فراموش کر چکے ہو کہ آگاہ کیسے ہونا ہے تو انا جنم لے چکی ہے۔

انا سراسر عدم آگہی کی حالت ہے۔ ذہن تمہارے سارے وجود پر قابض ہو چکا ہے، وہ کینسر کی طرح تم میں ہر طرف پھیل چکا ہے، کچھ بھی نہیں بچا۔ انا اندر کا کینسر ہے، روح کا کینسر۔

اور واحد علاج — یاد رکھنا میں کہہ رہا ہوں واحد علاج — ہے مراقبہ۔ یوں تم ذہن کے قبضے سے چند حصے چھڑا لیتے ہو۔ یہ عمل مشکل لیکن ولولہ انگیز ہے، عمل مشکل لیکن سحر انگیز ہے، عمل مشکل لیکن چیلنجنگ ہے۔ یہ تمہاری زندگی میں ایک نئی خوشی لائے گا۔ جب تم روبوٹ کے قبضے سے اپنا علاقہ چھڑا لو گے تو تم حیران رہ جاؤ گے کہ تم تو ایک بالکل نئے شخص بنتے جا رہے ہو، کہ تمہارا وجود نیا ہو رہا ہے، کہ یہ ایک نیا جنم ہے۔

اور تم حیران ہو گے کہ تمہاری آنکھیں زیادہ دیکھ سکتی ہیں، تمہارے کان زیادہ سن سکتے ہیں، تمہارے ہاتھ زیادہ چھو سکتے ہیں، تمہارا جسم زیادہ محسوس کر سکتا ہے، تمہارا دل زیادہ محبت کر سکتا ہے — ہر شے زیادہ ہو جاتی ہے — زیادہ نہ صرف کمیت (Quantity) کے معنوں میں بلکہ کیفیت (Quality) کے معنوں میں۔ تم نہ صرف زیادہ درختوں کو دیکھتے ہو بلکہ زیادہ گہرا دیکھتے ہو۔ درختوں کا ہرا بھرا پن زیادہ ہرا بھرا ہو جاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ چمکنے بھی لگتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ درخت اپنی فردیت کا بھی حامل لگتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اب تم اس کے ساتھ بات بھی کر سکتے ہو۔

اور تم جتنے زیادہ علاقے واپس لیتے جاتے ہو، اتنا زیادہ تمہاری زندگی رنگوں سے بھر جاتی ہے۔ تب تم ایک قوسِ قزح ہوتے ہو۔ تب تم میں ساتوں رنگ اور ساتوں سُر ہوتے ہیں — پوری سرگم۔ تمہاری زندگی زیادہ امیر ہو جاتی ہے، کثیر جہتی ہو جاتی ہے، اس میں گہرائی پیدا ہو جاتی ہے، بلندی پیدا ہو جاتی ہے۔ خوبصورت وادیاں اس میں ہوتی ہیں، خوبصورت چوٹیاں اس میں ہوتی ہیں۔ تم وسیع ہونے لگتے ہو۔ جب تم روبوٹ سے اپنے حصے واپس لیتے ہو، تم زندہ ہونے لگتے ہو۔

یہ مراقبے کا معجزہ ہے۔ اسے کھونا نہیں چاہیے۔ جن لوگوں نے اسے کھو دیا ہے، وہ زندہ نہیں ہیں۔ زندگی کو ایسی شدت، ایسی مسرت میں جاننا، یہ جاننا ہے کہ موت نہیں ہے۔

زندگی کو نہ جاننے سے موت پیدا ہوتی ہے۔ زندگی سے لاعلمی موت کو جنم دیتی ہے۔

زندگی کو جاننا، یہ جاننا ہے کہ موت نہیں ہے، نہ کبھی تھی۔ کبھی کوئی شخص مرا نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کوئی کبھی مرے گا بھی نہیں۔ موت اشیا کی فطرت میں ناممکن ہے ___ صرف زندگی ممکن ہے۔ ہاں، زندگی صورتیں بدلتی رہتی ہے۔ ایک دن تم یہ ہوتے ہو، دوسرے دن وہ۔ وہ بچہ کہاں ہے جو کبھی تم تھے؟ کیا وہ بچہ مر گیا؟ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ بچہ مر گیا ہے؟ بچہ نہیں مرا ہے۔ تو پھر بچہ کہاں ہے؟ صورت تبدیل ہو چکی ہے۔ بچہ جوہری طور پر اب بھی موجود ہے لیکن اب تم جوان مرد یا جوان عورت بن چکی ہو۔ بچہ اپنے سارے حسن سمیت موجود ہے، تاہم نئی ثروت اس پر چھا چکی ہے۔

ایک روز تم بوڑھے ہو جاؤ گے۔ تمہاری جوانی کہاں ہے؟ مر گئی؟ نہیں، اب پھر کچھ رونما ہو چکا ہے۔ بڑھاپا اپنی فصل لاتا ہے، بڑھاپا اپنی دانش لاتا ہے، بڑھاپا اپنا حسن لاتا ہے۔

بچہ معصوم ہوتا ہے۔ معصومیت اس کا مرکز ہوتی ہے۔ جوانی توانائی سے چھلک رہی ہوتی ہے۔ یہ اس کا مرکز ہے۔ بوڑھا سب کچھ دیکھ چکا ہے، سب کچھ جانتا ہے، سب کچھ جی چکا ہے۔ دانش نمودار ہو چکی ہے۔ یہ اس کا مرکز ہے۔ تاہم اس کی دانش میں تھوڑا حصہ اس کی جوانی کا بھی ہے، یہ بھی چھلکتا ہے، یہ بھی تاباں ہے، یہ بھی مرتعش ہے۔ یہ دھڑک رہا ہے۔ یہ زندہ ہے۔ وہ تھوڑا سا بچہ بھی ہوتا ہے، یہ معصومیت ہے۔

اگر بوڑھا آدمی جوان بھی نہیں ہے تو پھر صرف اس کی عمر میں اضافہ ہوا ہے، وہ بوڑھا نہیں ہوا۔ وہ وقت میں، عمر میں تو بڑھا ہے لیکن بڑھاپے میں نہیں۔ وہ ضائع کر چکا ہے۔

اگر بوڑھا آدمی بچے کی طرح معصوم نہیں ہے، اگر اس کی آنکھوں سے وہ شفاف معصومیت نہیں جھلکتی تو پھر وہ جیا ہی نہیں ہے۔

اگر تم پورے پن میں جیو گے تو چالاکی اور عیاری غائب ہو جائے گی اور بھروسہ ابھر آئے گا۔ یہ پیمانہ ہے اس بات کو جاننے کا کہ کوئی شخص جیا ہے یا نہیں۔ بچہ مرتا نہیں ہے، صرف اس کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ جوانی کبھی نہیں مرتی، صرف ایک نئی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔

تمہارا کیا خیال ہے بوڑھا آدمی مرتا ہے؟ ہاں! جسم غائب ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اپنا مقصد پورا کر چکا ہوتا ہے، تاہم شعور سفر جاری رکھتا ہے۔

اگر موت حقیقت ہوتی تو ہستی سراسر لایعنی ہوتی، ہستی پاگل ہوتی۔ اگر بدھ مرتا تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ہستی سے اتنی خوبصورت موسیقی، روشنی، عظمت، حسن، شاعری غائب ہو جاتی۔ تب ہستی نہایت احمق ہوتی۔ تب کیا معنویت رہ جاتی؟ تب نشوونما کیسے ممکن ہوتی؟ تب ارتقا کیسے ممکن ہوتا؟

بدھ ایک نایاب ہیرا ہے۔ ایسا ہیرا شاذ ہی ملتا ہے۔ لاکھوں لوگ کوشش کرتے ہیں، اور صرف ایک شخص بدھ بنتا ہے ___ اور پھر وہ مر جاتا اور سب ختم ہو جاتا تو پھر معنویت کیسی؟

نہیں، بدھ نہیں مر سکتا۔ وہ جذب ہو جاتا ہے، وہ کل میں جذب ہو جاتا ہے۔ وہ جاری رہتا ہے۔ اب تسلسل جسم کے بغیر ہے، کیونکہ وہ اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ کسی جسم میں سما نہیں سکتا، سوائے کائنات کے جسم کے۔ اب وہ صرف جوہر میں وجود رکھ سکتا ہے۔ وہ صرف خوشبو کی حیثیت سے وجود رکھ سکتا ہے، پھول کی حیثیت سے نہیں۔ وہ صورت کا حامل نہیں ہو سکتا، وہ صرف ہستی کی بے صورت ذہانت کی حیثیت سے وجود رکھ سکتا ہے۔

دنیا زیادہ ذہین ہو چکی ہے۔ بدھ سے پہلے یہ اتنی ذہین نہیں تھی، کچھ کمی تھی اس میں۔ یسوع سے پہلے یہ اتنی ذہین نہیں تھی، لاؤتزو سے پہلے یہ اتنی ذہین نہیں تھی۔ ان سب نے اسے ذہانت عطا کی ہے۔ بدھ، مہاویر، پتانجلی، اتیشا، لاؤتزو، تلوپا ___ سبھی نے اسے کچھ نہ کچھ دیا ہے۔

دنیا آگاہ ہونے کا تناظر ہے، ایک موقعہ ہے۔

اتیشا کہتا ہے: ''موقعے کا انتظار مت کرو۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا موقعہ ہے، ہم پہلے ہی موقعہ حاصل کر چکے ہیں۔ دنیا سیکھنے کا موقعہ ہے۔ یہ تو دو تضادوں کا یکجا ہونا تاہم وقت، ابدیت کو جاننے کا موقعہ ہے، جسم، بے جسم کو جاننے کا موقعہ ہے، مادہ، شعور کو جاننے کا موقعہ ہے، جنس، سادھی سیکھنے کا موقعہ ہے۔ ساری ہستی ایک موقعہ ہے۔ غصہ، ہمدردی سیکھنے کا موقعہ ہے، لالچ، شراکت سیکھنے کا موقعہ ہے، اور موت انا میں جانے اور یہ دیکھنے کا موقعہ ہے کہ ''میں ہوں یا میں نہیں ہوں۔ اگر میں ہوں، تو شاید ممکن ہے۔'' تاہم اگر تم پاتے ہو کہ ''میں نہیں ہوں'' کہ اندر خالص خالی پن ہے، وہاں بے جسم ہے ___ اگر تم اس بے جسمی کو اپنے اندر

محسوس کر سکتے ہو تو پھر کہاں ہے موت؟ کیا ہے موت؟ کون مر سکتا ہے؟

تم نے اہم سوال کیا ہے۔ تم نے پوچھا ہے: ''کیا آپ موت کے بارے میں کچھ کہہ سکتے ہیں؟''

صرف ایک بات، موت نہیں ہے۔

اور تم نے پوچھا ہے: ''......اور مرنے کے فن کے بارے میں؟''

جب موت ہی نہیں ہے تو تم کیسے مرنے کا فن سیکھو گے؟ تمہیں تو جینے کا فن ''جینا'' ہوگا۔ اگر تم جینا جانتے ہو تو تم زندگی اور موت کے بارے میں سب کچھ جانتے ہو۔ تاہم تمہیں مثبت تک پہنچنا ہوگا۔

منفی کو اپنے مطالعے کا موضوع بالکل مت بناؤ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منفی ہے ہی نہیں۔ تم چلتے چلے جا سکتے ہو، لیکن تم کہیں نہیں پہنچو گے۔ یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ روشنی کیا ہے، اور اندھیرا کیا ہے؟ یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ زندگی کیا ہے اور موت کیا ہے؟ یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ محبت کیا ہے اور نفرت کیا ہے؟

اگر تم نفرت پر غور کرو گے تو تم اسے سمجھ نہیں سکو گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفرت صرف محبت کی عدم موجودگی ہے، جیسے اندھیرا روشنی کی عدم موجودگی ہے۔ تم عدم موجودگی کو کیسے سمجھ سکتے ہو؟ اگر تم مجھے سمجھنا چاہتے ہو تو تمہیں ''مجھے'' سمجھنا ہوگا، میری عدم موجودگی کو نہیں۔ اگر تم کرسی کا مطالعہ کرنا چاہتے ہو تو تمہیں ''کرسی'' کا مطالعہ کرنا ہوگا، اس کی عدم موجودگی کا نہیں۔ اگر تم عدم موجودگی کا مطالعہ شروع کر دو گے تو تم کیا مطالعہ کرو گے؟

ہمیشہ چوکس رہو، کسی منفی چیز میں مت اٹکو۔ بہت سے لوگ منفی چیزوں کا مطالعہ کیے جا رہے ہیں۔ ان کی توانائیاں ضائع ہو رہی ہیں۔ مرنے کا کوئی فن نہیں ہے۔ جینے کا فن ہی مرنے کا فن ہے۔ جیو!

تاہم تمہارے نام نہاد پنڈت تمہیں نہ جینے کا درس دیتے رہے ہیں۔ وہ موت کو تخلیق کرنے والے ہیں۔ انہوں نے بڑے بالواسطہ انداز میں موت کو تخلیق کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمہیں جینے سے بہت خوفزدہ کر چکے ہیں۔ ہر شے غلط ہے۔ زندگی غلط ہے، دنیا غلط ہے، جسم غلط ہے، محبت غلط ہے، تعلق غلط ہے، کسی شے سے لطف اندوز ہونا غلط ہے۔

انہوں نے تمہیں ہر شے کے حوالے سے غلطی کا اتنا احساس دے دیا ہے کہ تم جی نہیں سکتے۔ جب تم جی ہی نہیں سکتے، تو کیا بچا؟ عدم موجودگی، زندگی کی عدم موجودگی ــــ اور یہی موت ہے۔ تم کانپنے لگتے ہو اور چونکہ تم موت کے بے پناہ خوف سے کانپنے لگتے ہو، پنڈت بہت طاقتور ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے: ''فکر مت کرو، میں تمہاری مدد کے لیے ہوں نا۔ میری پیروی کرو۔ میں تمہیں نرک سے بچاؤں گا اور سورگ میں لے جاؤں گا۔ جو لوگ میرے پیروکار ہوں گے وہ بچ جائیں گے اور کوئی نہیں بچے گا۔''

لوگ خوف کی وجہ سے کسی نہ کسی شے سے چمٹنے لگتے ہیں، قریب میں جو کچھ بھی دستیاب ہو۔ اگر تم اتفاقاً ہندو گھر میں پیدا ہو گئے ہو یا جین یا یہودی گھر میں تو تم ہندو یا جین یا یہودی بن جاتے ہو۔ جو کچھ قریب میں دستیاب ہوتا ہے، بچہ اسی سے چمٹنے لگتا ہے۔

میری سوچ بالکل مختلف ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ خوفزدہ ہوؤ ــــ یہ تو پنڈت کا حربہ ہے، یہ اس کا ٹریڈ سیکرٹ ہے۔ میں کہتا ہوں خوفزدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ زندگی کو بے خوفی سے جیو، ہر لمحہ ممکنہ حد تک زیادہ شدت سے جیو۔ شدت کو یاد رکھنا ہوگا۔ اگر تم کسی لمحے شدت سے جیو گے تو پتا ہے کیا ہوگا؟ تمہارا ذہن اس کے دوبارہ ہونے کی آرزو کرنے لگے گا۔

تم کسی عورت سے محبت کرتے ہو، تمہارا ذہن اس سے دوبارہ محبت کرنے کو بیتاب ہو جاتا ہے۔ کیوں؟ تم بار بار ایک ہی تجربے کی خواہش کیوں کرتے ہو؟ تم کوئی خاص پکوان کھاتے ہو، اس سے لطف حاصل کرتے ہو، پھر تم اسی پکوان کو بار بار کھانا چاہتے ہو۔ کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اسے کاملاً نہیں کرتے۔ اسی لیے تم میں کوئی شے غیر مطمئن رہ جاتی ہے۔ اگر تم کاملاً کوئی کام کرو تو اسے دوبارہ کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہوگی اور تم نئے کی جستجو کرنے لگو گے، نامعلوم کو دریافت کرنے میں لگ جاؤ۔ تم ایک منحوس چکر میں نہیں گھومو گے۔ تمہاری زندگی ارتقا بن جائے گی۔ عام لوگ صرف دائروں میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ حرکت میں ہیں، لیکن ایسا صرف لگتا ہی ہے۔

ارتقا کا مطلب ہے کہ تم دائرے میں گردش نہیں کر رہے، کہ ہر روز کوئی نئی شے رونما ہو رہی ہے ــــ حقیقتاً ہر لمحے کوئی نئی شے رونما ہو رہی ہوتی ہے۔ ایسا کب ممکن ہوتا ہے؟ جب

بھی تم شدت سے جینا شروع کر دیتے ہو۔

میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کھانا کیسے شدت سے اور کاملاً کھایا جاتا ہے، کیسے کاملاً اور شدت سے محبت کی جاتی ہے، چھوٹے چھوٹے کام کیسے اتنی خوشی سے کیے جاتے ہیں کہ پیچھے کچھ نہیں رہتا۔ اگر تم ہنستے ہو تو اس طرح ہنسو کہ ہنسی عین تمہاری بنیادوں کو ہلا دے، اگر تم روتے ہو تو آنسو بن جاؤ، اپنے دل کو آنسوؤں کے ذریعے باہر بہنے دو۔ اگر تم کسی کو گلے لگاتے ہو تو جپھی بن جاؤ، اگر تم کسی کو چومتے ہو تو صرف ہونٹ بن جاؤ، تو صرف بوسہ بن جاؤ۔ تب تم حیران رہ جاؤ گے کہ تم کتنا کچھ ضائع کرتے رہے ہو، کتنا کچھ تم ضائع کر چکے ہو، اب تک تم کیسے ادھورے انداز میں جی رہے تھے۔

میں تمہیں جینے کا فن سکھا سکتا ہوں، یہی مرنے کا فن ہے، تمہیں الگ الگ سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو شخص جانتا ہے کہ جینا کیسے ہے، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ مرنا کیسے ہے۔ جو شخص جانتا ہے کہ محبت کیسے کرنی ہے، وہ ان لمحوں کو بھی جانتا ہے جب وہ اس سے باہر آ گیا ہوتا ہے۔ وہ شان کے ساتھ اس سے باہر آیا ہے ___ خدا حافظ کہہ کر، شکر گزاری کے ساتھ۔

تاہم ایسا صرف وہی کر سکتا ہے جو جانتا ہو کہ محبت کیسے کی جاتی ہے۔

لوگ نہیں جانتے کہ محبت کیسے کی جاتی ہے، اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ جب خدا حافظ کہنے کا وقت آتا ہے تو خدا حافظ کیسے کہا جاتا ہے۔ اگر تم محبت کرتے ہو تو تم جانتے ہو گے کہ ہر کام شروع ہوتا ہے اور ہر کام ختم بھی ہوتا ہے۔ کام کے شروع ہونے کا ایک وقت ہوتا ہے اور ختم ہونے کا بھی ایک وقت ہوتا ہے، اور اس میں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ انسان کو تکلیف نہیں ہوتی، اسے پتا ہوتا ہے کہ موسم گزر چکا ہے۔ انسان مایوس نہیں ہوتا، انسان صرف سمجھتا ہے اور دوسرے کا شکر گزار ہوتا ہے۔ ''تم نے مجھے بہت سے خوبصورت تحفے دیئے۔ تم نے مجھے زندگی کے نئے منظر دکھائے۔ تم نے چند ایسی کھڑکیاں کھولیں جنہیں شاید میں خود کبھی نہ کھول سکتا۔ اب وقت آ چکا ہے کہ ہم جدا ہوں اور اپنے راستے الگ الگ کر لیں۔'' غصے میں نہیں، شکایت کے ساتھ نہیں بلکہ انتہائی تشکر کے ساتھ، عظیم محبت کے ساتھ، دل میں شکر گزاری لیے ہوئے۔

اگر تم جانتے ہو کہ محبت کیسے کی جاتی ہے تو تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ الگ کیسے ہوا

جاتا ہے۔ تمہارے الگ ہونے میں بھی ایک حسن اور وقار ہوگا۔ زندگی کا معاملہ بھی بالکل ایسا ہے۔ اگر تم جانتے ہو کہ جینا کیسے ہے تو تم جانتے ہو گے کہ مرنا کیسے ہے۔ تمہاری موت حیران کن حد تک خوبصورت ہوگی۔

سقراط کی موت نہایت خوبصورت ہے، بدھ کی موت نہایت خوبصورت ہے۔ جس روز بدھ مرا، اس دن صبح کے وقت اس نے اپنے چیلوں کو جمع کیا اور ان سے کہا: ''آخری دن آ چکا ہے۔ میری کشتی پہنچ چکی ہے اور اب مجھے جانا ہوگا۔ یہ سفر خوبصورت تھا، ایک خوبصورت ساتھ۔ اگر تم نے کوئی سوال پوچھنا ہے تو پوچھ لو کیونکہ اب میں تمہیں جسمانی طور پر مہیا نہیں رہوں گا۔''

چیلوں پر سکوت طاری ہو گیا، بے پناہ اداسی طاری ہو گئی۔ بدھ ہنسنے لگا، اس نے کہا: ''اداس مت ہوؤ، کیونکہ میں تمہیں یہی تعلیم دیتا ہوں کہ جو شے شروع ہوتی ہے، وہ ختم بھی ہوتی ہے۔ اب میں تمہیں اپنی موت سے بھی سبق دے رہا ہوں۔ جیسے میں تمہیں اپنی زندگی کے ذریعے سبق دیتا تھا، اب میں تمہیں اپنی موت کے ذریعے بھی سبق دوں گا۔''

کسی کو سوال کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ انہوں نے ہزاروں سوال پوچھے تھے لیکن یہ وقت کچھ پوچھنے کا تو نہیں تھا۔ وہ سوال پوچھنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ وہ تو رو رہے تھے۔

بدھ نے کہا: ''اگر تمہارے پاس کوئی سوال نہیں ہے تو میں رخصت ہوتا ہوں۔'' وہ آنکھیں بند کر کے درخت تلے بیٹھ گیا اور جسم میں سے غائب ہو گیا۔ بدھ روایت میں اسے ''پہلا مراقبہ'' کہا جاتا ہے ___ جسم میں سے غائب ہو جانا۔ اس کا مطلب ہے خود کو جسم سے الگ کر لینا، مکمل طور پر یہ جاننا کہ ''میں جسم نہیں ہوں۔''

پہلا اصول ہے جینے کا فن۔ زندگی کے لیے مثبت بنو۔ زندگی بھگوان کا مترادف ہے۔ زندگی بھگوان ہے۔ احترام کے ساتھ جیو، عظیم احترام اور احسان مندی کے ساتھ۔ تم نے اس زندگی کو کمایا نہیں ہے۔ یہ تو ماورا کا تحفہ ہے۔ شکر گزار بنو اور پوجا کرو اور جتنے ممکن ہوں، اس کے لقمے بھرو اور خوب چباؤ اور خوب ہضم کرو۔

اپنی زندگی کو ایک جمالیاتی تجربہ بنا لو۔ اسے جمالیاتی تجربہ بنانے کے لیے کچھ زیادہ نہیں چاہیے، صرف ایک جمالیاتی شعور ضروری ہے، ایک حساس روح ضروری ہے۔

زیادہ حساس، زیادہ حیاتی بنو، تم زیادہ روحانی بن جاؤ گے۔

پنڈتوں نے اتنا زہر دیا ہے کہ تمہارا جسم تقریباً مردہ ہو چکا ہے۔ تم مفلوج جسم، مفلوج ذہن اور مفلوج روحیں اٹھائے پھرتے ہو___ تم بیساکھیوں کے سہارے چل رہے ہو۔ ساری بیساکھیوں کو پھینک دو! خواہ تم گر پڑو، خواہ تمہیں زمین پر رینگنا پڑے۔ یہ بیساکھیوں کے سہارے چلنے سے بہتر ہے۔

زندگی کا ہر ممکن طریقے سے تجربہ کرو___ اچھے، برے، ہر طریقے سے، تلخ، شیریں، اندھیرا، روشن، گرمی، سردی___ ہر طریقے سے۔ تمام ثنویتوں (Dualities) کا تجربہ کرو۔ تجربے سے مت ڈرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنا زیادہ تم تجربہ حاصل کرتے ہو، اتنا زیادہ تم بالغ و پختہ ہوتے ہو۔ تمام ممکنہ متبادلات کو ڈھونڈو، تمام سمتوں میں سفر کرو، آوارہ بنو، زندگی اور ہستی کی دنیا کا آوارہ۔ جینے کا کوئی موقع ضائع مت کرو۔

پیچھے مت دیکھو۔ فقط احمق ماضی کے بارے میں سوچتے ہیں___ وہ احمق جو حال میں جینے کی ذہانت نہیں رکھتے۔ صرف احمق ہی مستقبل کا تصور کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حال میں جینے کا حوصلہ ہی نہیں رکھتے۔ ماضی کو بھلا دو، مستقبل کو بھلا دو، لمحۂ موجود ہی سب کچھ ہے۔ لمحۂ موجود کو تمہاری پوجا بننا چاہیے، تمہاری محبت، تمہاری زندگی، تمہاری موت، تمہارا سب کچھ بننا چاہیے۔ وہ سب کچھ ہے۔

جرأت مندوں کی طرح جیو، بزدلوں کی طرح نہیں۔ نتائج کی پروا مت کرو، صرف بزدل ہی نتائج کی پروا کرتے ہیں۔ نتائج پر بہت زیادہ انحصار مت کرو۔ جو لوگ نتائج پر انحصار کرتے ہیں وہ زندگی کو ضائع کر دیتے ہیں۔ منزلوں کا مت سوچو کیونکہ منزل ہمیشہ مستقبل میں ہوتی ہے اور دور ہوتی ہے جبکہ زندگی یہاں ہے، اب ہے، بہت نزدیک ہے۔

بہت زیادہ بامقصد مت بنو۔ میں اس بات کو دہراؤں گا___ بہت زیادہ بامقصد مت بنو۔ ہمیشہ یہ مت سوچو "اس کا مقصد کیا ہے؟" اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمہارے دشمنوں کی چال ہے، انسانیت کے دشمنوں کی چال ہے، تمہاری زندگی کے عین سرچشمے کو زہر آلود بنا دینے کی۔

یہ سوال پوچھو گے کہ "اس کا مقصد کیا ہے؟" تو ہر شے بے معنی بن جائے گی۔

صبح کا وقت ہے، سورج طلوع ہو رہا ہے اور مشرقی افق سرخ ہے، اور پرندے گا

رہے ہیں اور درخت جاگ رہے ہیں اور ہر طرف خوشی ہی خوشی ہے۔ یہ خوشی کا وقت ہے، ایک نیا دن دوبارہ رونما ہو رہا ہے۔ دوسری طرف تم کھڑے ہو اور پوچھ رہے ہو "اس کا کیا مقصد ہے؟" تم ضائع کر رہے ہو، تم اسے سراسر ضائع کر رہے ہو۔ تم اس سے الگ تھلگ ہو۔ گلاب کا پھول ہوا میں رقص کر رہا ہے، وہ بہت نازک ہے لیکن بہت مضبوط ہے، بہت نرم ہے لیکن تیز ہوا کا مقابلہ کر رہا ہے، بہت چھوٹی زندگی کا حامل لیکن بہت بااعتماد ہے۔ گلاب کے پھول کو دیکھو۔ کیا تم نے کسی گلاب کے پھول کو نروس دیکھا ہے؟ بہت بااعتماد، کاملاً بااعتماد، جیسے وہ یہاں ہمیشہ رہے گا۔ صرف ایک لمحے کا وجود اور اپنی ابدیت پر ایسا اعتماد! ہوا میں رقص کرتا ہوا، ہوا سے سرگوشیاں کرتا ہوا، خوشبو بکھیرتا ہوا___ اور تم ہو کہ کھڑے پوچھ رہے ہو "اس کا کیا مقصد ہے؟"

تم کسی عورت سے محبت کرتے ہو اور پوچھتے ہو: "اس کا کیا مقصد ہے؟" تم نے اپنی محبوبہ یا اپنی دوست کا ہاتھ تھاما ہوا ہے اور پوچھ رہے ہو: "اس کا کیا مقصد ہے؟" اب خواہ تم نے ہاتھ تھاما ہوا ہی ہو، لیکن اب زندگی غائب ہو چکی ہے، تمہارا ہاتھ مردہ ہے۔

سوال کرو "مقصد کیا ہے؟" اور ہر شے تباہ ہو جائے گی۔ میں بتاتا ہوں تمہیں___ زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ زندگی اپنا مقصد خود ہے، یہ کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ نہیں ہے، یہ خود مقصد ہے۔ اڑتا ہوا پرندہ، ہوا میں رقص کرتا گلاب، صبح کے وقت طلوع ہوتا ہوا سورج، رات کو دمکتے ہوئے ستارے، کسی عورت سے محبت کرتا ہوا کوئی مرد، گلی میں کھیلتا بچہ کوئی مقصد نہیں ہے۔ زندگی فقط زندگی سے لطف اندوز ہونا، خود زندگی سے خوش ہونا ہے۔ توانائی چھلک رہی ہے، رقص کر رہی ہے، کسی مقصد کے بغیر۔ یہ پرفارمنس نہیں ہے، یہ کاروبار نہیں ہے۔ زندگی تو معاملۂ محبت (Love Affair) ہے، یہ تو شاعری ہے، یہ تو موسیقی ہے۔

"مقصد کیا ہے؟" جیسے بدصورت، گندے سوال مت کرو کیونکہ جس لمحے تم یہ سوال کرتے ہو، تم اپنے آپ کو زندگی سے الگ کر لیتے ہو۔ زندگی سے فلسفیانہ سوالوں کے ذریعے جڑا نہیں جا سکتا۔ فلسفے کو ایک طرف دھرنا پڑتا ہے۔

زندگی کے شاعر بنو، مغنی بنو، موسیقار بنو، رقاص بنو، محبت کرنے والے بنو اور تم زندگی کے حقیقی فلسفے کو جان لو گے۔

جینا بہت سادہ فن ہے۔ درخت جی رہے ہیں جبکہ انہیں جینا کسی نے نہیں سکھایا۔

درحقیقت انسان کو ایسے سوال کرتے دیکھ کر ہنستے ہوں گے۔ ساری ہستی غیر فلسفیانہ ہے۔ اگر تم فلسفی قسم کے انسان ہو، تو پھر تم میں اور ہستی کے بیچ ایک خلا ہوگا۔ ہستی تو بس ہے، کسی مقصد کے بغیر۔ جو شخص حقیقتاً جینا چاہتا ہے، اسے مقصد کے تصور سے چھٹکارا پانا ہوگا۔ اگر تم مقصد کے بغیر جینا شروع کرو، پوری شدت سے، کاملاً، محبت اور بھروسے کے ساتھ تو جب موت آئے گی تو تم جانتے ہوگے کہ مرنا کیسے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موت زندگی کا اختتام نہیں ہے بلکہ یہ تو زندگی کا ایک حصہ ہے۔

اگر تم دوسری چیزوں کو جان چکے ہو، اگر تم دوسری چیزوں کو جی چکے ہو تو تم موت کو بھی جینے کے اہل ہو گے۔ حقیقی آگہی رکھنے والا انسان موت کو بھی اتنا ہی جیتا ہے جتنا کہ وہ اپنی زندگی کو جیتا ہے، ویسی ہی شدت کے ساتھ، ویسی ہی سرمستی وسرور کے ساتھ۔

جب سقراط کو زہر دیا جا رہا تھا تو وہ بے حد مست ومسرور (Thrilled) تھا۔ زہر اس کی کوٹھڑی سے باہر تیار کیا جا رہا تھا۔ اس کے شاگرد جمع ہو چکے تھے۔ سقراط بستر پر تیار لیٹا تھا۔ چھ بجے، ٹھیک اس وقت جب سورج طلوع ہوتا، اسے زہر دیا جانا تھا۔ لوگ سانس تک روکے ہوئے تھے، وقت قریب تر آ رہا تھا، چھ بجنے والے تھے، اور وہ خوبصورت انسان ہمیشہ کے لیے جانے والا تھا، اور اس نے کوئی پاپ نہیں کیا تھا۔ اس کا واحد پاپ یہی تھا کہ وہ لوگوں کو سچ بتایا کرتا تھا، کہ وہ سچ کا استاد تھا، کہ وہ سمجھوتہ نہیں کرتا تھا، کہ وہ احمق سیاست دانوں کے حضور سرِ تسلیم خم نہیں کرتا تھا۔ یہ تھا اس کا واحد جرم۔ اس نے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا اور ایتھنز نے ہمیشہ مفلس رہنا تھا!

درحقیقت سقراط کی موت کے ساتھ ہی ایتھنز مر گیا تھا۔ تب اس نے دوبارہ ویسی عظمت وشان نہیں پائی، کبھی نہیں۔ سقراط کا قتل ایسا جرم تھا! ایتھنز نے خودکشی کر لی تھی۔ یونانی تہذیب دوبارہ اس عروج پر نہیں پہنچی۔ چند دن تو سلسلہ جاری رہا، سقراط کی محض بازگشت ـــ کیونکہ افلاطون (Plato) اس کا شاگرد تھا، محض بازگشت، اور ارسطو افلاطون کا شاگرد تھا، بازگشت کی بازگشت۔ دھیرے دھیرے، سقراط کی بازگشت دنیا سے معدوم ہوتے ہوتے یونانی تہذیب کی عظمت وشان کے دِن ختم ہو گئے۔ اس نے سقراط کو قتل کر کے خودکشی کی تھی۔

اس کے شاگرد بہت پریشان تھے لیکن سقراط مست ومسرور تھا۔ بالکل ایسے جیسے تم کسی چھوٹے بچے کو نمائش میں لے جاؤ تو وہ ہر شے سے مست ومسرور ہوتا ہے، اس کے لیے ہر شے انتہائی ناقابلِ یقین ہوتی ہے۔ سقراط بار بار اٹھتا تھا اور کھڑکی تک جا کر زہر کرنے والے سے پوچھتا تھا: ”تم دیر کیوں کر رہے ہو؟ چھ بجے چکے ہیں!“

زہر تیار کرنے والے نے کہا تھا: ”سقراط! تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟ میں تو صرف اس لیے دیر کر رہا ہوں تا کہ تم جیسا خوبصورت انسان کچھ دیر مزید رہے۔ میں ہمیشہ کے لیے تو دیر نہیں کر سکتا البتہ اتنا تو کر سکتا ہوں۔ تھوڑی سی مزید دیر! تمہیں مرنے کی جلدی کیوں ہے؟“

سقراط نے کہا: ”میں زندگی کو جان چکا ہوں، میں جی چکا ہوں، میں زندگی کے ذائقے کو جانتا ہوں۔ اب میں موت کو جاننا چاہتا ہوں! اسی لیے مجھے جلدی ہے۔ مجھے بہت زیادہ خوشی ہو رہی ہے۔ مجھے یہ تصور بہت خوشی دے رہا ہے کہ اب میں مرنے والا ہوں اور اب مجھے موت کو دیکھنے کا موقعہ ملے گا۔ میں زندگی کو جی چکا ہوں اور زندگی جو دے سکتی ہے، سب کو جان چکا ہوں۔ یہ زندگی کا آخری تحفہ ہے اور میں بہت جلدی میں ہوں۔“

جو شخص جی چکا ہو، حقیقتاً جی چکا ہوں، اسے پتا ہوگا کہ مرنا کیسے ہے۔

مرنے کا کوئی فن نہیں ہے جینے کا فن ہی مرنے کا فن ہے، کیونکہ موت زندگی سے الگ شے نہیں ہے۔ موت زندگی کی سب سے اونچی چوٹی ہے، ایورسٹ ہے، دوشیزہ برف سے ڈھکی، دھوپ سے روشن ایورسٹ۔ یہ ہستی کی سب سے خوبصورت شے ہے۔

لیکن تم موت کی خوبصورتی کو صرف اس وقت جان سکتے ہو جب تم زندگی کی خوبصورتی کو جان چکے ہوگے۔ زندگی تمہیں موت کے لیے تیار کرتی ہے لیکن لوگ تو زندہ ہی نہیں ہیں۔ وہ ہر ممکن طریقے سے زندگی سے دور رہتے ہیں۔ پس وہ نہیں جانتے کہ زندگی کیا ہے، اور نتیجتاً وہ نہیں جان پائیں گے کہ موت کیا ہے۔

موت ایک جھوٹ ہے۔ تم اس کے ساتھ ختم نہیں ہوتے، تم صرف ایک موڑ مڑتے ہو۔ تم ایک اور سڑک پر چلنے لگتے ہو۔ تم ایک سڑک سے غائب ہو کر دوسری سڑک پر نمودار ہو جاتے ہو۔ مگر تم ابھی تک آگاہ نہیں ہوئے ہو۔



سیاست دانوں سے دوستی خطرناک ہے!

سیاست کبھی غیر جانبدار نہیں ہوسکتی۔ سیاست جانبدار ہوتی ہے۔ سیاست کبھی غیر متعصب نہیں ہوسکتی۔ سیاست کی جڑیں تعصب میں ہوتی ہیں۔ پس زیادہ کی امید مت رکھو۔ سیاست دانوں کے ساتھ کھیلنا خطرناک ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ دوستی خطرناک ہوتی ہے۔ ان کے ساتھ دشمنی خطرناک ہوتی ہے۔ تاہم اس سے بچا نہیں جا سکتا۔

ابھی کل ہی انہوں نے ہندوستانی پارلیمنٹ میں ہم پر بحث کی ہے ــــ ایک طویل بحث۔ ہمیں سیاست دانوں سے دلچسپی نہیں ہے، ہمیں سیاست سے دلچسپی نہیں ہے ــــ بالکل بھی نہیں، لیکن ہم ان سے بچ بھی نہیں سکتے۔ سیاست موسم جیسی ہوتی ہے، تم اسے پسند کرو یا نہیں کرو، وہ تم پر بہرطور اثر انداز ہوتی ہے۔

اگر کوئی سیاستدان ہمارے آشرم کی تفتیش کے لیے کمیشن بھیجتا ہے تو بھیجے۔ ہمیں کوئی ڈر نہیں ہے۔ بے شمار لوگ یہاں آکر دیکھ چکے ہیں کہ اخباروں میں آشرم کے حوالے سے جو کچھ چھاپا جا رہا ہے، جھوٹ ہے۔ ممکن ہے کہ سیاست دانوں کا بھیجا ہوا تفتیشی کمیشن انہیں جا کر رپورٹ دے کہ ''وہاں تو ایک خوبصورت عمل جاری ہے، وہاں مشرق اور مغرب کا امتزاج جاری ہے......''

مرار جی ڈیسائی نے کل پارلیمنٹ میں کہا کہ میں نے اسے کوئی ذاتی خط نہیں بھیجا۔ وہ خط تو مینیجنگ ٹرسٹی یوگا لکشمی کا تھا، اور اس نے لکھا تھا: ''اوشو، کمیون میں صرف ایک مہمان ہیں۔ ہم اپنے مہمان کی تفتیش کیسے کریں؟''

لکشمی درست کہتی ہے۔ میں تو صرف تمہارا مہمان ہوں۔ میں تو کچھ بھی نہیں کر رہا ہوں۔ سو وہ میری کیا تفتیش کریں گے؟ وہ آکر میرے کمرے میں چوبیس گھنٹے بیٹھے رہ سکتے ہیں۔ میں تو کچھ بھی نہیں کرتا۔ وہ کیا تفتیش کریں گے!

درحقیقت ہمیں کسی روز سیاست دانوں کی تفتیش کے لیے کمیشن بنانا ہوگا......

تین عظیم ملکوں کے وزیراعظم ایک ڈنر پارٹی میں شریک تھے۔ اچانک پاد کی آواز آئی۔ وہ آواز میزبان خاتون کی نشست کی طرف سے آئی تھی۔ میز کے دوسرے سرے پر بیٹھا فرانسیسی وزیراعظم ایک دم کھڑا ہوا اور اونچی آواز میں بولا: ''ایکسکیوز می! میری طبیعت بہتر نہیں ہے، میں جا رہا ہوں۔''

میزبان خاتون نے کسی طور خود کو سنبھالا لیکن دس منٹ بعد اس نے دوسرا پاد مارا وہ شرم سے سرخ ہوگئی۔ اس نے دیکھا کہ برطانوی وزیراعظم اٹھا اور بولا: ''آئی ایم سوری، لیڈیز اینڈ جینٹلمین! میری طبیعت بہتر نہیں ہے، میں جا رہا ہوں۔''

میزبان خاتون نے تیسری بار پاد مارا اور اس مرتبہ ہندوستانی وزیراعظم فخر کے ساتھ کھڑا ہوا اور اونچی آواز میں بولا: ''لیڈیز اینڈ جینٹلمین! یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہے اور میرا فرض ہے، میں گھر جا رہا ہوں۔ سمجھے؟''

میں ان سیاستدانوں اور سیاسی لیڈروں کی بالکل عزت نہیں کرتا۔ میں انسانوں کی حیثیت سے ان کی عزت کرتا ہوں، لیکن سیاست دانوں کی حیثیت سے نہیں۔ سیاست کرۂ ارض کا بدصورت ترین مظہر (Phenomena) ہے، اور سیاستدان بدصورت ترین، بدترین انسان ہیں۔

میں انسانوں کا بہت احترام کرتا ہوں لیکن میں موجودہ بدصورت سیاست کا کوئی احترام نہیں کرتا۔ امید رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔



تا کہ زندگی کا مزید کوئی امکان نہ رہے

توانائی جسے خواہش کہتے ہیں، اس کو صدیوں سے برا کہا جا رہا ہے۔ تقریباً تمام نام نہاد پنڈت اس کے خلاف رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواہش زندگی ہے اور وہ سب زندگی کے مخالف ہیں۔ خواہش اس سب کچھ کا سرچشمہ ہے جو تم دیکھتے ہو، اور وہ ہر اس شے کے مخالف ہیں جو دکھائی دیتی ہے۔ وہ دکھائی دینے والے کو دکھائی نہ دینے والے کے چرنوں میں قربان کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ خواہش کو عین جڑوں سے کاٹ دینا چاہتے ہیں تا کہ زندگی کا مزید کوئی امکان نہ رہے۔

نوع انسان پر صدیوں سے اجتماعی خودکشی کی بے پناہ خواہش مسلط رہی ہے۔

میرا خواہش کا تصور بالکل مختلف ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ کسی خارجی شے (Object) کے بغیر خواہش بھگوان ہے، کسی منزل کے تحت رونما ہونے والی خواہش بھگوان ہے، کسی محرک کے بغیر رونما ہونے والی خواہش، خالص خواہش بھگوان ہے۔

خواہش کو تباہ نہیں کرنا ہے، اسے تو خالص بنانا ہے۔ خواہش کو ترک نہیں کرنا ہے، اس کی کایا کلپ کرنی ہے۔ عین تمہارا وجود خواہش ہے، اس کے خلاف ہونا، تمہارا اپنے خلاف اور سب کے خلاف ہونا ہے۔ اس کے خلاف ہونا پھولوں، پرندوں، سورج اور چاند کے خلاف ہونا ہے۔ اس کے خلاف ہونا، ساری تخلیق کے خلاف ہونا ہے۔ خواہش تخلیقیت ہے۔

مشرقی پستکیں بالکل درست کہتی ہیں کہ برہما نے دنیا کو اس وقت تخلیق کیا، جب اس میں ایک بے پناہ خواہش ابھری ــــ تخلیق کی خواہش، نمود کی خواہش، ایک سے کئی بنانے

کی خواہش، وسعت کی خواہش۔ تاہم یہ سب استعارے ہیں۔ بھگوان خواہش سے الگ نہیں ہے۔ خواہش کا مطلب ہے اشتیاق (Longing)، عظیم اشتیاق، وسیع ہونے، بہت بڑا ہونے، بہت پھیلا ہوا ہونے کا ــــ آسمان کی طرح پھیلا ہوا ہونے کا اشتیاق۔

ذرا لوگوں کا مشاہدہ کرو، خواہشوں کا مشاہدہ کرو، اور تم سمجھ جاؤ گے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ حتیٰ کہ تمہاری عام خواہشوں میں بھی بنیادی شے موجود ہے۔ درحقیقت جو انسان زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے، وہ دولت نہیں وسعت پانا چاہتا ہے، کیونکہ دولت تمہیں وسعت پانے میں مدد دیتی ہے۔ تم ایک زیادہ بڑا گھر حاصل کر سکتے ہو، تم ایک زیادہ بڑا باغ حاصل کر سکتے ہو، تم یہ حاصل کر سکتے ہو، تم وہ حاصل کر سکتے ہو ــــ تمہارا علاقہ زیادہ بڑا ہو جائے گا، تمہاری آزادی زیادہ بڑی ہو جائے گی۔ زیادہ دولت کے ساتھ تمہیں انتخاب کے لیے زیادہ متبادل دستیاب ہو جاتے ہیں۔

جو شخص دولت کے پیچھے بھاگ رہا ہے، ہو سکتا ہے اسے پتا نہ ہو کہ دولت کے پیچھے کیوں بھاگ رہا ہے؟ ہو سکتا ہے خود وہ بھی یہی سوچتا اور یقین رکھتا ہو کہ وہ دولت کی محبت میں مبتلا ہے تاہم یہ صرف اس کے شعور کی سطح پر ہے۔ اس کے شعور میں گہرا اترو، مراقبے کے لیے اس کی مدد کرو، اور تم حیران رہ جاؤ گے، اور وہ بھی حیران رہ جائے گا، یہ جان کر کہ دولت کی خواہش حقیقتاً دولت کی خواہش نہیں ہے، یہ تو وسعت کی خواہش ہے۔

اور ساری خواہشوں کا معاملہ ایسا ہی ہے۔ انسان زیادہ طاقت چاہتے ہیں، زیادہ شہرت، زیادہ طویل زندگی، زیادہ اچھی صحت، لیکن وہ ان مختلف خواہشوں میں کیا خواہش کر رہے ہیں؟ وہی، بالکل وہی ــــ وہ زیادہ ہونا چاہتے ہیں۔ وہ محدود ہونا نہیں چاہتے، وہ مسدود ہونا نہیں چاہتے۔ یہ محسوس کر کے کہ تمہارا تعین ممکن ہے، اذیت ہوتی ہے کیونکہ اگر تمہارا تعین ممکن ہے تو پھر تم محض ایک شے ہو۔ اس سے اذیت ہوتی ہے کہ تمہاری حدیں ہیں کیونکہ حدوں کے ہونے کا مطلب ہے مقید ہونا۔

تاہم وہ سب چیزیں، جن کی خواہش کی جاتی ہے، جلد یا بدیر مایوس کر دیتی ہیں۔ ایک روز دولت ممکن ہو جاتی ہے، اور پھر بھی وسعت رونما نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے تمہیں انتخاب کی زیادہ آزادی حاصل ہو گئی ہو لیکن وہ اطمینان نہیں دیتی ہے۔ خواہش تو تھی لامحدودیت کے

لیے جبکہ دولت لامحدودیت کو نہیں خرید سکتی۔ ہاں تم زیادہ طاقت کے حامل ہو گئے ہو، تم زیادہ مشہور ہو گئے ہو تاہم طویل مدت میں یہ کوئی معنے نہیں رکھتیں۔ اس زمین پر لاکھوں لوگ جی چکے ہیں اور وہ بہت مشہور تھے، اور آج کوئی ان کے نام بھی نہیں جانتا۔ ہر شے گرد میں کھو چکی ہے ___ گرد پر گرد، نشان بھی نہیں بچے۔ کہاں ہے سکندرِ اعظم؟ کیا ہے وہ؟ کیا تم مردہ سکندرِ اعظم ہونا چاہو گے یا زندہ فقیر؟ خود سے پوچھو اور تمہاری ہستی کہے گی کہ فقیر کے طور پر زندہ ہونا مردہ سکندر ہونے سے بہتر ہے۔

اگر تم غور کرو تو دولت، طاقت، عزت کوئی شے اطمینان نہیں دیتی۔ اس کے برعکس وہ تمہیں زیادہ غیر مطمئن بنا دیتی ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ جب تم غریب تھے تو امید تھی کہ ایک روز دولت آئے گی اور سب کچھ ہمیشہ کے لیے ٹھیک ہو جائے گا، تب تم سکون سے ہو گے اور مزے کرو گے۔ اب دولت آ چکی ہے لیکن سکون کا کوئی نشان بھی نہیں ہے۔ درحقیقت تم پہلے سے زیادہ تناؤ کا شکار ہو گئے ہو۔ تم پہلے سے زیادہ مضطرب ہو گئے ہو۔

دولت چند نعمتیں لائی ہے لیکن یہ بہت سی لعنتیں بھی لائی ہے۔ تمہارے پاس زیادہ بڑا گھر ہے، لیکن اب تمہارے پاس کم سکون ہے۔ تمہارے پاس زیادہ بڑا بینک بیلنس ہے، لیکن تمہارا پاگل پن، تمہارا اضطراب، تمہارا نیوروسس، تمہارا سائیکوسس بھی زیادہ بڑا ہے۔ دولت چند ایسی چیزیں لائی ہے جو اچھی ہیں، لیکن اس دوران بہت سی دوسری چیزیں آ گئی ہیں جو اچھی نہیں ہیں۔ اگر تم سارے معاملے کو دیکھو، ساری کوشش کو دیکھو تو سب اکارت نظر آئے گا۔ اب تم امید بھی نہیں رکھ سکتے، جو کہ غریب رکھتا ہے۔

امیر آدمی ناامید ہو جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ دولت بڑھتی جائے گی لیکن کچھ نہیں ہو گا ___ سوائے موت کے، صرف موت۔ وہ ہر شے کا مزا چکھ چکا ہے، اب اسے صرف بے ذائقہ پن کو محسوس کرنا ہے۔ ایک قسم کی موت پہلے ہی واقع ہو چکی ہے کیونکہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ وسعت کی خواہش کو کس طرح پورا کرنا ہے۔

تاہم خواہش بذاتِ خود بری نہیں ہے۔ دولت کی خواہش، طاقت کی خواہش، عزت کی خواہش ___ یہ خواہش کی جانے والی بڑی غلط چیزیں ہیں۔ یہ واضح طور پر جان لو۔ غلط چیزوں کی خواہش سے خود خواہش بری نہیں ہو جاتی۔ تم ایک تلوار کے مالک بن سکتے ہو اور تم

اس سے کسی کو قتل کر سکتے ہو ___ اس سے تلوار بری نہیں بنتی ہے۔ تم اسی تلوار سے کسی کو بچا بھی سکتے ہو۔ زہر مار بھی سکتا ہے اور زہر دوا بھی بن سکتا ہے۔ درست ہاتھوں میں ہو تو زہر نقطار (Nectar) ہے، غلط ہاتھوں میں ہو تو نقطار بھی زہر ہے۔

یہ ہے تمام زمانوں کے تمام بدھاؤں کی جوہری دانش۔ پنڈت کچھ اور بات کرتے ہیں، بدھ دنیا کے لیے بالکل مختلف شے لے کر لائے ہیں۔ ان دونوں میں قطبی تضاد ہے۔

خواہش کو خالص بنانا ہو گا اور اس کی کایا کلپ کرنی ہو گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمہاری توانائی ہے ___ تمہارے پاس اور کوئی توانائی نہیں ہے۔ تم خواہش کی کایا کلپ کیسے کرو گے؟ ایک طریقہ، عام طریقہ، میڈیا کر طریقہ ہے چیز کو بدلنا۔ دولت کے پیچھے مت جاؤ، بھگوان کی خواہش کرو۔ تمہیں دولت نے مضطرب کر رکھا ہے ___ مذہبی بن جاؤ، چرچ جاؤ، مندر جاؤ۔ اپنی خواہش کو نئی شے دو۔

جب لوگ دنیادارانہ خواہشوں سے مضطرب ہو جاتے ہیں تو چیز بدل دیتے ہیں وہ غیر دنیادارانہ چیزوں کی خواہش کرنے لگتے ہیں۔ تاہم ذہن تمہیں بیوقوف بنا رہا ہے۔ ذہین لوگوں کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ یہ تو احمق لوگوں کا طریقہ ہے۔

ذہانت کیا ہے؟ ذہانت کا مطلب یہ بصیرت ہے کہ کوئی شے تمہاری خواہش کو پورا نہیں کر سکتی۔ کوئی شے بھی نہیں ___ میں کہہ رہا ہوں اور قطعی طور پر کہہ رہا ہوں، کوئی شے بھی تمہاری خواہش کو پورا نہیں کر سکتی۔ تمہاری خواہش تو الوہی ہے۔ تمہاری خواہش تو آسمان جتنی بڑی ہے ___ حتیٰ کہ آسمان بھی اس کی حد نہیں ہے۔ اسے کوئی شے پورا نہیں کر سکتی۔ تو پھر کیا کیا جائے؟ ذہین شخص اشیاء کی خواہش چھوڑ دیتا ہے۔ وہ اپنی خواہش کو ہر شے سے پاک کر لیتا ہے ___ دنیادارانہ، غیر دنیادارانہ۔ وہ اپنی خواہش کو اس کی پاکیزگی میں، اس کے خالص پن میں، لحہ بہ لحہ جینا شروع کر دیتا ہے۔ وہ خواہش سے بھر جاتا ہے، وہ چمکتی ہوئی توانائی سے بھر جاتا ہے۔ اس کی عام زندگی اتنی شدت بھری، اتنی جذبات بھری ہو جاتی ہے کہ وہ جس شے کو چھوتا ہے اس کی کایا کلپ کر دیتا ہے۔ عام دھات سونا بن جاتی ہے، مردہ درخت پر دوبارہ پھول کھل اٹھتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ بدھ جدھر جدھر جاتا تھا مردہ درختوں پر پتے اُگنے لگتے تھے، بے

موسم پھول کھلنے لگتے تھے۔ یہ ایک خاص مابعدالطبیعیاتی سچ کو بیان کرنے کے شاعرانہ استعارے ہیں۔ بدھ خالص خواہش ہے، محض خواہش۔ کسی شے کی خواہش نہیں۔ وہ تو ہر شے کو ترک کر چکا ہے۔

یاد رکھو، پہلے اس نے دنیا کو ترک کیا۔ وہ شہزادہ تھا، وہ بادشاہ بننے کے لیے پیدا ہوا تھا۔ دولت کے لایعنی پن کو دیکھ کر، ہر طرح کے رشتوں کے لایعنی پن کو دیکھ کر، دنیا جو کچھ دے سکتی ہے اس کے لایعنی پن کو دیکھ کر، وہ صرف انتیس سال کی عمر میں محل چھوڑ گیا۔ اس نے اچھا کیا، کیونکہ تیس سال کے بعد یہ زیادہ مشکل ہو جاتا تھا، بہت زیادہ مشکل۔

ہپی درست کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ''تیس سال سے زیادہ عمر کے شخص پر بھروسہ مت کرو۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنا زیادہ تم دنیاوی اعتبار سے تجربہ کار ہوتے ہو، اتنے زیادہ تم بزدل بن جاتے ہو۔ دھرم جرأت مند لوگوں کے لیے ہے، دھرم بہادر لوگوں کے لیے ہے، دھرم نوجوانوں کے لیے ہے، جو اب بھی خطرے مول لے سکتے ہیں، جو اب بھی جوا کھیلنے کے قابل ہوں۔

بدھ محل سے نکل گیا۔ لایعنیت کو دیکھتے ہوئے وہ بھگوان کی تلاش میں نکل گیا، سچ کی تلاش میں نکل گیا۔ اس نے دنیا کے لیے اپنی خواہش کو بھگوان کی، سچ کی، نروان کی خواہش بنا لیا۔ اس نے چھ سال بڑی تپسیا کی۔ پینتیس سال کا ہوا تو وہ مکمل طور پر گھل چکا تھا۔ اس نے وہ سب کچھ کیا جو انسان کے لیے ممکن تھا۔ اس نے مہینوں فاقے کیے، مراقبہ کیا، یوگا کیا۔ اس زمانے میں بہت سے مکتبۂ فکر تھے۔ وہ ایک استاد سے دوسرے کے پاس گیا۔ اس نے سارے ممکنہ طریقے آزما لیے۔ پھر ایک دن جھما کا ہوا۔

وہ دریائے نرنجنا کو پار کر رہا تھا لیکن وہ اس میں تیر نہ سکا۔ وہ اتنا کمزور ہو چکا تھا۔ میں دریائے نرنجنا کو دیکھنے گیا تھا۔ مجھے اس کہانی پر یقین نہیں آیا کیونکہ دریائے نرنجنا بہت چھوٹا ہے۔ کئی برس کے فاقوں سے وہ ضرور بہت کمزور ہو گیا ہو گا۔ کہا جاتا ہے فاقوں کی وجہ سے وہ اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ تم اس کی پسلیاں گن سکتے تھے۔ اس کا معدہ اور اس کی کمر ایک ہو گئے تھے، اس کا پیٹ اس کی کمر سے لگ چکا تھا۔ وہ کمزوری کی وجہ سے دریا پار نہیں کر سکا۔ ڈوبنے سے بچنے کے لیے اس نے ایک درخت کی شاخ پکڑی اور اس سے جھول گیا۔

اس لمحے اسے ایک بصیرت حاصل ہوئی ــــ بصیرتیں صرف ایسے ہی لمحات میں حاصل ہوتی ہیں۔ جب اضطراب کامل ہوتا ہے، جب مایوسی کامل ہوتی ہے۔ جب بے سرابی (Disillusionment) کامل ہوتی ہے، جب امید کرنے کو کچھ نہیں بچا...... اس لمحے اسے سارا کچھ لایعنی لگا تھا۔ دنیاوی اشیا بے معنی ہو گئی تھیں، اس کے پاس وہ سب رہی تھیں اور انہوں نے اسے اطمینان نہیں دیا تھا جبکہ غیر دنیادارانہ خواہشیں بھی ویسی ہی احمقانہ تھیں، جیسی دنیادارانہ خواہشیں۔ اس لمحے میں، اس بصیرت میں وہ بے اشیاء (Objectless) ہو گیا۔

کتابوں میں لکھا ہے اس لمحے وہ بے خواہش (Desireless) ہو گیا۔ یہ غلط ہے۔ میں جو کہنا چاہتا ہوں اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ بے اشیا ہو گیا تھا، بے خواہش نہیں۔ تم بے خواہش نہیں ہو سکتے۔ خواہش تو عین تمہاری زندگی ہے، تمہاری سانس، تمہارے دل کی دھڑکن ہے، خواہش تمہاری ہستی ہے۔ تاہم یقیناً ایک کایا کلپ رونما ہوئی تھی، وہ بے اشیا ہو گیا تھا۔ خواہش توانائی کی حیثیت سے بچ گئی تھی، اشیا کے لیے نہیں رہی تھی۔ شے کوئی نہیں تھی، صرف توانائی تھی، خواہش مگر کسی شے کے لیے نہیں، ایک خالص خواہش یہاں اور اب میں۔

ٹھیک اسی رات اسے گیان حاصل ہوا۔ کسی خواہش کے بغیر وہ ایک درخت تلے بیٹھا آرام کر رہا تھا کہ اسے نیند آ گئی۔ پہلی بار وہ حقیقتاً سویا تھا۔ جب خواہش کرنے کو کچھ نہیں ہوتا، تو خواب دیکھنے کو بھی کچھ نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواب تمہاری خواہشوں کے عکس ہوتے ہیں۔ خواب تمہارے اضطرابوں کے عکس ہوتے ہیں، خواب تمہاری دبائی ہوئی باتوں کے عکس ہوتے ہیں، خواب تمہاری دن کی زندگی کو منعکس کرتے ہیں۔ اس رات کوئی خواب نہیں تھا، وہ خوابوں سے خالی گہری نیند تھی۔

پتانجلی کہتا ہے خوابوں سے خالی گہری نیند سمادھی سے قریب ترین ہوتی ہے ــــ صرف ایک قدم اور، اور تم گھر پہنچ جاتے ہو۔

اور وہ ایک قدم صبح سویرے اٹھایا گیا۔ آرام کرنے کے بعد بدھ نے آنکھیں کھولیں۔ زندگی میں پہلی بار اس نے کہیں نہیں جانا تھا، کچھ نہیں کرنا تھا۔ اب کیا کیا جائے؟ چمٹنے کو کچھ نہیں تھا، پکڑنے کو کچھ نہیں تھا۔ اس میں ضرور کامل خالی پن رونما ہوا ہو گا۔ وقت ضرور رک گیا ہو گا۔ مزید کوئی پروگرام نہیں تھا۔ وہ ہر روز بے شمار تصورات کے ساتھ جاگتا تھا، بے

شمار طریقے تپسیا کے سوچ کر جاگتا تھا، دھرم کی بہت سی رسوم ادا کرتا تھا، اور بہت کچھ کرنے کو ہوتا تھا۔ آج کچھ نہیں بچا تھا! کامل خالی پن۔

تمہارا کیا خیال ہے وہ مر چکا تھا؟ نہیں، وہ تو پیدا ہوا تھا۔ اشیا نہیں تھیں۔ اب خواہش خالص تھی__ صرف ایک دھڑکن، کسی خاص شے کے بغیر ایک جذبہ۔ کھلی آنکھوں کے ساتھ درخت تلے سکون سے بیٹھے ضرور وہ مشرق میں آسمان کو سرخ ہوتے دیکھ رہا ہوگا، اور پھر سورج طلوع ہو گیا ہوگا۔ سورج کے طلوع ہوتے وقت، آسمان کے سرخ ہوتے وقت، اور رات کے آخری ستارے کے غائب ہوتے وقت، وہ گیان پا گیا۔

اس لفظ گیان کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ خواہش تمام اشیا سے آزاد ہوگئی تھی۔ وہ خالص محبت، خالص ہمدردی، خالص زندگی بن گیا تھا۔

اور یہ خالص زندگی حیرتناک حسن اور سرمستی و مسرت کی حامل ہوتی ہے۔ اس خالص زندگی کے ساتھ تم لامحدودیت کو پا سکتے ہو۔

خواہش چھوٹی رہتی ہے کیونکہ تم اسے چھوٹی اشیا تک محدود کر دیتے ہو۔ یہ دیکھتے ہوئے لوگ بڑی اشیا کی خواہش کرنے لگتے ہیں__ لیکن بڑی اشیا بھی چھوٹی ہوتی ہیں۔ خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہوں، ان کی حدیں ہوتی ہیں۔

جب تم کہتے ہو سمندر ناقابل پیائش ہے، اتھاہ ہے، تو اس سے تمہارا کیا مطلب ہوتا ہے؟ تمہارا کیا خیال اس کی تہہ نہیں ہوتی، تھاہ نہیں ہوتی؟ تہہ تو ہے، یہ الگ بات ہم اسے ناپ نہیں سکتے۔ ہمارے ناپنے کے طریقے چھوٹے ہیں، ہمارے پیمانے چھوٹے ہیں۔

جب تم لفظ لامحدود استعمال کرتے ہو تو تمہارا کیا مطلب ہوتا ہے لامحدود سے؟ ذرا اس لفظ لامحدود کے معنوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم مشکل میں ہو گے۔ حد تو یہ ہے کہ تمہارا لفظ لامحدود بھی محدود نکلے گا۔

ہر لفظ جو ہم استعمال کرتے ہیں، اس کا محدود ہونا لازم ہے۔ اسی لیے جو لوگ بھگوان کو جان چکے ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بدھ نے تو اتنا بھی نہیں کہا کہ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اگر تم کہتے ہو کہ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تو تم پہلے ہی کچھ کہہ چکے ہوتے

ہو۔ تم پہلے ہی اس کی تعریف متعین کر چکے ہو! "اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا" یہ ایک بیان ہے، اور ہر بیان تعین کرتا ہے۔

تم چھوٹی چیزوں سے بڑی چیزوں کی طرف اور بڑی چیزوں سے زیادہ بڑی چیزوں کی طرف جا سکتے ہو لیکن اب بھی تمہاری خواہش، تمہاری زندگی آسودگی محسوس نہیں کرے گی۔ یہ اُس وقت تک آسودگی محسوس نہیں کر سکتی جب تک یہ حقیقتاً لامحدود نہیں ہوتی، تصورات میں نہیں بلکہ تجربے میں، اور جب تک کہ تم ہستی کی لامحدودیت کا ذائقہ نہیں چکھ لیتے۔

خواہش خوبصورت ہوتی ہے، اس میں کچھ برا نہیں ہوتا__ بس اسے اشیا سے آزاد کراؤ۔

الفاظ بات نہیں پہنچاتے، اس کے برعکس اعلیٰ ترین باتوں کے لیے تو وہ رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ کمتر باتوں کے لیے وہ پُل ہوتے ہیں، تم جتنا زیادہ بلندی پر جاتے ہو، وہ پُل کم ہوتے جاتے ہیں اور دیواریں زیادہ بنتے جاتے ہیں۔

تم کہتے ہو: "خواہش کا بیج کیا ہے؟"

خواہش کا بیج نہیں ہوتا۔ خواہش سب کا بیج ہوتی ہے۔

خواہش حتمی بیج ہے۔ خواہش ہر شے کا بیج ہے! صرف خواہش ہی خواہش کر سکتی ہے۔

ذہن بہت محدود وژن کا حامل ہوتا ہے۔

ذہن ایسے ہے جیسے تم دروازے کے پیچھے چھپے ہوئے ہو اور چابی کے سوراخ میں سے دیکھ رہے ہو۔ ہاں! کبھی کبھی تم کوئی اُڑتا ہوا پرندہ دیکھ سکتے ہو لیکن صرف ایک اُڑتے ہوئے پل کے لیے ہی، پھر وہ چلا جاتا ہے۔ تم کسی راہگیر کو گزرتا دیکھتے ہو__ کوئی خوبصورت عورت، کوئی خوبصورت مرد، یا کتا__ پل بھر کے لیے، پھر وہ گزر جاتا ہے۔ ایک لمحہ پہلے وہ وہاں نہیں تھا، ایک لمحہ بعد وہ وہاں نہیں ہوتا۔ ذہن اس طرح سے وقت کو تخلیق کرتا ہے۔ یہ ایک چابی کا سوراخ ہے۔

تم ایک اُڑتے ہوئے پرندے کو دیکھتے ہو اور صرف ایک سیکنڈ کے لیے دیکھتے ہو

۔ اِس سے پہلے وہ نہیں تھا ۔۔ تمہارا کیا خیال ہے وہ نہیں تھا؟ وہ تھا، لیکن وہ تمہارے لیے مستقبل میں تھا، کیونکہ وہ تمہارے چابی کے سوراخ کے سامنے نہیں تھا۔ ایک لمحے بعد وہ نہیں ہوتا ۔۔ تمہارا کیا خیال ہے وہ نہیں رہا؟ وہ اب بھی ہے لیکن تمہارے لیے وہ ماضی ہے۔

ذہن محدود ہے۔ اسی لیے وہ تقسیمیں تخلیق کرتا ہے ۔۔ ماضی، حال، مستقبل۔ حال وہ ہے جو ذہن کے پردے پر ایک لمحے کے لیے ظاہر ہوتا ہے، اور ماضی وہ ہے جو پردے پر نہیں ہے، اور مستقبل وہ ہے جو ابھی تک نہیں ہے۔ سب ہے اور ہمیشہ ہے، کوئی شے کبھی ہستی سے باہر نہیں جاتی، اور کبھی کوئی شے ہستی میں نہیں آتی۔ ہر شے موجود رہتی ہے۔

وقت ذہن کا تخلیق کیا ہوا ایک جھوٹا خیال ہے۔

ابدیت سچ ہے، لاوقتی سچ ہے۔

حتمی تجزیے میں وقت ذہن ہے، ذہن وقت ہے۔ دونوں ایک ہی سکے کے دو رُخ ہے، دونوں ساتھ ہی غائب ہوتے ہیں۔ ایک کو ترک کرو تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے۔

خواہش کا کوئی بیج نہیں ہے۔ خواہش سب دوسرے بیجوں کا حتمی بیج ہے۔

ذہن تو خواہش کی صرف ایک چھوٹی سی جھلک ہی دکھاتا ہے، خواہش کی محض ایک گزرتی ہوئی جھلک دکھاتا ہے۔ ذہن خواہش کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ جب اشیا نہیں رہتیں تو خواہش بھی ذہن کا حصہ نہیں رہتی۔ تب خواہش ذہن سے ماورا ہو جاتی ہے، تب خواہش ایک چھلکی ہوئی توانائی ہوتی ہے۔

ولیم بلیک کہتا ہے: خواہش توانائی ہے اور توانائی خوشی ہے۔ اس کی بصیرت سچی ہے۔ خواہش توانائی ہے، توانائی خوشی ہے۔ اس پر غور کرو۔ صرف خالص خواہش، صرف چھلکتی ہوئی توانائی، بغیر خاص منزل کے بغیر کسی خاص مقصد کے۔

ذہن ایک رکاوٹ ہے۔ یہ خواہش کو صرف چھوٹے چھوٹے راستوں سے نکلنے دیتا ہے جبکہ خواہش ایک سمندر ہے۔ خواہش کو نہیں ذہن کو ترک کرنا ہوگا۔ ذہن کو ترک کرنا ہوگا تاکہ ہم پوری خواہش کے حامل ہو سکیں۔

ذہن تمہارے جسم سے الگ نہیں، یہ جسم کا داخلی حصہ ہے۔ تم جسم اور ذہن دونوں سے الگ ہو۔ تم ایک الگ، وراہستی ہو، تم ذہن اور جسم دونوں کو دیکھنے والے ہو، دونوں کا

مشاہدہ کرنے والے ہو۔ تمہارا ذہن اور تمہارا جسم دونوں ایک ہی توانائی ہیں۔ جسم دکھائی دینے والا ذہن ہے، ذہن دکھائی نہ دینے والا جسم ہے۔ جسم خارجی ذہن ہے، ذہن داخلی جسم ہے۔

اسی لیے جنس صرف جسمانی نہیں ہوتی یہ جسمانی سے زیادہ ذہنی ہوتی ہے، نفسیاتی ہوتی ہے۔ جسم اس سے تعاون تو کرتا ہے لیکن جنس داخلی جسم سے خارجی جسم تک پہنچتی ہے۔ تمہیں پتہ ہو یا نہ پتہ ہو لیکن دیکھو۔ جنس کے حوالے سے پہلی بات سر میں، ذہن میں رونما ہوتی ہے، اور پھر فوراً جسم اس کے اثر میں آجاتا ہے کیونکہ جسم اور ذہن الگ الگ نہیں ہیں۔

جسمانی جنس (Phygiological Sex) بھی ہوتی ہے۔ یہ تب رونما ہوتی ہے جب تم کسی طوائف کے پاس جاتے ہو۔ یہ جسمانی ہوتی ہے۔ یہ صرف جسم کو سکون دیتی ہے۔ جسم پر توانائی کا بوجھ زیادہ ہو جاتا ہے اور تم نہیں جانتے کہ اس کا کیا کیا جائے۔ تمہیں اپنے آپ کو بوجھ سے آزاد کرنے کے لیے اسے کہیں پھینکنا پڑتا ہے تاکہ تم تھوڑا سا سکون محسوس کر سکو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم بہت زیادہ توانائی کے حامل ہوتے ہو اور تم اتنے غیر تخلیقی ہوتے ہو کہ تم نہیں جانتے اس کا کیا جائے۔

تم ایک گیت کاملاً نہیں گا سکتے۔ اگر تم گا سکتے ہو تو تم حیران رہ جاؤ گے کہ توانائی گیت میں گم ہو جاتی ہے اور گیت بن جاتی ہے۔ طوائف کے پاس جانے کی ضرورت نہیں رہتی۔

لیکن تم رقص نہیں کر سکتے، تم گٹار نہیں بجا سکتے ۔۔ تم انتہائی غیر تخلیقی ہو۔

طوائفیں اُس وقت تک دنیا میں موجود رہیں گی جب تک کہ مرد زیادہ تخلیقی نہیں ہو جاتے۔ اب مغرب میں آزادیٔ نسواں کی تحریک ہر شے میں برابری کا مطالبہ کر رہی ہے، حد تو یہ ہے کہ مرد طوائف (Male Prostitute) بھی وجود میں آچکا ہے۔ ایسا ہونا ہی تھا کیونکہ صرف عورتیں ہی طوائف کیوں ہوں؟ مرد طوائف بھی کیوں نہ ہو؟ برابری، برابری ہے۔

مرد غیر تخلیقی ہے۔ کیا تم نے کبھی مشاہدہ کیا؟ تم جب بھی تخلیقی ہوتے ہو جنس غائب ہو جاتی ہے۔ اگر تم تصویر بنا رہے ہو اور اس میں کاملاً جذب ہو گئے ہو تو تم کسی جنسی خواہش کے حامل ہو۔ جنس تمہارے ذہن کی دہلیز بھی پار نہیں کرتی ۔۔ بلکہ یہ ہوتی ہی نہیں ہے۔

تخلیق کار لوگ جنسی عمل کے بغیر زیادہ وقت گزار سکتے ہیں۔ شاعر، مصور، رقاص،

موسیقار جنسی عمل کے بغیر زیادہ وقت گزار سکتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ یہ لوگ مکمل طور پر کنوار پن کی زندگی گزارتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شاعر دن کے چوبیس گھنٹے شاعر نہیں ہوتا۔ ایسا کوئی شاعر شاذ ہی ملتا ہے جو دن کے چوبیس گھنٹے شاعر ہوتا ہے۔ تب وہ عام شاعر نہیں رہتا، وہ ایک رشی بن جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عظیم ہندوستانی شاعر رابندر ناتھ ٹیگور جب تخلیق کے موڈ میں ہوتا تھا تو کئی کئی دنوں کے لیے اپنے کمرے میں بند ہو جاتا تھا۔ نہ وہ کھانا کھاتا تھا، نہ وہ نہاتا تھا، بس کمرے میں بند رہتا تھا۔ وہ تبھی کمرے سے باہر آتا تھا جب اس کی توانائی تخلیقیت میں ڈھل چکی ہوتی تھی اور وہ اُس کے بوجھ سے آزاد ہو چکا ہوتا تھا۔ دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ چار دن کی فاقہ کشی کے باوجود اس کا چہرا نہایت روشن اور تروتازہ ہوتا تھا۔ وہ گلاب کے پھول کی طرح دلکش دکھائی دیتا تھا۔ تاہم چند گھنٹوں بعد خوشبو ختم ہو جاتی اور پھر مہینوں اس پر یہ کیفیت دوبارہ طاری نہ ہوتی۔

صرف گہری تخلیقیت میں تجرد ممکن ہوتا ہے۔ تمہارے نام نہاد پنڈت مجرد نہیں ہیں ـــ اس لیے کہ وہ انتہائی غیر تخلیقی ہیں۔ وہ سارا سارا دن مندر یا آشرم میں بیٹھے رام رام کرتے رہتے ہیں یا احمقوں کی طرح اپنی مالاؤں سے کھیلتے رہتے ہیں ـــ وہ مجرد کیسے رہ سکتے ہیں؟ برہمچاریہ ان پر کیسے وقوع پذیر ہو سکتا ہے؟ یہ صرف تب وقوع پذیر ہوتا ہے جب تخلیقیت تمہاری ساری توانائی لے لیتی ہے۔

شاعر کبھی کبھار شاعر ہوتے ہیں۔ جب تم کوئی نظم پڑھتے ہو تو ساری نظم شاعری نہیں ہوتی۔ صرف چند مصرعے ہی حقیقی شاعری ہوتے ہیں۔ باقی مصرعے تو شاعر نے خود سے ترتیب دیئے ہوتے ہیں، وہ اس پر اترے نہیں ہوتے۔

ایک عظیم شاعر کولرج فوت ہو گیا۔ اس نے چالیس ہزار نظمیں نامکمل چھوڑیں۔ اس نے زندگی میں کئی بار پوچھا گیا: "آپ ان نامکمل نظموں کو پورا کیوں نہیں کرتے؟" کولرج ہمیشہ کہتا: "میں انہیں اس وقت تک مکمل نہیں کروں گا جب تک یہ ورا سے نہ آئے۔ یہ مصرعے ورا سے آئے ہیں، میں تو صرف انہیں لکھ رہا ہوں۔ میں لکھاری نہیں ہوں، میں مصنف نہیں ہوں، میں تو فقط سٹینو ہوں۔ میں تو ورا کی لکھوائی ہوئی باتیں لکھ رہا ہوں۔ اگر ایک مصرعہ کم ہے

تو میں اس کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ میں کئی بار کوشش کر چکا ہوں اور ہمیشہ ناکام رہا ہوں۔"

جب رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنی عظیم کتاب "گیتانجلی" کو پہلی بار انگریزی میں ترجمہ کیا تو وہ تھوڑا فکرمند تھا کہ ترجمہ کامیاب ہوا ہے یا نہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ انگریزی اس کی مادری زبان نہیں تھی۔ دوسری بات یہ کہ نثر کو ترجمہ کرنا آسان ہے، شاعری کو ترجمہ کرنا مشکل ہے، اور زیادہ مشکل کام بنگالی جیسی شاعرانہ زبان سے ترجمہ کرنا ہے۔ بنگالی زبان انتہائی شاعرانہ ہے۔

وہ فکرمند تھا: "کیا میری اصل کتاب کی روح ترجمہ ہوئی ہے؟" اس نے وہ ترجمہ ایک عظیم انگریز سی۔ایف۔ اینڈریوز کو دکھایا۔ اینڈریوز نے ساری کتاب پڑھی اور کہا، "صرف چار الفاظ تبدیل کر دو۔ وہ گرامر کی رو سے غلط ہیں۔" فطری بات ہے رابندر ناتھ ٹیگور نے انہیں تبدیل کر دیا۔

پھر جب اس نے لندن میں شاعروں کے ایک اجتماع میں گیتانجلی سے نظمیں سنائیں تو وہ حیران رہ گیا۔ ژیٹس نے اٹھ کر کہا: "ہر شے درست ہے لیکن چار لفظ بڑے دنیادارانہ ہیں، غیر شاعرانہ ہیں۔ ساری نظم خوبصورت ہے لیکن ان چار مقامات پر دریا چٹانوں سے ٹکرا جاتا ہے۔"

رابندر ناتھ نے کہا: "وہ چار مقامات کون کون سے ہیں؟" ژیٹس نے جو لفظ بتائے وہ عین وہی لفظ تھے جنہیں سی۔ایف۔ اینڈریوز نے تبدیل کروایا تھا۔ رابندر ناتھ ٹیگور نے کہا: "یہ سی۔ایف۔ اینڈریوز کے لفظ ہیں، وہ مجھ سے بہتر انگریزی جانتا ہے۔"

ژیٹس نے کہا: "درست ہے ـــ یہ بہتر انگریزی ہے، لیکن یہ بہتر شاعری نہیں ہے۔ گرامر درست ہے، لیکن شاعری گرامر نہیں ہوتی۔ زبان درست ہے لیکن شاعری صرف زبان نہیں ہوتی۔ شاعری تو زبان اور گرامر سے بالا اور اعلیٰ ہوتی ہے۔ پلیز اپنے پہلے والے الفاظ ہی رہنے دو۔"

رابندر ناتھ ٹیگور کو اس کتاب پر نوبل انعام دیا گیا تھا۔

سارے شاعر ہمیشہ شاعر نہیں ہوتے، ساری نظمیں نظمیں نہیں ہوتیں۔ ہو سکتا ہے جو بات میں تمہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں، تمہیں سمجھ نہ آئے لیکن جب بھی کوئی شاعر شاعر ہوتا ہے،

وہ تجرد اپناتا ہے۔ جنسیت غائب ہو جاتی ہے، بھاپ کی طرح اتر جاتی ہے۔ جب شاعر میں کوئی نظم اترتی ہے تو اس لمحے یہ ناممکن ہوتا ہے کہ خواہش کو کوئی شے دی جائے۔ جنس تمہاری خواہش کو شے دیتی ہے۔ جنس خالص نہیں ہے، نہ ہو سکتی ہے، کیونکہ شے موجود ہوتی ہے۔

جس لمحے جنس خالص ہوتی ہے، وہ سمادھی بن جاتی ہے۔

ذہن اور جسم دونوں جنسی ہیں۔ تاہم دونوں کو خالص بنایا جا سکتا ہے۔

توانائیوں کی کایا کلپ کرنے کے لیے میرا پیغام، میری کلید، میری طلائی کلید ہے تخلیقیت۔ زیادہ سے زیادہ تخلیقی بنو۔ دھیرے دھیرے تم دیکھو گے کہ کایا کلپ خودبخود رونما ہو گی۔ تمہارا ذہن غائب ہو جائے گا، تمہارا جسم اسے بالکل مختلف محسوس کرے گا، اور تم مستقل آگاہ رہو گے کہ تم الگ ہو، کہ تم خالص شاہد ہو۔

میں خواہش کے خلاف نہیں ہوں۔ میں تو خواہش کا مکمل طور پر حامی ہوں۔ تاہم مَیں اشیا کی خواہشوں کا حامی نہیں ہوں۔ اشیا کو غائب ہو جانے دو، تب تم خواہش کو ایک دھوئیں کے بغیر شعلہ پاؤ گے۔ وہ عظیم آزادی لائے گی۔



علم اور دانش کا فرق

تم بہت باعلم ہو۔ تم بہت زیادہ جانتے ہو — اور جو کچھ بھی تم جانتے ہو، سب مقدس گائے کا گوبر ہے۔ سارا علم ہمیشہ گائے کا گوبر ہی ہوتا ہے۔ دانش کاملاً مختلف شے ہے۔ علم کچرا ہوتا ہے۔ تم اسے اِدھر اُدھر سے اکٹھا کرتے ہو۔ وہ تمہارا نہیں ہوتا۔ وہ مصدقہ نہیں ہوتا۔ وہ تمہاری ہستی میں نشو ونما نہیں پاتا۔ تم نے اسے جنم نہیں دیا ہوتا۔

تاہم وہ تمہیں انتہائی مسرور انا دیتا ہے: "میں جانتا ہوں۔" جتنا زیادہ یہ تصور راسخ ہوتا ہے کہ "میں جانتا ہوں" اتنا ہی تم زندگی میں حیرت کم محسوس کرتے ہو۔ علم حیرت کو تباہ کر دیتا ہے۔ جبکہ حیرت دانش کا سرچشمہ ہے۔ حیرت ہر خوبصورت شے کا سرچشمہ ہے۔ اور حیرت تلاش کا سرچشمہ ہے، حقیقی تلاش کا۔ حیرت تمہیں زندگی کے اسرار کو جاننے کی مہم پر لے جاتی ہے۔

باعلم آدمی پہلے ہی سے سب کچھ جانتا ہے — حالانکہ جانتا کچھ بھی نہیں، تاہم وہ سوچتا ہے کہ وہ پہلے سے جانتا ہے۔ وہ فل سٹاپ پر پہنچ چکا ہوتا ہے۔ وہ کہیں نہیں پہنچا ہوتا، وہ کچھ نہیں جانتا۔ وہ ایک کمپیوٹر ہوتا ہے، اس کا ذہن پروگرامڈ ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ایم۔ اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ ہو۔ ہو سکتا ہے اس نے دنیا کے سب سے بڑے تعلیمی اداروں سے تعلیم حاصل کی ہو اور بہت ساری معلومات اکٹھی کر لی ہوں۔ تاہم معلومات و اطلاعات اس کی پھولوں کے اسرار کو محسوس کرنے کی حس کو تباہ کر دیتی ہیں اور پرندوں، درختوں، دھوپ اور چاند کے اسرار کو محسوس کرنے کی حس کو تباہ کر دیتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سارے جوابوں کو

جانتا ہے۔

وہ چاند میں خوبصورتی کیسے دیکھ سکتا ہے؟ وہ تو چاند کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ اگر تم اس سے کہو کہ میری محبوبہ کا چہرا چاند جیسا ہے تو وہ ہنسنے لگے گا۔ وہ کہے گا: ''تم بیوقوف ہو۔ تم اپنی محبوبہ کے چہرے کو چاند سے تشبیہہ کیسے دے سکتے ہو؟ تشبیہہ ممکن ہی نہیں ہے۔''

ریاضیاتی اعتبار سے، سائنسی اعتبار سے وہ درست ہے۔ لیکن شاعرانہ اعتبار ... ، وہ غلط ہے۔ جبکہ زندگی صرف سائنس نہیں ہے۔ جیسے کہ یسوع نے کہا تھا: ''انسان صرف روٹی پر زندہ نہیں رہ سکتا۔'' میں کہتا ہوں: ''انسان صرف سائنس پر زندہ نہیں رہ سکتا۔'' چند کھڑکیاں شاعرانہ تجربے کے لیے کھولنا ہوں گی۔ تاکہ تھوڑی سی دھوپ، تھوڑی سی ہوا، تھوڑی سی بارش حقیقی ہستی سے آسکے۔

اگر تم علم سے بہت زیادہ بھرے ہوگے تو تم زندگی سے مست و مسرور نہیں ہوسکو گے۔

دنیا میں لاکھوں لوگ یوں جی رہے ہیں۔ اردگرد معجزے رونما ہو رہے ہیں لیکن وہ انہیں نہیں دیکھتے۔ علم نے انہیں اندھا کر دیا ہے۔

اپنے علم کو پھینک دو۔ علم بے قیمت ہے، حیرت قیمتی ہے۔

اپنا تحیر دوبارہ حاصل کرو، جو اس وقت تمہارے پاس تھا، جب تم بچے تھے۔

